مقتل مطہر
آیت اللہ مرتضیٰ مطہری

(مصائبِ آلِ رسولؐ)

آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان

پوسٹ بکس ۵۴۲۵ - کراچی - پاکستان

نام کتاب	:	مقتل مطہر
تدوین و تحقیق	:	جعفر صالحان
ترجمہ	:	منیر الحسن جعفری
اصلاح و نظر ثانی	:	رضا حسین رضوانی
مطبع	:	محراب پریس کراچی
طبع اول	:	جنوری ۲۰۰۸ء

اسلام

''کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟
اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔ یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے عقل و دانش کے متعدد چشمے پھوٹتے ہیں۔ یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔ یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔ یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو حق و صداقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستا اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابل تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔''

(امام علی علیہ السلام)

کچھ اپنے بارے میں

حضرت آیت اللہ سید ابوالقاسم موسوی خوئیؒ کا قائم کردہ یہ بین الاقوامی ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان اب حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی حسینی سیستانی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں دنیا بھر میں معتبر اسلامی لٹریچر عوام تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اس ادارے کا مقصد دور حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا، لوگوں کو محکم اسلامی علوم کی طرف متوجہ کرانا اور اس گراں بہا علمی سرمائے کی حفاظت کرنا ہے جو اہلبیت رسولؐ نے ایک مقدس امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیا ہے۔

یہ ادارہ اب تک اردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں متعدد کتابیں شائع کرچکا ہے جو اپنے مشمولات، اسلوب بیان اور طباعت کی خوبیوں کی بنا پر فردوس کتب میں نمایاں مقام حاصل کرچکی ہیں۔ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ انشاء اللہ انسانیت کو صراط مستقیم کی شناخت کرواتا رہے گا۔

اس کے علاوہ ادارہ ہذا تقریباً ۵۰۰ مدارس و مکاتب میں زیر تعلیم بچوں اور جوانوں کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں اپنا کردار ادا کررہا ہے۔

دعوت اسلام ایک ایسا کام ہے جس کو فروغ دینے کے لئے ہم سب کو باہمی تعاون کرنا چاہیے۔ ادارہ آپ سب کو اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر میں عام کیا جاسکے۔

دعا ہے کہ خداوند منان بحق محمدؐ و آل محمدؑ ہم سب پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

شیخ یوسف علی نفسی

وکیل حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیستانی دام ظلہ العالی

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

حرفِ آغاز

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ یَا اَھۡلَ بَیۡتِ النُّبُوَّۃِ

فَمَا اَحۡلٰی اَسۡمَائُکُمۡ کَلَامُکُمۡ نُوۡرٌ وَاَمۡرُکُمۡ رُشۡدٌ وَ وَصِیَّتُکُمُ التَّقۡوٰی وَفِعۡلُکُمُ الۡخَیۡرُ وَعَادَتُکُمُ الۡاِحۡسَانُ وَسَجِیَّتُکُمُ الۡکَرَمُ

ایک دن میں گوشہ تنہائی میں بیٹھا اپنے نفس کا محاسبہ اور اپنے دفترِ عمل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ جس قدر غور کرتا دفترِ عمل میں گھاٹا ہی گھاٹا نظر آتا اور عقبیٰ کی گزر گاہوں کو عبور کرنا دشوار لگ رہا تھا۔ میں اپنے آپ سے خود کلامی کرنے لگا کہ قافلہ تو چلا گیا اور تو محوِ خواب رہا۔ اب تیرے سامنے ایک لق و دق صحرا ہے۔ تو کہاں جائے گا ؟ کس سے نشانِ منزل کا پتا پوچھے گا ؟ اور کیسے گزر بسر ہو گی ؟ تو خالی ہاتھ ان ہولناک منزلوں کو جو تیرے سامنے ہیں کیسے طے کرے گا ؟

انہی خیالوں میں گم تھا کہ اچانک امید کی ایک کرن چمکی۔ میرے پریشان دل کے اندر سے آواز آئی کہ اے تنگنائے وہم و خیال میں سرگرداں اگر تو ساحلِ مراد تک پہنچنا چاہتا ہے تو نجات کی کشتی میں سوار کیوں نہیں ہو جاتا۔ کیا تو بھول گیا ہے کہ یَاۡمَنُ مَنۡ رَکِبَھَا وَیَغۡرَقُ مَنۡ تَرَکَھَا یعنی

جو اِس میں سوار ہوا وہ امن و عافیت میں رہا اور جس نے اسے چھوڑا وہ ڈوب گیا۔[۱] ان کا دامن کیوں نہیں تھام لیتا جو کہف الوریٰ اور کہف الحصین ہیں۔ جو کاروان توحید کے اولیاء ہیں۔ جو ولایت مطلقہ کی بلند منزل پر فائز ہیں، جو ابواب اللہ یعنی اللہ تک لے جانے والا وسیلہ بھی ہیں۔ دارفناء اور داربقاء کے ان شفاعت کرنے والوں کی بارگاہ اقدس میں اپنے ''فطری عشق'' کا اظہار اس طرح کر کہ ان کی ولایت کے صدقے میں حق کی طرف لے جانے والی ''راہ صعود'' میں حائل ساری رکاوٹیں ختم ہو جائیں اور تیرے سامنے راستا ہموار ہو جائے کیونکہ کاروان ہدایت کے امیران پاک نژاد تجھے ہدایت کے رستے پر لے چلے تو، تو منزل مراد تک پہنچ جائے گا لیکن اگر تو ان امیروں کے بغیر چلتا رہا تو منزل کا سراغ نہیں پا سکے گا۔

کئی ماہ سے میری آرزو تھی کہ کچھ وقت نکال کر تحریر کے ذریعے جو کہ علمائے شریعت اور سالکین طریقت کی عادت رہی ہے کسی نہ کسی طور اپنے فطری عشق کو ان قدسی صفات رہبروں کے حضور نذر کرسکوں۔ ان کے دربار میں اپنا حقیر نذرانہ پہنچاؤں کہ شاید اسے شرف قبولیت عطا ہو اور مجھ عاصی پر ایک نظر عنایت ہو جائے تاکہ میرے قلب و نظر کو جلا ملے، آلودہ دل کو پاکیزگی نصیب ہو اور مجھ ناچیز کو وہ اپنی نظر اکسیر سے کندن بنا دیں۔

چنانچہ میری نظر کے سامنے علمی شخصیات میں سے وہ نابغہ روزگار چہرہ آگیا جس نے مختلف موضوعات پر بڑی مدلل، یقین آموز اور ایمان افروز گفتگو کی ہے اور جس کے بے شمار علمی شہ پارے آج بھی منبع فیض ہیں۔ میری مراد عالم ربانی استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ سے ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم

۱۔ ماہ شعبان میں ہر روز پڑھی جانے والی امام زین العابدینؑ سے مروی صلوات سے اقتباس۔

ہے مصائب اہلبیتؑ پر ان کی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی ہے لہٰذا میں نے سوچا کہ اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس عظیم مفکر کی کتابوں میں سے اس موضوع کو یکجا کر دیا جائے۔

اس مقصد کے لئے میں نے استاد شہید کی کتابوں کا اجمالی مطالعہ کیا اور ان کتابوں میں موجود مصائب کی کاپیاں تیار کرائیں۔اس کے بعد قدرے تحقیق کے ساتھ جیسا کہ آپ مشاہدہ فرمار ہے ہیں یہ کتاب مرتب کی اور اس توفیق پر میں اللہ تعالیٰ کا بہت شکر گزار ہوں۔

اس تمہید میں چند امور کی یاد دہانی مفید ہے:

۱۔ اس کتاب میں استاد شہید کی ۶۱ مجالس سے مصائب اہلبیتؑ جمع کیے گئے ہیں جو کہ ذاکرین کی ضرورت کو کافی حد تک پورا کر سکتے ہیں۔

۲۔ مصائب کی تدوین و ترتیب میں استاد شہید کے چمکیلے اسلوب تحریر و تقریر کو محفوظ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔

۳۔ استاد شہید کے بیان کردہ مصائب زیادہ تر تقریری صورت میں تھے۔ چونکہ تقریر میں اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ بعض کلمات حذف ہو گئے ہوں لہٰذا استاد شہید کی تحریروں (اور دیگر تقریروں) میں جو مصائب مل سکے ہیں ان کی اصل ماخذ کے ساتھ تطبیق کی گئی ہے۔ اور اگر کہیں راویوں کے حلقوں یا تاریخی ماخذوں میں کوئی بات کسی اور انداز سے بیان ہوئی ہے تو حاشیے میں اُس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

۴۔ دور حاضر میں دشمنان اسلام کی ثقافتی یلغار کے مقابلے میں ہر فرد کی عموماً اور نوجوان نسل کی خصوصاً اہم ترین ضرورت استاد شہید کے خیالات و نظریات اور اُن کی آراء و تجاویز سے واقفیت ہے۔ اس لئے مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ ہمارے ذاکرین استاد شہید کے بیان کردہ مصائب کو ان کی کتابوں کا نام لے کر بیان کریں تاکہ انہوں نے علمی ، ثقافتی اور تبلیغی میدانوں میں جو موثر اور گراں بہا خدمات انجام دی ہیں اُن کا اعتراف کیا جاسکے۔ امید ہے کہ اس طرح ہمارے نوجوانوں کو فکری بالیدگی نصیب ہوگی اور مجالس کو علمی استناد حاصل ہوگا۔

۵۔ اس کتاب کی تمام تر خوبیاں استاد کے علمی اور عملی جہاد، خلوص ، باطنی پاکیزگی اور کاشانۂ نبوت سے ان کے والہانہ عشق کی مرہون منت ہیں اور اس میں جو کمی ہے وہ مجھ ناچیز کی کم مائیگی سمجھی جائے۔

اس تمہید کے اختتام پر ہم ایام عزا کے دوران استاد شہید سے پوچھے گئے ایک سوال کا جواب نقل کر رہے ہیں جس میں انہوں نے ذکر مصائب کی ضرورت واہمیت اور اس کے فلسفے کی وضاحت فرمائی تھی۔

ذکر مصائب کی ضرورت اور اس کا فلسفہ

''کل ایک جوان نے مجھ سے سوال کیا تھا لہٰذا میں اسی حوالے سے ایک نکتہ آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ درحقیقت میں نے کبھی بھی اس بات پر اصرار نہیں کیا کہ ہر مجلس کے آخر میں لازمی طور پر مصائب بیان ہونے چاہئیں۔ اگر مجلس اس مقام پر ہو جہاں سے میں دوسری طرف بڑھ سکتا ہوں تو میں مصائب بیان نہیں کرتا لیکن اکثر مجلسوں میں خاص کر'' ایام عزا'' میں مختصر ہی سہی میں مصائب ضرور بیان کرتا ہوں۔

اس جوان نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آیا ذکر مصائب کی کوئی ضرورت یا افادیت بھی ہے؟ اگر ہمارا مقصد مکتب حسینی کا احیاء ہے تو کیا اس کے لئے بھی مصائب کربلا کا تذکرہ کرنا ضروری ہے؟ میں نے اس سے کہا:

’’جی ہاں! یہ وہ حکم ہے جو ائمہ اطہارؑ نے ہمیں دیا ہے اور اس حکم کا ایک فلسفہ بھی ہے۔ اگر کسی مکتب میں سچے جذبوں کی حرارت نہ ہو اور وہ محض فکر و فلسفہ کا خشک مجموعہ ہو تو لوگوں کی روح پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر کوئی مکتب دلوں کو گرمانے اور انسانوں کو اپنی طرف کھینچ لینے کی قوت رکھتا ہو تو یہی جاذبیت اس مکتب کو زندہ رکھتی ہے۔ کسی مکتب کا فلسفہ ہی اس مکتب کو آشکار کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور اُسے نطق بخشتا ہے یعنی اُسے منطقی بنا دیتا ہے۔

بے شک جذبات میں ہلچل مچا دینے والے ایسے ہی فلسفے کا نام ’’مکتب حسینؑ‘‘ ہے جو آج تک زندہ و پائندہ ہے۔ ہمیں اس فلسفے کو سمجھنا چاہیے اور اس کی قدر کرنی چاہیے۔ اگر ہم اس حیات آفریں مکتب کو محض ایک مکتب فکر کے طور پر پیش کریں گے تو انسانی جذبات کو زبان عطا کرنے والے اس مکتب فکر کا شعلہ آتش رفتہ رفتہ بجھ جائے گا اور یہ مکتب کہنہ اور پارینہ ہو جائے گا۔ اس لئے ہمیں مصائب کربلا ہمیشہ بیان کرتے رہنا چاہیے۔‘‘

یہ بڑی عمیق فکر تھی جو افق عظمت پر محو پرواز رہنے والے طائر فکر کی دور اندیشی کو ظاہر کرتی ہے۔ واقعاً امام حسینؑ، امام علیؑ، امام حسنؑ یا دیگر ائمہ یا حضرت زہراؑ کے مصائب کا ذکر انسان کے احساسات کو چھو لیتا ہے اور اُس کے جذبات کو گویائی بخشتا ہے۔ انسان ان جذبات کی آنچ سے حرارت حاصل کرتے ہیں اور یہ جذبات ان میں شعور اور ذمے داری کا احساس جگاتے ہیں جسے ہر حال میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

جعفر صالحان

۳ رشوال ۱۴۲۰ھ

مجلس ۱

امام علیؑ شب ضربت کے انتظار میں

اے حضرت امیرؑ کے عزادارو!

آج رمضان المبارک کی ۱۳ر تاریخ ہے۔ گویا ہم ایک طرف احیاء (بیداری اور عبادت) کی راتوں سے اور دوسری طرف شہادت امیر المومنینؑ کے ایام سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ ۱۳ر رمضان کو جو جمعہ کا دن تھا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ سامعین میں آپ کے فرزندان ارجمند امام حسنؑ اور امام حسینؑ بھی شامل تھے۔

خطبے کے دوران آپ نے اچانک امام حسنؑ سے پوچھا:

بیٹا حسنؑ! اس مہینے کے آج کتنے دن گزر چکے ہیں؟

انہوں نے عرض کی: بابا جان! ۱۳ دن۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی خاص بات کہنا چاہتے ہیں کیونکہ آپ جانتے تھے کہ کتنے دن گزر چکے ہیں۔

اس کے بعد امام حسینؑ سے پوچھا:

بیٹا! اس مہینے کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟

امام حسینؑ نے عرض کی: بابا جان! ۱۷ دن۔

یہ سن کر امام علیؑ نے اپنی ریش مبارک ہاتھ میں لے کر فرمایا: اس داڑھی

کو اس سر کے خون سے خضاب ہونے میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔[1]

حضرت امیر المؤمنینؑ اس ماہ مبارک میں کبھی اشارے کنایہ سے اور کبھی صراحت کے ساتھ لیکن واقعہ کی جزئیات و خصوصیات اور شہادت کا صحیح وقت بتائے بغیر ایک ایسی حالت کی نشاندہی فرماتے رہے تھے جو سب لوگوں میں خاص کر آپ کے اہل خانہ میں ایک قسم کی بے چینی، اضطراب اور پریشانی پیدا کر دیتی تھی۔[2]

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

۱۔ وَاللّٰهِ لَيَخْضِبَنَّهَا بِدَمِهَا اِذَا انْبَعَثَ اَشْقَاهَا. منتہی الآمال معرب، ج ۱، ص ۳۳۰ اور مناقب مرتضویہ ص ۳۹۰۔

۲۔ آشنائی با قرآن مولفہ مرتضیٰ مطہری ج ۶، ص ۱۳۶۔۱۳۷۔

مجلس ۲

شہادت امام علیؑ کی نگاہ میں

امام علیؑ کی زندگی کا آخری رمضان اپنے جلو میں بے چینی اور اضطراب لئے ہوئے تھا جیسا کہ آپ کی روش سے ظاہر ہوتا تھا۔ یہ مہینہ سابقہ تمام ماہ ہائے رمضان سے بالکل مختلف تھا جسے آپ کے اہل خانہ صاف محسوس کر رہے تھے۔ تاہم میں بطور تمہید آپ کی اس امتیازی خصوصیت کو عرض کرنا چاہوں گا جو نہج البلاغہ میں ہے۔ امام علیؑ فرماتے ہیں جب الٓمّٓ ○ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○ [1] کی آیت نازل ہوئی تو میں سمجھ گیا کہ رسول اللہؐ کے بعد فتنے اور بڑی بڑی آزمائشیں اس امت کو درپیش ہوں گی۔ چنانچہ میں نے پوچھا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہِ الْفِتْنَۃُ الَّتِیْ اَخْبَرَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِھَا. [2] یا رسول اللہؐ اس آیت میں فتنے سے کیا مراد ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: یَا عَلِیُّ ! اِنَّ اُمَّتِیْ سَیُفْتَنُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ. میرے بعد عنقریب یہ امت آزمائش سے گزرے گی۔

جب امام علیؑ نے سنا کہ رحلت رسولؐ کے بعد آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے گا تو آپ کو ماضی سے متعلق ایک بات یاد آگئی اور آپ نے فرمایا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوَلَیْسَ قَدْ قُلْتَ لِیْ یَوْمَ اُحُدٍ حَیْثُ اسْتُشْھِدَ مَنِ

۱۔ سورۂ عنکبوت: آیت ۱ و ۲۔

۲۔ فیض الاسلام کے نسخۂ نہج البلاغہ میں لفظ تَعَالٰی نہیں ہے۔

اسۡتُشۡهِدَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ. ''یا رسول اللہؐ! کیا آپ نے یوم احد مجھ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ مسلمان جنہوں نے شہید ہونا تھا وہ اس درجے پر فائز ہوگئے ہیں۔''

ستر مسلمان اس روز شہید ہوئے تھے جن میں سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؑ سرفہرست تھے۔ امام علیؑ اس جنگ کے ہیرو تھے۔

''وَحِیۡزَتۡ عَنِّی الشَّھَادَۃُ فَشَقَّ ذَالِکَ عَلَیَّ. اور شہادت مجھ سے دور رہی جس کا مجھے دکھ تھا اور میں نے عرض کیا تھا: یا رسول اللہؐ! مجھے اس فیض سے کیوں محروم رکھا گیا؟[1]

آنحضرتؐ نے فرمایا: اَبۡشِرۡ فَاِنَّ الشَّھَادَۃَ مِنۡ وَّرَائِکَ. میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ شہادت تمہارے تعاقب میں ہے۔ اگر آج یہاں تم شہید نہیں ہوئے تو کیا ہوا شہادت تو تمہارے مقدر میں لکھی جاچکی ہے۔ یہ کہہ کر آنحضرتؐ نے مجھ سے پوچھا:

اِنَّ ذَالِکَ لَکَذَالِکَ فَکَیۡفَ صَبۡرُکَ اِذَنۡ؟ ایسا تو ہوکر رہے گا۔ بتاؤ شہادت کے وقت تمہارا صبر کیسا ہوگا؟ امام علیؑ نے عرض کی: لَیۡسَ ھٰذَا مِنۡ مَّوَاطِنِ الصَّبۡرِ وَلٰکِنۡ مِنۡ مَّوَاطِنِ الۡبُشۡرٰی وَالشُّکۡرِ.[2] یا رسول اللہؐ! میرے لئے تو یہ صبر کا نہیں بلکہ خوشی اور شکر کا مقام ہوگا۔

۱۔ جنگ احد کے موقع پر امام علیؑ بھرپور عالم شباب میں تھے۔ آپ کی عمر صرف ۲۵ سال تھی۔ آپ کی جناب سیدہؑ سے نئی نئی شادی ہوئی تھی اور آپ کے ہاں امام حسنؑ کی ولادت بھی ہوچکی تھی۔ عام طور پر ایک جوان جوڑے کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ ان کی زندگی قدرے زیادہ ہو مگر امام علیؑ کو دیکھئے کہ ان کی سب سے بڑی آرزو شہادت ہے۔ (استاد مطہری)

۲۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام خطبہ ۱۵۵، ص ۴۸۱ اور نہج البلاغہ، صبحی صالح خطبہ ۱۵۶۔

حیات علیؑ کے آخری ایام

ان خبروں کے باعث جو جناب رسول اکرمؐ دے چکے تھے اور ان علامتوں کے سبب جن کا اظہار خود امام علیؑ فرما چکے تھے آپ کے اہل خانہ اور آپ کے اصحاب پریشان اور مضطرب تھے کیونکہ امام علیؑ عجیب باتیں بیان فرماتے تھے۔اس ماہ رمضان میں آپ اپنی اولاد کے گھر روزہ افطار فرماتے۔[1] ہر رات کسی ایک کے مہمان ہوتے۔ ایک رات امام حسنؑ کے مہمان ہوتے تو ایک رات امام حسینؑ کے اور ایک رات جناب زینبؑ کے مہمان ہوتے۔ آپ ہمیشہ بہت کم غذا تناول فرماتے تھے۔[2]

آپ کو اس حال میں دیکھ کر آپ کی اولاد کا دل جلتا تھا اور واقعی ان کے آنسو نکل آتے۔ کبھی پوچھتے: بابا جان! آپ اس قدر کم غذا کیوں تناول فرماتے ہیں؟ امام فرماتے: میں چاہتا ہوں کہ خدائے متعال سے اس حال میں ملاقات کروں کہ میرا شکم بھوکا ہو۔[3] (آپ کی اولاد سمجھ جاتی کہ علیؑ حالت انتظار میں ہیں)۔ آپ کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر فرماتے: میرے حبیب رسول خداؐ نے مجھے خبر دی تھی اور انہوں نے بالکل سچ فرمایا تھا اُن کی بات جھوٹ نہیں ہو سکتی۔[4] وہ وقت نزدیک ہے۔

۱۳ر رمضان کے دن آپ نے ایک ایسی بات کہہ دی جس سے پریشانی اور بڑھ گئی۔ بظاہر جمعہ کا دن تھا۔ آپ خطبہ دے رہے تھے۔ خطبے کے دوران آپ نے امام حسینؑ سے پوچھا: بیٹا! اس ماہ کے کتنے دن باقی

۱۔ شاید دیگر ماہ ہائے رمضان میں بھی آپ کا یہی معمول تھا۔ (استاد مطہری)

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۲۹۔

۳۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۲۴۔

۴۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۷۷۔

ہیں ؟ انہوں نے فرمایا: بابا جان ! ۱۷ دن باقی ہیں۔ امام نے فرمایا: ہاں ! بہت جلد میری داڑھی میرے سر کے خون سے رنگین ہو جائے گی۔ اس داڑھی کے خون سے رنگین ہونے کا وقت قریب ہے۔[۱]

شب ضربت امام علیؑ کا خواب

ارباب عزا ! ۱۹ر کی شب بچوں نے کچھ وقت مولا کے ساتھ گزارا۔ ایک ایک کر کے بچے رخصت ہوئے تو مولا مصلّے پر تشریف لے آئے۔ آپ مصلّے پر تھے[۲] اور ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی تھی کہ امام حسنؑ یا تو اضطراب کی وجہ سے یا پھر ہر رات ایسے ہی ہوتا تھا اپنے بابا کے مصلے کے پاس آبیٹھے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا خاص احترام کرتے تھے کیونکہ وہ حضرت زہراؑ کی اولاد تھے۔ آپ ان دونوں کا احترام حضرت رسول خداؐ اور حضرت زہراؑ کا احترام خیال فرماتے تھے۔ آپ نے امام حسنؑ سے فرمایا: مَلَكَتْنِي عَيْنِي وَاَنَا جَالِسٌ فَسَنَحَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا لَقِيْتُ مِنْ اُمَّتِكَ مِنَ الْاَوَدِ وَاللَّدَدِ: فَقَالَ اُدْعُ عَلَيْهِمْ فَقُلْتُ: اَبْدَلَنِي اللّٰهُ بِهِمْ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَاَبْدَلَهُمْ بِي شَرًّا لَهُمْ مِنِّي.[۳]

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۳۰ ۔ مناقب مرتضویہ ص ۲۹۰۔

۲۔ مستحب ہے کہ ہر شخص کے گھر میں عبادت کی ایک خاص جگہ مقرر ہو۔ امام علیؑ کا جو خلیفہ کی حیثیت سے دارالامارہ میں زندگی بسر فرما رہے تھے ایک مصلّی مخصوص تھا جہاں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ راتوں کو عموماً سویا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر اسی مصلّی پر آ کر عبادت کرتے تھے۔ (استاد شہید مطہری)

۳۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام، خطبہ ۶۹، ص ۱۵۶۔ نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۷۰۔

''بیٹا! بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں رسول خداؐ کو دیکھا تو عرض کیا: یا رسول اللہؐ! آپ کی امت نے مجھے خون کے آنسو رلا دیئے ہیں۔ واقعاً لوگوں کا امام علیؑ کی مخالفت کرنا اور اس راہ پر چلنے کے لئے آمادہ نہ ہونا جس پر وہ انہیں چلانا چاہتے تھے تعجب اور حیرت کی بات ہے۔ امت نے آپ کو وہ وہ دکھ پہنچائے تھے کہ کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ بی بی عائشہؓ کے ساتھیوں کا بیعت توڑنا اور معاویہ کا سازشیں کرنا امام علیؑ کے لئے بہت گراں تھا۔ معاویہ نہایت عیار اور چالاک آدمی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کون سی چیزیں علیؑ کے دل کو جلاتی ہیں۔ چنانچہ وہ خاص طور پر وہی کام کرتا تھا۔ خوارج اور تمام نام نہاد دین داروں نے جو خاکم بدہن امام علیؑ کو کافر کہتے تھے اور ان پر سب وشتم روا رکھتے تھے بالآخر امام علیؑ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

یہ حقیقت ہے کہ جب انسان امام علیؑ کی دکھ بھری زندگی کو دیکھتا ہے تو حیران ہو جاتا ہے۔ ایک پہاڑ میں بھی اتنی مصیبتوں کو برداشت کرنے کی سکت نہیں ہوتی۔ علیؑ اپنا درد دل کس سے کہتے؟ اب جو رسول اللہؐ کو عالم رؤیا میں دیکھا تو دل کھول کر رکھ دیا اور فرمایا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا لَقِيْتُ مِنْ اُمَّتِكَ مِنَ الْاَوَدِ وَاللَّدَدِ. یعنی اے اللہ کے رسولؐ! آپ کی امت نے مجھے بہت ستایا ہے۔ بتائیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ پھر آپ نے امام حسنؑ سے فرمایا: جان پدر! تیرے نانا نے مجھے حکم دیا کہ اے علیؑ! اس امت کے لئے بددعا کرو۔ چنانچہ میں نے عالم رؤیا میں کہا: اَبْدَلَنِيَ اللّٰهُ بِهِمْ خَيْرًا مِنْهُمْ وَاَبْدَلَهُمْ بِيْ شَرًّا لَهُمْ مِنِّيْ. ''بارالہا! مجھے اس دنیا سے جلدی اٹھا لے اور ان لوگوں پر اسے مسلط کر جو میری نسبت ان کے لئے بدترین ہو۔'' آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس جملے سے کس قدر پریشانی اور اضطراب بڑھتا ہے۔

بطخوں کی فریاد

جب امام علیؑ مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلنے لگے تو بطخوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔آپ نے فرمایا: دَعُوْهُنَّ فَاِنَّهُنَّ صَوَآئِحُ تَتْبَعُهَا نَوَآئِحُ.[۱]
ابھی تو ان بطخوں کی فریاد بلند ہو رہی ہے مگر زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ زمین وزماں لرزاں اور لوگ ماتم کناں ہوں گے۔

یہ سن کر سب بچے آگے بڑھے اور عرض کی: بابا جان ! ہم آپ کو مسجد نہیں جانے دیں گے۔ آپ ہم کو یا کسی اور کو اپنی جگہ مسجد بھیج دیں۔ چنانچہ امام نے فرمایا: میرے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ کو بھیج دو مگر پھر فوراً ہی فرمایا: نہیں ! میں خود ہی جاؤں گا۔ کہا گیا کہ ہم میں سے کسی کو اجازت دیجئے کہ آپ کے ہمراہ جائے مگر امام نے قبول نہیں فرمایا اور کہا: میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے ساتھ جائے۔[۲]

آپ کے لئے یہ رات کیسی خوشگوار رات تھی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ آپ کے جذبات کیا تھے؟ خود آپ ہی نے فرمایا ہے کہ میں نے بہت چاہا کہ راز کو جان لوں مگر صرف اجمالی طور پر جان سکا کہ کوئی عظیم حادثہ رونما ہونے والا ہے جیسا کہ نہج البلاغہ (میں آپ کے اس قول) سے معلوم ہوتا ہے کَمْ اَطْرَدْتُ الْاَيَّامَ اَبْحَثُهَا عَنْ مَّكْنُوْنِ هٰذَا الْاَمْرِ ، فَاَبَى اللّٰهُ اِلَّا اِخْفَاءَ هُ.[۳] میں نے چاہا کہ میں اس کام کے باطن اور (اس میں مخفی) راز کو پالوں مگر خدا نے انکار کیا کیونکہ وہ اس راز کو مخفی رکھنا چاہتا تھا۔

۱۔ کشف الغمہ ج ۲، ص ۶۲۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۳، ص ۳۱۰۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۲۶۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۳۵۔

۳۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۱۴۹، ص ۴۴۵۔ نہج البلاغہ، صبحی صالح خطبہ ۱۴۹۔

امام علیؑ کی آخری اذان

آپ خود فجر کی اذان دیا کرتے تھے۔ سپیدۂ فجر طلوع ہونے کے قریب تھا کہ آپ گلدستہ اذان پر تشریف لے گئے اور اذان کہی۔[1] اذان دینے کے بعد سپیدۂ سحر کو خدا حافظ کہتے ہوئے فرمایا: اے سپیدۂ فجر! جس دن سے علیؑ نے آنکھ کھولی ہے اس دن سے آج تک کیا کوئی ایسا دن گزرا ہے کہ تو طلوع ہو رہا ہو اور علیؑ سو رہا ہو؟ یعنی پہلے تو ایسا نہیں ہوا مگر اب تیٔ کی آنکھ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی۔ جب آپ گلدستہ اذان سے اترے تو فرمایا:

خَلُّوْا سَبِیْلَ الْمُؤْمِنِ الْمُجَاهِدْ
فِی اللّٰهِ ذِی الْکُتُبِ وَ ذِی الْمَشَاهِدْ
فِی اللّٰهِ لَا یَعْبُدُ غَیْرَ الْوَاحِدْ
وَیُوْقِظُ النَّاسَ اِلَی الْمَسَاجِدْ

اللہ کی راہ میں لڑنے والے مومن مجاہد کو راستا دو۔[2] وہ مومن جو احکام الٰہی کی پاسداری کرتا ہے اور خوشی خوشی رزم گاہ شہادت میں قدم رکھتا ہے۔ وہ جو خدائے واحد کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتا اور لوگوں کو نماز کے لئے پابندی سے جگایا کرتا ہے۔

دیکھئے آپ اپنا تعارف ایک مومن اور مجاہد کے طور پر کرا رہے تھے۔

آپ کے اہل بیتؑ کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کریں۔ امام علیؑ کہہ چکے ہیں کہ ان فریادوں کے بعد شور ماتم بلند ہوگا۔ جناب زینبؑ جناب اُمّ کلثومؑ اور تمام اہلبیتؑ جاگ رہے ہیں مگر ایک اضطراب و پریشانی

۱۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۷۹۔

۲۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۳، ص ۳۱۰۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۸۔

کے ساتھ۔ دل دھڑک رہے ہیں کہ نہ جانے اس رات کی تاریکی ختم ہونے سے قبل کیا سانحہ پیش آنے والا ہے؟ اچانک ایک آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

اے اہل عزا! اے علیؑ کے سوگوارو! قیامت کی اس گھڑی میں ہر گوشہ و کنار سے یہی آواز آرہی تھی:

تَهَدَّمَتْ وَاللّٰهِ اَرْكَانُ الْهُدٰى ، وَانْطَمَسَتْ اَعْلَامُ التُّقٰى ، وَانْفَصَمَتِ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى ، قُتِلَ ابْنُ عَمِّ الْمُصْطَفٰى ، قُتِلَ الْوَصِيُّ الْمُجْتَبٰى ، قُتِلَ عَلِيٌّ نِالْمُرْتَضٰى ، قَتَلَهُ اَشْقَى الْاَشْقِيَاءِ.

خدا کی قسم ہدایت کے ارکان منہدم ہوگئے۔ خدا کی قسم تقویٰ کی نشانیاں مٹ گئیں۔ حق کی مضبوط رسی ٹوٹ گئی۔ مصطفیٰؐ کے ابن عم قتل ہوگئے۔ اللہ کے برگزیدہ نبی کے وصی قتل کر دیئے گئے۔ علی مرتضیٰؑ قتل کر دیئے گئے۔ اولین و آخرین کے بدبخت ترین شخص نے انہیں قتل کر دیا۔[1]

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۲۳۸۔ بحار الانوار ج ۴۲ ص ۲۸۲۔

مجلس ۳

امام علیؑ لقائے پروردگار کی تیاری کر رہے ہیں

اے علیؑ کے چاہنے والو!

امام علیؑ نے اپنی زندگی کے آخری ماہ رمضان میں اپنے لئے ایک مخصوص لائحہ عمل ترتیب دیا تھا۔ آپ ہر رات اپنے بیٹوں یا بیٹیوں میں سے کسی ایک کے گھر افطار فرماتے تھے اور افطار میں تین لقموں سے زیادہ کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔[۱] جب آپ کے بیٹے (اور بیٹیاں) اصرار کرتے کہ کچھ زیادہ تناول فرمائیں تو آپ فرماتے کہ میں چاہتا ہوں کہ جب خدا سے ملاقات کروں تو میرا پیٹ بھرا ہوا نہ ہو۔[۲]

آپ اکثر فرماتے کہ رسول خداؐ نے مجھے جو علامات بتائی ہیں ان کے مطابق بہت جلد میری داڑھی میرے سر کے خون سے رنگین ہونے والی ہے۔[۳]

انیس کی شب امام علیؑ اپنی چھوٹی بیٹی اُمّ کلثومؑ کے مہمان تھے۔ دیگر راتوں کی نسبت آج آپ پر انتظار اور اضطراب کے آثار نمایاں تھے۔ جب سب آرام کے لئے چلے گئے تو آپ اپنے مصلّے پر تشریف لے گئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔[۴]

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۲۹۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۲۴۔

۳۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۲۷۔

۴۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۲۶۔

خدایا! مجھے جلد اٹھالے

طلوع فجر کا وقت قریب تھا کہ امام حسنؑ تشریف لائے۔ امام علیؑ نے اپنے فرزند دلبند سے کہا: بیٹا! آج رات میں بالکل نہیں سویا ہوں اور میں نے گھر والوں کو بھی جگا دیا ہے کیونکہ آج شب جمعہ ہے اور آج کی رات، شب بدر[1] (یا شب قدر) کے برابر ہے۔ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک مجھے اونگھ آ گئی۔ میں نے عالم رؤیا میں مجھے تمہارے نانا کی زیارت ہوئی تو میں نے کہا: یا رسول اللہؐ! مجھے آپ کی امت نے بہت دکھ دیئے ہیں۔ رسول خداؐ نے فرمایا: اس امت کے لئے بددعا کرو۔ پس میں نے بددعا کی کہ پروردگار! مجھے ان لوگوں کے درمیان سے جلد اٹھالے اور ان سے بہتر لوگوں کے ساتھ محشور فرما۔ ان لوگوں پر ایسے شخص کو مسلط فرما جس کے یہ اہل ہیں، ایسے شخص کو جو میری نسبت ان کے لئے بدترین ہو۔[2]

اسی وقت مؤذن نے آ کر کہا: نماز کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ امام علیؑ مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔[3] امام کے گھر میں چند بطخیں تھیں جو بچوں کے لئے پالی گئی تھیں۔ اس وقت ان بطخوں نے دلخراش آوازیں بلند کیں۔ گھر والوں میں سے کسی نے جب انہیں خاموش کرانا چاہا تو امام علیؑ نے فرمایا: انہیں کچھ نہ کہو، یہ صدائے عزا بلند کر رہی ہیں۔[4]

۱۔ جنگ بدر ۱۷ / یا ۱۹ / رمضان ۲ھ میں ہوئی تھی۔ دیکھئے تاریخ پیامبر اسلامؐ ص ۲۵۳۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۲۶۔

۳۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۳۵۔

۴۔ کشف الغمہ ج ۲، ص ۶۲۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۳، ص ۳۱۰۔

فزت ورب الکعبہ

اس طرف عبدالرحمن ابن ملجم اور اس کے بدنہاد ساتھی بڑی بے صبری سے امام علیؑ کی آمد کے منتظر تھے۔ ان کا راز قطام اور اشعث بن قیس کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ وہ ایک پست فطرت شخص تھا جس کا معاویہ کے ساتھ گٹھ جوڑ تھا۔ وہ امام علیؑ کے عدل گسترانہ طرز عمل کو سخت ناپسند کرتا تھا۔

قریب تھا کہ ایک چھوٹا سا واقعہ قتل کی اس سازش کو فاش کر دیتا لیکن ایک اتفاق نے اس کا راستا روک دیا۔ اشعث تیزی سے ابن ملجم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ روشنی پھیلنے میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ اگر روشنی پھیل گئی تو تجھے رسوا ہونا پڑے گا۔ اٹھ اور جلدی سے کام تمام کر دے۔[1]

حجر ابن عدی جو امام علیؑ کے مخلص اور قریبی دوستوں میں سے ایک تھا اشعث کی بات سے سمجھ گیا کہ کوئی گہری سازش ہے جسے انجام دینے کی تیاری ہو رہی ہے۔ حجر کسی سرکاری فرض کی ادائیگی کے بعد ابھی ابھی سفر سے واپس آیا تھا اور اس کا گھوڑا مسجد کے سامنے کھڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اس بارے میں جناب امیر المؤمنینؑ کو اپنی رپورٹ پیش کرنا چاہتا تھا۔

حجر نے جب اشعث کی بات سنی تو اس کو ملامت کرتا ہوا تیزی سے مسجد سے نکلا تاکہ امام علیؑ کو درپیش خطرے سے آگاہ کرے لیکن جب وہ امام علیؑ کے گھر پہنچا تو آپ دوسرے راستے سے مسجد میں پہنچ چکے تھے۔[2]

اگرچہ فرزندان علیؑ اور اصحاب علیؑ کی طرف سے بارہا یہ تقاضا کیا جا چکا تھا کہ اگر امام اجازت دیں تو آپ کے لئے محافظ مقرر کر دیا جائے مگر امام

۱۔ ارشاد مفید ص ۱۷۔

۲۔ ارشاد مفید ص ۱۷۔ تتمہ المنتہیٰ ص ۳۹۔

نے اس کی اجازت نہیں دی۔ امام تنہا آتے اور تنہا واپس جاتے تھے۔ آج رات پھر امام سے یہی تقاضا دہرایا گیا مگر امام نے قبول نہ فرمایا۔[۱]

امام علیؑ نے مسجد میں داخل ہوتے ہی فرمایا: یَا اَیُّهَا النَّاسُ ! اَلصَّلٰوۃُ اَلصَّلٰوۃُ. پھر آپ گلدستہ اذان پر تشریف لے گئے۔ اذان دے کر مصلّے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اس اثنا میں نہایت کم فاصلے سے تاریکی میں دو تلواریں چمکیں اور اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ یَا عَلِیُّ لَا لَکَ[۲] کی آواز نے سب کو حیرت زدہ کردیا۔ پہلا وار شبیب ملعون نے کیا لیکن وہ دیوار پر لگا اور کارگر ثابت نہ ہوا اور دوسرا وار ابن ملجم ملعون نے کیا جو امام علیؑ کے سر اقدس پر لگا۔ دریں اثنا حجر تیزی سے مسجد کی طرف واپس آیا لیکن جب وہ مسجد کوفہ میں پہنچا تو وہاں لوگوں کے نالہ وشیون کی آواز بلند تھی اور لوگ فریاد کر رہے تھے کہ امیر المؤمنینؑ قتل ہوگئے۔ امیر المؤمنینؑ قتل ہوگئے۔[۳]

اللہ کا شکر ہے کہ میری دیرینہ آرزو کی تکمیل پردۂ تقدیر سے ظاہر ہوگئی۔

ضربت لگنے کے بعد امام علیؑ کی زبان سے جو پہلا جملہ نکلا وہ تھا: ''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔''[۴] بزبان شاعرعلیؑ کہہ رہے تھے ؎

للہ الحمد بر آں چیز کہ خاطری خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

دوسرا جملہ تھا ''اس آدمی کو بھاگنے نہ دینا۔''[۵]

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۳۶۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۹۔

۳۔ قُتِلَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۰۔

۴۔ فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۹۔

۵۔ لَا یَفُوْتَنَّکُمُ الرَّجُلُ بحار لانوار ج ۴۲، ص ۲۳۰۔

عبدالرحمٰن، شبیب اور وردان [۱] تینوں بھاگ نکلے۔ ''وردان'' کیونکہ سامنے نہیں آیا تھا اس لئے پہچانا نہ جا سکا۔ [۲] شبیب جونہی بھاگنے لگا امام علیؑ کے اصحاب میں سے ایک نے اسے پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اس کے سینے پر بیٹھ گیا تاکہ اسے قتل کر ڈالے مگر یہ سوچ کر کہ لوگوں کا ہجوم اِدھر بڑھا چلا آ رہا ہے اور غلطی سے مبادا اسے ہی قتل نہ کر ڈالے وہ شبیب کے سینے سے اتر آیا اور شبیب بھاگ کر گھر میں چھپ گیا۔ اس کے چچا زاد بھائی کو جب پتا چلا کہ شبیب قتل علیؑ میں ملوث تھا تو اس نے شبیب کے گھر جا کر اس کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ [۳]

عبدالرحمٰن ابن ملجم کو لوگوں نے پکڑ لیا اور مشکیں کس کر مسجد میں لے آئے۔ لوگ اس قدر غیظ و غضب میں تھے کہ اس کی تکہ بوٹی کر دیتے۔ [۴]

امام علیؑ نے فرمایا: عبدالرحمٰن کو میرے سامنے پیش کرو۔ جب اسے امام کے سامنے لایا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا میں نے تمہارے ساتھ نیکیاں نہیں کی تھیں؟ وہ بولا کیوں نہیں؟ آپ نے پوچھا: پھر تو نے یہ کام کیوں کیا؟ [۵] اس نے کہا: جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اس تلوار کو میں نے چالیس دن تک مسلسل زہر میں بجھایا تھا اور میں نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ اس تلوار سے مخلوق خدا کا بدترین شخص قتل ہو۔ آپ نے فرمایا: تیری دعا مستجاب ہو گئی ہے کیونکہ جلد تو اسی تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ [۶]

اس کے بعد امام علی علیہ السلام نے اپنے رشتے داروں سے جو آپ کے اردگرد جمع تھے فرمایا: اے فرزندان عبدالمطلب! خبردار! میرے قتل کو بہانہ

۱۔ اس کا پورا نام وردان بن مجالد تھا۔ ارشاد مفید ص ۱۶۔
۲۔ ارشاد مفید ص ۱۷، بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۱۔
۳۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۰۔
۴۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۱، ۲۸۴۔
۵۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۸۷۔
۶۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۴۲، ۲۳۹۔

بنا کر لوگوں میں سے کسی پر "شریک جرم" ہونے کا الزام لگا کر خونریزی شروع نہ کر دینا۔

پھر آپ نے امام حسنؑ سے فرمایا: بیٹا! اگر میں جانبر ہوں گا تو اس شخص سے اپنا قصاص لینے کا مجھے اختیار ہے، نہ بچ سکوں تو اسے ایک ضرب سے زیادہ نہ لگانا کیونکہ اس نے بھی مجھ کو ایک ہی ضرب لگائی ہے۔ اور خبردار! اس کی لاش کا مثلہ نہ کرنا[۱] کیونکہ رسول خداؐ کا ارشاد ہے کہ لاش کا مثلہ کرنے سے پرہیز کرو چاہے وہ باؤلے کتے ہی کی ہو۔[۲] اس قیدی کی دیکھ بھال کرنا اور اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنا۔[۳]

امام حسنؑ کے حکم پر مشہور اور تجربہ کار طبیب اثیر بن عمرو کو بلوایا گیا۔ اس نے امیر المومنینؑ کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد کہا: تلوار زہر سے بجھی ہوئی تھی اور اس کے اثر سے مغز مسموم ہو گیا ہے۔ علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔[۴]

بستر شہادت پر امام علیؑ کی وصیت

ضربت لگنے کے وقت سے لیکر جان، جان آفریں کے سپرد کرنے تک کا عرصہ ۴۸ گھنٹے سے بھی کم تھا مگر امام علیؑ نے اس فرصت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جس میں آپ نے پند و نصیحت سے گریز

۱۔ بنی امیہ کا رسول اکرمؐ سے بیر دیکھیے کہ حضرت حمزہؓ کو قتل کرا کے بھی یزید کی دادی ہند کو چین نہ آیا اور اُس نے انتقام کے جنون میں اُن کا جگر چبایا اور ناک کان کاٹ کر اُس کا ہار پہنا۔ امام حسینؑ کو قتل کر کے بھی یزیدیوں کے دل سیر نہ ہوئے چنانچہ انہوں نے آپ کی لاش کو سم اسپاں سے پامال کر دیا۔ یزید کا دل بھی اُس وقت تک ٹھنڈا نہیں ہوا جب تک اُس نے امام حسینؑ کے ہونٹوں اور دانتوں پر چھڑی مار کر روح رسولؐ کو تڑپا نہ دیا۔ (رضوانی)

۲۔ اِيَّاكُمْ وَالْمُثْلَةَ وَلَوْ بِالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۸۸۔

۳۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۰۶، ۲۳۸۔ ۴۔ ایضاً ص ۲۳۴۔

گیا ہو۔ آپ نے بیس دفعات پر مشتمل وصیت فرمائی جو درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ باتیں ہیں جن کی علی بن ابی طالبؑ تم کو وصیت کر رہا ہے۔

علیؑ گواہی دیتا ہے کہ خدا ایک ہے اور گواہی دیتا ہے کہ محمدؐ خدا کے عبد اور رسول ہیں۔ خدا نے انہیں مبعوث فرمایا تاکہ اپنے دین کو دیگر ادیان پر غلبہ عطا فرمائے۔ بے شک میری نماز، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت اسی خدا کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں خدا کے حضور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

بیٹا حسنؑ! تم کو، اپنے تمام فرزندوں کو، اپنے اہل و عیال کو اور ہر اُس فرد کو جس تک میری یہ باتیں پہنچیں درج ذیل امور کی وصیت کرتا ہوں۔

﴿۱﴾ تقویٰ الٰہی کو ہرگز فراموش نہ کرنا اور کوشش کرنا کہ مرتے دم تک دین خدا پر باقی رہو۔

﴿۲﴾ سب مل کر خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ ایمان اور معرفت خدا کی بنیادوں پر سب متحد رہنا اور تفرقہ و انتشار سے بچتے رہنا۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح و آشتی برقرار رکھنا باقاعدگی سے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے افضل ہے اور جو چیز دین کو مٹا دینے والی ہے وہ تفرقہ اور انتشار ہے۔

﴿۳﴾ اپنے خونی اور قریبی رشتے داروں کا خیال رکھنا۔ صلہ رحمی کرتے رہنا کیونکہ صلہ رحمی کرنے والے کا حساب خدا کے حضور آسان ہو جاتا ہے۔

﴿۴﴾ خدا کیلئے یتیموں کا دھیان رکھنا۔ انہیں بھوکا اور لاوارث نہ چھوڑنا۔

﴿۵﴾ خدا کے لئے ہمسایوں کی خبر گیری کرتے رہنا۔ جناب رسول خداؐ ہمسایوں کے بارے میں اس قدر شدت سے تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں گمان گزرتا کہ آپ انہیں وراثت میں شریک قرار دیدیں گے۔

﴿۶﴾ خدا کے لئے قرآن سے غافل نہ ہو جانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے غیر قرآن پر عمل کرنے میں تم پر سبقت لے جائیں۔

﴿۷﴾ خدا کے لئے نماز کو قائم رکھنا کہ نماز دین کا ستون ہے۔

﴿۸﴾ خانۂ کعبہ سے روگردانی نہ کرنا۔ خبردار! کہیں حج معطل نہ ہونے پائے اس لئے کہ اگر حج کو ترک کیا گیا تو پھر تمہیں مہلت نہیں دی جائے گی اور دوسرے تمہیں اپنا لقمہ بنالیں گے۔

﴿۹﴾ خدا کے لئے جہاد سے منہ نہ موڑنا۔ راہ خدا میں مال اور جان کو پیش کرنے میں تنگ نظری کا مظاہرہ نہ کرنا۔

﴿۱۰﴾ خدا کے لئے زکوۃ دیتے رہنا۔ زکوۃ کی ادائگی خدا کی آتش غضب کو بجھا دیتی ہے۔

﴿۱۱﴾ خدا کے لئے ذریت رسولؐ پر ظلم وستم کرنے سے اجتناب کرنا۔

﴿۱۲﴾ خدا کے لئے اصحاب رسولؐ کا احترام کرتے رہنا۔ جناب رسول خداؐ نے ان کے بارے میں سفارش فرمائی ہے۔

﴿۱۳﴾ خدا کے لئے غریبوں اور محتاجوں کا خیال رکھنا اور انہیں اپنی زندگی میں شریک کرنا۔

﴿۱۴﴾ خدا کے لئے غلاموں سے حسن سلوک کرنا کیونکہ جناب رسول خداؐ کی آخری سفارش ان ہی کے بارے میں تھی۔

﴿۱۵﴾ خدا کی خوشنودی کے کام کرتے رہنا اور اس بارے میں لوگوں کی ملامت کو خاطر میں نہ لانا۔

﴿۱۶﴾ لوگوں سے نیکی اور محبت سے پیش آنا جیسا کہ قرآن نے حکم دیا ہے۔

﴿۱۷﴾ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کبھی نہ چھوڑنا۔ اگر تم نے ان کو چھوڑ دیا تو شر پسند تم پر مسلط ہو جائیں گے۔ پھر تم ان سے گلو خلاصی کے لئے

دعائیں مانگو گے تو تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔

﴿۱۸﴾ تم پر لازم ہے کہ آپس میں دوستانہ میل جول بڑھاؤ۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرو۔ قطع تعلق، علیحدگی اور انتشار سے پرہیز کرو۔

﴿۱۹﴾ اچھے کاموں کو ایک دوسرے کے تعاون سے اجتماعی طور پر انجام دینا اور گناہ کے کاموں یا بغض و عناد کا باعث بننے والے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرنا۔[۱]

﴿۲۰﴾ خدا کے عذاب سے ڈرتے رہنا کیونکہ خدا کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔ خدا تم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور امت رسولؐ کو یہ توفیق دے کہ وہ تمہارا (اہلبیتؑ کا) اور جناب رسول خداؐ کا احترام برقرار رکھ سکے۔ میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ حق کا درود و سلام ہو تم سب پر۔

۱۔ مولا کی اس وصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اجتماعیت کو کس قدر اہم جانتا ہے اور اس کی تاکید کرتا ہے۔ حضرت رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ (کنز العمال) ایمان کی حرارت کے ساتھ اسلام ہر جگہ لوگوں میں اجتماعی شان نمایاں دیکھنا چاہتا ہے کیونکہ ترقی اور کامیابی جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اجتماع کا شیرازہ بکھیرنا اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا اسلام کی شان گھٹانے کے مترادف ہے۔ بے شک اسلام ایسی دولت سے مالا مال ہے کہ وہ ساری دنیا کے لوگوں کو جگانے اور ان کو ایک مرکز پر متحد کرنے میں بنیادی کردار ادا کرسکتا ہے کیونکہ یہ انسانوں کے پروردگار کا دین ہے۔ قاہرہ یونیورسٹی میں فیکلٹی آف عربک لٹریچر کے پروفیسر ڈاکٹر حامد حفنی داؤد کے بقول ''رمز اسلام، اسلام کے اصولوں میں پوشیدہ ہے اور اصولوں کا راز خود اسلام میں پوشیدہ ہے۔'' وہی معاشرہ کامیاب ہے جس کی اجتماعی روح پختہ اور کامل ہے۔ اجتماعی روح سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو اجتماعی فائدے کے کاموں میں شریک کیا جائے اور معاشرے کے مختلف طبقوں کے مابین مضبوط بنیادوں پر روابط استوار کئے جائیں تاکہ سارا معاشرہ فوائد سے بہرہ مند ہو۔ پس جو شخص مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرتا ہے وہ لائق تحسین ہے اور جو شخص ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرتا ہے وہ قابل مذمت ہے۔ (رضوانی)

اس وصیت کے بعد کسی نے امیر کائنات کے دہن مبارک سے شہادتین کے سوا کوئی اور کلام نہیں سنا یہاں تک کہ آپ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی۔[۱]

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

۱۔ ارشاد مفید صفحات ۱۵ تا ۱۸۔ کامل ابن اثیر ج ۳، ص ۳۸۷ تا ۳۹۲۔ مروج الذہب ج ۲، ص ۴۲۳۔ ۴۲۶۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۴۸۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶، ص ۱۲۰۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، مکتوب ۴۷ ص، ۹۶۷۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۳۲۔ ۳۴۱۔ داستان راستان ج ۲ ص ۲۶۸۔ ۲۷۴۔

مجلس ۴

مجھے ایسے ہی دن کی آرزو تھی

عزیزان گرامی!

جب امام علی بن ابی طالب علیہ السلام کے فرق مبارک پر ملعون ابن ملجم کی تلوار لگی اور آپ کا سر مبارک آپ کے ابرو تک شگافتہ ہوگیا تو آپ نے فرمایا: وَاللّٰہِ مَا فَجَأَنِیْ مِنَ الْمَوْتِ وَارِدٌ کَرِھْتُہٗ وَلَا طَالِعٌ اَنْکَرْتُہٗ، وَمَا کُنْتُ اِلَّا کَقَارِبٍ وَّرَدَ وَطَالِبٍ وَّجَدَ.[1] خدا کی قسم! ناگہانی موت اور ناگہانی وار ایسی چیز نہیں جو مجھے ناپسند ہو۔ میری مثال اس عاشق کی سی ہے جو اپنے معشوق تک پہنچ گیا ہو۔ بقول شاعر

دیدار یار غائب ، دانی چہ ذوق دارد
ابری کہ در بیابان برتشنہ ای ببارد

نظروں سے اوجھل دوست سے ملنے کی خوشی جانتے ہو کیسی ہوتی ہے؟ وہ خوشی ایسی ہوتی ہے جیسے صحرا میں کسی پیاسے پر کوئی بادل برسنے لگے۔

امیر المومنینؑ نے ایک ایسی مثال دی جس سے عرب بخوبی آشنا رہے ہیں۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۵۴۔ نہج البلاغہ۔ فیض الاسلام، مکتوب ۲۳، ص ۸۶۵۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۵، ص ۱۴۳۔ حضرت امیر المومنینؑ نے ابن ملجم مرادی لعنت اللہ علیہ کی تلوار لگنے کے بعد اپنی شہادت سے چند لمحے پہلے جو کلام فرمایا تھا اسی کو بطور اقتباس پیش کیا گیا ہے۔

جو عرب بیابانوں میں رہتے تھے وہ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے جہاں کہیں پانی اور سبزہ پاتے وہیں خیمے گاڑ دیتے تھے اور جب یہ چیزیں ختم ہو جاتیں تو نقل مکانی کر جاتے۔ گرمی کے موسم میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے کے لئے جہاں پانی دستیاب ہو راتوں کو سفر کیا کرتے تھے۔ حضرت امیر المومنینؑ اس کلام میں اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں میری مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے معشوق تک پہنچ گیا ہو۔ میری مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیری رات میں سنسان صحرا میں پانی ڈھونڈ رہا ہو اور جب اچانک اسے پانی مل جائے تو کتنا خوش ہوتا ہے۔ حافظ نے کیا خوب کہا ہے:

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
اندر آن ظلمت شب آب حیاتم دادند [1]

کل صبح کے وقت مجھے غم سے نجات دی گئی اور آج رات کے اس اندھیرے میں آب حیات دیا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ حماسہ حسینی ج ۱ (اس کتاب کا اردو ترجمہ دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی نے شائع کیا ہے)۔

مجلس ۵

امام علیؑ کے آخری لمحات

ارباب عزا!

امام علی علیہ السلام کی زندگی کے آخری ۴۵ گھنٹے سب سے زیادہ حیرت انگیز ہیں اگرچہ آپ کی پوری زندگی بڑے اہم ادوار سے عبارت ہے ولادت سے بعثت رسولؐ تک، بعثت سے ہجرت تک، ہجرت سے رحلت رسولؐ تک جو کہ امام علیہ السلام کی زندگی کا تیسرا دور ہے اور اس کے خدوخال اور رنگ ہی کچھ اور ہیں۔ پھر رحلت رسولؐ سے لے کر آپ کی اپنی خلافت کے آغاز تک کا دور امام علیہ السلام کی زندگی کا چوتھا دور ہے۔ اس کے بعد آپ کی ساڑھے چار سالہ حکومت کا زمانہ ہے اور یہ بھی آپ کی زندگی کا ایک اور اہم دور ہے۔

تاہم امام علی علیہ السلام کی زندگی کا ایک اور دور جو اگرچہ دو دن رات سے بھی کم عرصے پر محیط ہے نہایت حیرت انگیز دور ہے یعنی آپ کو ضربت لگنے سے لے کر آپ کی شہادت تک کا زمانہ جہاں آپ کے "انسان کامل" ہونے کا پتا چلتا ہے۔ یعنی وہ لمحات جب آپ کے سامنے موت کا سماں تھا اس وقت آپ نے موت کا سامنا کرنے کے بعد کس ردعمل کا مظاہرہ فرمایا؟ جب آپ کے فرق اقدس پر ضرب لگی تو آپ سے دو جملے سنے گئے۔

پہلا جملہ تھا فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ یعنی کعبہ کے پروردگار کی قسم! میں کامیاب ہوگیا یعنی مجھے شہادت نصیب ہوگئی اور شہادت میری کامیابی کا ثبوت ہے۔
اور دوسرا جملہ تھا لَا یَفُوْتَنَّکُمُ الرَّجُلُ اس آدمی کو بھاگنے نہ دینا۔

کوفے کا طبیب علیؑ کے سرہانے

امام علیؑ کو مسجد سے اٹھا کر بیت الشرف میں بستر پر لٹا دیا گیا۔ ایک عرب طبیب اثیر بن عمرو[1] کو جس نے جندی شاہ پور میں تعلیم حاصل کی تھی اور ان دنوں کوفہ میں طبابت کر رہا تھا جناب امیرالمومنینؑ کے علاج کے لئے بلایا گیا۔ اس نے آکر امام کا معائنہ کیا[2] اور سمجھ گیا کہ زہر آپ کے رگ و پے میں سرایت کرگیا ہے لہٰذا اس نے علاج کرنے سے لاچاری ظاہر کی۔ (عام طور پر لاعلاج مریض کی حالت کے بارے میں خود مریض کو کچھ نہیں بتایا جاتا بلکہ اس کے لواحقین کو آگاہ کیا جاتا ہے) لیکن طبیب جانتا تھا کہ امام علیؑ جیسی عبقری شخصیت سے کچھ چھپانا اور صرف ان کے متعلقین کو ان کی دگرگوں کیفیت سے آگاہ کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ اُس نے عرض کی:
یا امیرالمومنینؑ! اگر کوئی وصیت ہے تو فرمالیں۔[3]

۱۔ کوفہ کے ماہر معالجین میں اثیر بن عمرو سے زیادہ تجربہ کار جراح کوئی اور نہیں تھا۔ وہ ان چالیس نوجوانوں میں سے ایک تھا جنہیں عہد ابوبکرؓ میں خالد بن ولید نے عین التمرہ سے گرفتار کیا تھا۔ اس نے کوفہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۴۔

۲۔ لکھا ہے کہ اس طبیب نے دنبہ کے پھیپھڑے کی نلی کو گرم کر کے زخم کے اندر بھرا تھا۔

۳۔ یا اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَ اِعْھَدْ عَھْدَکَ فَاِنَّ عَدُوَّ اللّٰہِ قَدْ وَصَلَتْ ضَرْبَتُہٗ اِلٰی اُمِّ رَأْسِکَ
یا امیرالمومنینؑ! آپ اپنا عہد پورا کرلیں کیونکہ دشمن خدا کے وار کا اثر آپ کے مغز میں سرایت کر گیا ہے۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۴۔ منتہی الآمال معرب، ج ۱، ص ۳۴۳۔

ابن ملجم سے اُمّ کلثومؑ کی گفتگو

جناب اُمّ کلثومؑ کو جب اس لعین ازلی وابدی کے بارے میں پتا چلا تو انہوں نے اسے نفرین کرتے ہوئے کہا کہ (او ظالم) میرے بابا نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے ان کے ساتھ یہ جفا کی؟ پھر جب انہوں نے فرمایا کہ انشاء اللہ میرے بابا جلد صحت یاب ہو جائیں گے اور تجھے محرومی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا تو اس وقت اس ملعون نے جناب اُمّ کلثومؑ سے کہا:

آپ اب یہ آس نہ رکھیں کہ آپ کے بابا ٹھیک ہو جائیں گے کیونکہ میں نے یہ تلوار ایک ہزار درہم (یا دینار) میں خریدی تھی اور اسے زہر میں بجھانے کے لئے مزید ایک ہزار درہم (یا دینار) خرچ کئے ہیں۔ میں نے اس تلوار کو ایسے زہر سے بجھایا ہے کہ اگر پورے کوفہ کے لوگوں پر اسے چلایا جائے تو وہ سب کے سب موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ [1]

قاتل کے لئے امام علیؑ کی سفارش

امام علی علیہ السلام کا دوسروں کو مبہوت کر دینے والا انسانی معجزہ یہاں ظاہر ہوتا ہے جب آپ اپنی وصیت میں فرماتے ہیں کہ اپنے قیدی کی خاطر مدارات کرنا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: **يَا بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ لَا اُلْفِيَنَّكُمْ تَخُوْضُوْنَ دِمَآءَ الْمُسْلِمِيْنَ خَوْضًا، تَقُوْلُوْنَ: قُتِلَ اَمِيْرُالْمُؤْمِنِيْنَ، قُتِلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلَا لَا تَقْتُلُنَّ بِيْ اِلَّا قَاتِلِيْ.** [2]

۱۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۱۔

۲۔ نہج البلاغہ، صبحی صالح مکتوب ۴۷۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، مکتوب ۴۷ ص ۹۶۹۔ فیض الاسلام کی نہج البلاغہ میں لفظ یَقْتُلُنَّ آیا ہے۔

اے اولادِ عبدالمطلبؑ! میرے بعد ہرگز یہ کہتے نہ پھرنا کہ امیرالمومنینؑ کے قتل کا محرک فلاں شخص تھا اور فلاں بھی اس سازش میں شریک تھا۔ ایسا نہ ہو اس طرح اسے اور اُسے الزام دینے لگو۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم اس طرح کی باتوں میں پڑو کیونکہ میرا قاتل صرف یہی ایک شخص ہے۔

ابن ملجم کے لئے دودھ کا پیالہ

آپ نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا: بیٹا حسنؑ! میرے بعد اس شخص کا فیصلہ تمہارے اختیار میں ہوگا۔ چاہو تو اسے آزاد کر دینا اور چاہو تو قصاص لینا۔ اگر قصاص لینا چاہو تو اسے ایک ہی ضرب لگانا کیونکہ اس نے تمہارے باپ کو ایک ہی ضرب لگائی ہے۔ اگر وہ قتل ہو جائے تو ٹھیک ورنہ اسے چھوڑ دینا۔ اس کے بعد امیرالمومنینؑ نے ایک بار پھر پوچھا: کیا تم نے اپنے قیدی کو کھانا کھلایا ہے؟ کیا تم نے اسے پانی پلایا ہے؟ کیا تم نے اس کی دیکھ بھال کی ہے؟[۱]

جب امام کیلئے دودھ کا پیالہ لایا گیا تو آپ نے چند گھونٹ نوش جان فرمانے کے بعد کہا کہ یہ باقی دودھ ابن ملجم کو دیدو تاکہ وہ بھوکا نہ رہے۔[۲]

اپنے دشمن کے ساتھ آپ کا یہی وہ سلوک تھا جس کی وجہ سے مولانا روم کو کہنا پڑا۔

در شجاعت شیرِ ربا نیستی   در مروّت خود کہ داند کیستی ؟

مردانگی اور بہادری میں کوئی علیؑ کی ٹکر کا نہیں اور اخلاق و مروت میں کوئی اس کمال کو نہیں پہنچا۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۸۹۔

۲۔ مثنوی معنوی (مطبوعہ نیکلسن) ج ۱، ص ۲۲۹۔

اس سے بہتر کیا ہے کہ عبادت میں شہید ہو جاؤں؟

امام علیؑ بستر شہادت پر ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی حالت غیر ہوتی جا رہی ہے۔ زہر آپ کے جسم اطہر میں سرایت کر چکا ہے۔ آپ کے اصحاب پر غم واندوہ طاری ہے۔ سب آپ کے گرد بیٹھے مصروف بکا ہیں لیکن آپ کے چہرے پر مسکراہٹ اور اطمینان ہے۔ آپ نے اس انجام سے اپنی والہانہ شیفتگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: وَاللّٰہِ مَا فَجَأَنِیْ مِنَ الْمَوْتِ وَارِدٌ کَرِھْتُہٗ وَلَا طَالِعٌ اَنْکَرْتُہٗ... خدا کی قسم! جو مجھ پر بیتی ہے وہ میرے لئے ہرگز ہرگز ناپسندیدہ نہیں کیونکہ راہ خدا میں شہید ہونا میری دیرینہ آرزو رہی ہے اور میرے لئے اس سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے کہ میں عبادت کی حالت میں شہید ہو جاؤں...

وَمَا کُنْتُ اِلَّا کَقَارِبٍ وَّرَدَ وَطَالِبٍ وَّجَدَ. اس جملے میں امام علیؑ نے ایک مثل بیان فرمائی ہے جس سے عرب بخوبی واقف تھے۔ صحرانشین عرب، صحراؤں میں موسم کے لحاظ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ جب تک کسی جگہ ان کو اپنے گھر والوں اور جانوروں کے لئے پانی اور چارہ میسر ہوتا وہ اس جگہ ٹھہرے رہتے اور جب یہ ختم ہو جاتا تو کسی دوسری جگہ کی تلاش میں نکل پڑتے جہاں انہیں پانی اور چارہ میسر آ سکے۔ گرمیوں میں چونکہ دن کے وقت سخت گرمی ہوتی تھی اس لئے وہ ایسی جگہ کی تلاش میں جہاں پانی موجود ہو راتوں کو نکلتے تھے (ایسے شخص کو جو رات کی تاریکی میں صحرا میں پانی کی تلاش میں نکلے عربی زبان میں قارب کہا جاتا ہے) چنانچہ امام نے فرمایا:

لوگو! غور کرو! وہ شخص جو رات کی تاریکی میں پانی کی تلاش میں سرگرداں ہو جب اسے اچانک پانی مل جائے تو کتنا خوش ہوتا ہے؟ میری

مثال بھی اس عاشق کی طرح ہے کہ جس کی معشوق تک رسائی ہو جائے یا پھر اس شخص کی مانند ہے جسے رات کی تاریکی میں پانی مل جائے۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
اندر آن ظلمت شب آب حیاتم دادند
چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
آں شب قدر، کہ ایں تازہ براتم دادند [1]

کل صبح کے وقت مجھے غم سے نجات دی گئی اور آج رات کے اس اندھیرے میں آب حیات دیا گیا۔ کتنی مبارک تھی وہ سحر اور کتنی مبارک تھی وہ رات، وہ شب قدر جس میں مجھے نجات کا نیا پروانہ دیا گیا۔

حافظ کے یہ اشعار بھی وہی مفہوم بیان کر رہے ہیں جو امام کے جملے فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ میں ہے۔ از غصہ نجاتم دادند سے فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ [2] کے معنی ہی مراد ہیں۔ امام علیؑ کی سب سے زیادہ ولولہ انگیز باتیں وہی ہیں جو آخری ۴۵ گھنٹوں میں آپ نے کی تھیں۔ ۱۹ر رمضان کی فجر سے چند لمحے بعد آپ کو زخمی کیا گیا تھا اور ۲۱ ر رمضان کی نصف شب کے وقت آپ کی روح اقدس ملائے اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔

امام علیؑ کی آخری نصیحت

آخری لمحات میں جب موت کا سماں آپ کے پیش نظر تھا اور سب لوگ آپ کے بستر شہادت کے گرد جمع تھے آپ کے جسم مطہر میں زہر کا اثر پھیل چکا تھا۔ آپ کبھی تڑپنے لگتے اور کبھی بیہوش ہو جاتے۔ جب آپ ہوش میں آتے تو آپ کی زبان مبارک سے نصیحت اور حکمت کے گوہر آبدار

۱۔ دیوان حافظ ص ۱۱۴۔ ۲۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۹۔

بکھرنے لگتے۔ امام علیؑ کی ۲۰ دفعات پر مشتمل وصیت جسے میں نے گزشتہ مجلس میں بیان کیا تھا جوش ایمانی سے لبریز نظر آتی ہے۔آپ نے پہلے حسنین کریمینؑ کو، پھر اپنے باقی اہلبیتؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میرے (بیٹے) حسنؑ ! میرے (بیٹے) حسینؑ ! اس کے بعد امام نے اپنے تمام فرزندوں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے اسلام کی جامعیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِی الْاَیْتَامِ

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِی الْقُرْآنِ

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ جِیْرَانِکُمْ

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ بَیْتِ رَبِّکُمْ

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِی الصَّلٰوةِ

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِی الزَّکٰوةِ...

آپ نے ایک ایک نکتے کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

خدارا یتیموں کی خبرگیری کرتے رہنا۔

خدارا قرآن سے نہ ہٹ جانا۔

خدارا اپنے ہمسایوں کا خیال رکھنا۔

خدارا حج بیت اللہ کو معطل نہ کرنا۔

خدارا نماز کو نظر انداز نہ کرنا۔

خدارا زکوٰة دینے میں غفلت نہ کرنا...[1]

جو باتیں امام کے پیش نظر تھیں ان کے بارے میں آپ تاکید فرماتے

۱۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام مکتوب ۴۷، ص ۹۶۷۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۴۹۔

رہے۔ وہ افراد جن کی نگاہیں امام علیؑ کے رخ انور پر تھیں انہوں نے دیکھا کہ ایک دم امام کی حالت بدلی، آپ کی کشادہ پیشانی پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمکنے لگے اور آپ نے اپنے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے توجہ ہٹالی۔ وہاں موجود افراد امام کے لب ہائے مبارک سے ادا ہونے والے الفاظ سننے کے لئے ہمہ تن گوش تھے کہ ایک دم آپ کے مبارک ہونٹ جنبش کرنے لگے۔ لوگوں نے سنا کہ تاریخ کے بطل جلیل اور رسول اللہؐ کے خلیل نے اپنی زندگی کا یہ آخری جملہ کہہ کر آنکھیں بند کرلیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُـهٗ.

مجلس ۶

حق مہر — خون علیؑ

عبد الرحمٰن ابن ملجم ان نو نام نہاد مقدس اور متقی افراد میں سے ایک تھا جنہوں نے مکہ جاکر مشہور عہد و پیمان باندھا تھا اور جو یہ کہتے تھے کہ دنیائے اسلام میں پائے جانے والے تمام تر فتنوں کے ذمے دار علیؑ ، معاویہ اور عمرو بن عاص ہیں۔[۱]

ابن ملجم کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ کوفہ جاکر علیؑ کو قتل کرے گا۔ اس کام کے لئے انھوں نے ۱۹؍ رمضان کی رات مقرر کی۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ نادان خوارج نے ۱۹؍ رمضان کی رات اس لئے چنی تھی کہ ان کے خیال خام میں اس کار عبادت کو شب قدر میں انجام دینے سے ان کو زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔[۲]

ابن ملجم کوفہ آگیا اور مقررہ رات کے انتظار میں کوچہ گردی کرتا رہا۔ اس دوران وہ اپنی ہم مسلک خارجی دوشیزہ قُطام[۳] (بنت اخضر) کے تیر نظر سے گھائل ہوگیا۔ وہ اُس کے حسن کا ایسا اسیر ہوا کہ جس کام کے لئے کوفہ آیا تھا اسے بھی فراموش کر بیٹھا اور قُطام سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو وہ بولی کہ میں شادی کے لئے تیار ہوں لیکن میرا حق مہر بہت زیادہ ہے اور بہت سخت بھی۔ ابن ملجم چونکہ قُطام سے شادی کی دھن باندھ چکا تھا اس لئے اس

۱۔۲۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۱۱۳ و ۱۱۶۔

۳۔ قطام بڑی چالاک تھی۔ اس نے ''قتل علیؑ'' کو اپنا حق مہر اس لئے قرار دیا تھا کہ اُس کے خاندان کے کئی آدمی جنگ نہروان میں مارے گئے تھے۔ (رضوانی)

نے کہا کہ تم جو بھی کہو گی مجھے منظور ہوگا۔

قطام نے شادی کے لئے چار شرطیں پیش کیں جو یہ تھیں:

۱۔ تین ہزار درہم۔ ۲۔ ایک غلام۔

۳۔ ایک کنیز۔ ۴۔ علیؑ بن ابی طالبؑ کا خون۔

ابن ملجم نے پہلی تین شرطیں تو ہنسی خوشی منظور کرلیں لیکن چوتھی شرط پر ایک دم گھبرا کر بولا: ہم دونوں کی خوشگوار زندگی کی راہ میں علیؑ کا قتل دیوار بن جائے گا۔ قطام نے کہا کہ اگر تو میرا وصال چاہتا ہے تو تجھے علیؑ کو قتل کرنا ہوگا۔ اس کے بعد اگر تو بچ گیا تو مجھ تک پہنچ جائے گا اور اگر نہ بچا تو پھر بات ہی ختم ہو جائے گی۔[۱] قطام کی یہ شرط سن کر وہ بوکھلا گیا تھا۔ اُس نے اس حوالے سے یہ شعر بھی کہے ہیں:

ثَلاثَةُ اٰلافٍ وَ عَبْدٌ وَ قَيْنَةٌ وَقَتْلُ عَلِيٍ بِالْحُسَامِ الْمُسَمَّمِ

وَلَا مَهْرَ اَغْلٰى مِنْ عَلِيٍ وَاِنْ عَلَا وَلَا فَتْکَ اِلَّا دُوْنَ فَتْکِ ابْنِ مُلْجَمٍ

یعنی قطام نے مجھ سے یہ چیزیں بطور حق مہر طلب کی ہیں۔ دنیا میں اتنا بھاری اور سخت مہر کسی سے طلب نہیں کیا گیا ہوگا۔ یہ اُس نے سچ ہی کہا ہے دنیا میں کسی کا مہر چاہے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ علیؑ کے برابر نہیں ہوسکتا۔ میری بیوی کا مہر خون علیؑ ہے۔ پھر کہتا ہے پوری دنیا میں قیامت تک جتنی بھی غارت گری ہوگی وہ ابن ملجم کے اس ظلم سے کمتر ہوگی۔[۲]

اور اس ملعون کا یہ قول صحیح بھی ہے۔

۱۔ ارشاد مفید ص ۱۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶، ص ۱۱۵۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۶۶۔ ارشاد مفید ص ۱۸ پر ان اشعار سے قبل یہ شعر بھی لکھا ہے:

فَلَمْ اَرَ مَهْرًا سَاقَهُ ذُوْ سَمَاحَةٍ كَمَهْرِ قُطَامٍ مِنْ غَنِيٍّ وَ مُعْدِمٍ

میرے بعد خوارج کو قتل نہ کرنا

مذکورہ بالا حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ذرا امام علیؑ کی وصیت کا جائزہ لیجئے۔ جب علیؑ بستر شہادت پر تھے تو آپ کی نظر میں وہ دونوں فتنہ انگیز گروہ جنہیں آپ نے اپنی حکومت میں کچل دیا تھا۔ایک گروہ منافقین کا تھا جنہیں اصطلاح میں قاسطین کہا جاتا ہے۔ اس گروہ کا سرغنہ معاویہ تھا۔دوسرا گروہ مارقین کا تھا یعنی وہ خوارج جنہوں نے تقدس کا نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ اس گروہ میں باہمی تضاد بھی پایا جاتا تھا۔ لہٰذا اصحاب علیؑ کو ان دونوں گروہوں کا کس طرح مقابلہ کرنا چاہئے اس حوالے سے امام نے فرمایا:

میرے بعد ان لوگوں کو قتل نہ کرنا **لَا تَقْتُلُوا الْخَوَارِجَ بَعْدِیْ.**

یہ درست ہے کہ ان ہی لوگوں نے مجھے قتل کیا ہے لیکن میرے بعد تم ان کو قتل نہ کرنا اس لئے کہ اگر تم نے اُن کے قتل عام کا بازار گرم کیا تو اس بازار قتل میں جتنی تیزی آئے گی اتنا ہی تم معاویہ کے حق میں کام کرنے والے شمار ہوگے۔ تمہارا شمار حق اور حقیقت کے مفاد میں کام کرنے والوں میں نہیں ہوگا۔معاویہ کے لئے خطرہ تو کچھ اور ہے۔ آپ نے فرمایا:
لَا تَقْتُلُوا الْخَوَارِجَ بَعْدِیْ فَلَیْسَ مَنْ طَلَبَ الْحَقَّ فَاَخْطَأَهٗ کَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ فَاَدْرَکَهٗ. خبردار! میرے بعد خوارج کو قتل نہ کرنا کیونکہ حق کی تلاش میں نکل کر بھٹک جانے والا اس جیسا نہیں ہوتا جو باطل کی تلاش میں نکلے اور اسے حاصل بھی کرلے۔[1] یہ خوارج احمق اور نادان ہیں لیکن وہ تو تھا ہی باطل کی تلاش میں اور بالآخر باطل تک ہی پہنچا۔(سید رضی علیہ الرحمہ نے لکھا

۱۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام خطبہ ۶۰، ص ۱۴۱۔ نہج البلاغہ، صبحی صالح خطبہ ۶۱ میں لَا تَقْتُلُوا کی جگہ لَا تُقَاتِلُوا آیا ہے۔

ہے کہ آخری جملہ سے مراد معاویہ اور اس کے ساتھی ہیں)۔

امام علیؑ کو کسی سے نہ تو کینہ و بغض تھا اور نہ ان کی کسی سے دشمنی اور عداوت تھی۔ آپ ہمیشہ ''حرف حق'' بیان فرماتے۔ اسی ابن ملجم ہی کو لے لیجئے۔ جب اسے گرفتار کرنے کے بعد آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے زخمی ہونے کی وجہ سے نحیف آواز میں اس سے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ کیا میں تیرا برا امام تھا؟ (مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے یہ بات ایک دفعہ کہی یا دو دفعہ یا کئی دفعہ۔ لیکن سب نے یہی لکھا ہے جو میں عرض کر رہا ہوں کہ) علیؑ کی روحانیت سے متاثر ہونے کے بعد اس ستمگر نے کہا: اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ[1] کیا آپ ایک شقی کو آتش جہنم سے نجات دلا سکتے ہیں۔[2] میں بدبخت تھا کہ میں نے ایسا کام کیا۔ اور کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ امام علیؑ نے جب اس سے گفتگو کی تو اس نے نہایت درشت لہجے میں امام سے کہا:

علیؑ! میں نے جب اس تلوار کو خریدا تھا تو خدا سے دعا مانگی تھی کہ اس تلوار سے خلق خدا کا بدترین فرد قتل ہو اور اس کے بعد بھی ہمیشہ میں نے خدا سے یہی دعا کی کہ وہ اس تلوار سے اپنی مخلوق کے بدترین فرد کو قتل کرائے۔

امام نے فرمایا: اتفاق سے تمہاری دعا مستجاب ہوگئی ہے کیونکہ اسی تلوار سے تم قتل کیے جاؤ گے۔[3]

۱۔ سورۂ زمر: آیت ۱۹۔

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۴۰۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۸۷۔

۳۔ بحار الانور ج ۴۲، ص ۲۳۹۔ ۲۴۴۔

رات میں تشییع جنازہ

کوفہ جیسے بڑے شہر میں امام علیؑ نے شہادت پائی جہاں نہروان کے خوارج کے سوا باقی سب لوگوں کی یہی آرزو تھی کہ وہ علیؑ کی تشییع جنازہ میں شریک ہوں اور علیؑ پر گریہ وزاری کریں۔ مگر اکیسویں رمضان کی رات تک لوگوں کو خبر نہ تھی کہ کیا قیامت گزر چکی ہے یعنی علیؑ نصف شب کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

فوری طور پر امام علیؑ کے فرزندوں امام حسنؑ، امام حسینؑ محمد بن حنفیہ اور ابو الفضل العباسؑ کے علاوہ چند خاص شیعوں نے جن کی تعداد شاید چھ، سات سے زائد نہ تھی رازداری کے ساتھ علیؑ کو غسل و کفن دیا اور اس مقام پر جو خود امام نے پہلے سے مقرر فرمایا تھا — یعنی جہاں آج امام علیؑ کا مدفن ہے اور جو بعض روایات کے مطابق وہ سرزمین ہے جہاں بعض انبیائے عظام بھی مدفون ہیں — تاریکی شب میں دفن کر دیا اور کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو سکی۔ امام کی قبر کو مخفی رکھا گیا اور کسی کو نہیں بتایا گیا کہ امام کا مدفن کہاں ہے۔[1]

دوسرے دن لوگوں کو پتا چلا کہ گزشتہ رات ہی علیؑ کو دفن کر دیا گیا ہے جب آپ کے مدفن کے بارے پوچھا گیا تو جواب دیا گیا کہ کسی کا اس

۱۔ بحار الانوار، ج ۴۲، ص ۲۳۹۔

﴿کیا امت کو اس بات پر غور نہیں کرنا چاہیے کہ فاطمہ زہراؑ جن کے لئے رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا: فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ. (صحیح بخاری ج ۵، حدیث ۲۰۹) اور علی مرتضیٰؑ جن کے لئے رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا: یَا عَلِیُّ !! اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ. (صحیح بخاری ج ۲، حدیث ۲۰۸) کے جنازے دن کی روشنی میں بڑی شان سے اٹھنے کی بجائے رات کے اندھیرے میں کیوں دفن ہوئے ؟؟!۔ رضوانی﴾

بارے میں جاننا ضروری نہیں ہے۔ بعض کتب میں تو یہ بھی تحریر ہے کہ امام حسنؑ نے ایک تابوت تیار کرایا اور اسے مدینہ بھجوا دیا تاکہ لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ علیؑ کا جنازہ تدفین کے لئے مدینہ روانہ کیا گیا ہے۔[1]

ایسا کیوں کیا گیا؟ اس کی وجہ یہی خوارج تھے۔ اگر انہیں علم ہو جاتا کہ علیؑ کہاں دفن ہیں تو یہ لوگ قبر کھود کر امام علیؑ کا جسد مطہر نکال لیتے اور اس کی بے حرمتی کرتے۔

جب تک خوارج دنیا میں رہے اور انہیں اقتدار حاصل رہا امام علیؑ کے فرزندوں اور ائمہ اطہارؑ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ امام علیؑ کی قبر مطہر کہاں ہے۔ تقریباً ایک سو سال کے بعد جب خوارج کا زور ٹوٹ گیا اور وہ مٹ گئے تو امام علیؑ کی قبر مطہر کی اہانت کا خدشہ باقی نہیں رہا تو امام جعفر صادقؑ نے پہلی بار امام علیؑ کی قبر مطہر کی نشاندہی فرمائی۔

ہم زیارت عاشورا میں جو دعا پڑھتے ہیں جس کی سند میں امام کے معروف صحابی صفوان جمال کا نام آیا ہے اسی صفوان سے منقول ہے کہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں شہر کوفہ میں موجود تھا کہ آپ ہمیں امام علیؑ کی قبر مطہر پر لے گئے۔ آپ نے امام علیؑ کی قبر مطہر کی نشاندہی فرمائی اور شاید پہلی بار آپ نے حکم دیا کہ امام علیؑ کی قبر مطہر کے لئے ایک سائبان تیار کیا جائے چنانچہ اس کے بعد امام علیؑ کی قبر مطہر کا راز کھل گیا۔[2] امام علیؑ کو

۱۔ منتہی الآمال ج ۱، ص ۳۵۳۔

۲۔ ارشاد مفید ص ۱۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۲۷۱ اور سفینۃ البحار ج ۲، ص ۳۷

* صفوان جو ایک ساربان تھا اور اونٹوں کو کرائے پر چلانے کا کاروبار کرتا تھا ایک مرتبہ اور بھی امام جعفر صادقؑ کو مدینہ سے کوفہ لے گیا تھا۔ اس نے امام جعفر صادقؑ کے ہمراہ امام علیؑ کی قبر مطہر کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ اُسے قبر امام کے بارے میں مکمل

در پیش یہ مصیبت صرف آپ کی زندگی تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپ کی شہادت کے ۱۰۰ سال بعد تک آپ کی قبر کو اسی وجہ سے مخفی رکھا گیا تھا۔

مظلومیت علیؑ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا الْحَسَنِ ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ.

سلام ہو آپ پر اے ابوالحسنؑ۔ سلام ہو آپ پر اے امیر المؤمنینؑ !!

آپ اور آپ کی اولاد کتنے مظلوم ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے مولا جناب امیر المؤمنینؑ زیادہ مظلوم ہیں یا آپ کے فرزندار جمند امام حسینؑ زیادہ مظلوم ہیں۔ جس طرح امام علیؑ کا جسم اطہر دشمن کے شر سے محفوظ نہیں تھا اسی طرح آپ کے اور زہراؑ کے دلبر کا جسم اطہر بھی دشمن کے شر سے محفوظ نہیں رہا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: لَا یَوْمَ کَیَوْمِکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ. کوئی دن میرے مظلوم حسینکے دن جیسا نہیں۔ امام حسنؑ نے اپنے بابا کے جسم مطہر کو مخفی کیوں رکھا ؟ اس لئے کہ کوئی ان کے جسد مطہر کی اہانت نہ کر سکے لیکن افسوس کربلا میں صورتحال کچھ اور تھی۔ امام سجادؑ اتنے مجبور تھے کہ وہ امام حسینؑ کی شہادت کے فوراً بعد آپ کے جسد مطہر کو مخفی نہیں کر سکتے تھے چنانچہ نتیجہ کیا ہوا ؟ میں نام نہیں لینا چاہتا۔ ایک شخص نے کہا: [1]

لباس کہنہ چہ حاجت کہ زیر سُم ستور
تنی نماند کہ پوشند جامہ بر بدنش

آگہی حاصل تھی اور کامل الزیارات کے ص ۳۷ پر منقول ہے کہ صفوان ۲۰ سال تک مسلسل امام علیؑ کی قبر مطہر کی زیارت کے لئے جاتا رہا۔ وہ قبر امام کے نزدیک نماز پڑھا کرتا تھا۔

۱۔ سیری در سیرت ائمہ اطہارؑ ص ۴۹-۵۴۔

مجلس ۷

امام علیؑ خاموشی سے دفن کر دیئے گئے

عزاداران امیر المومنینؑ!

آج ہم سب یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں؟ آج ہم اس انسان کامل کے سوگ میں جمع ہوئے ہیں جس کو راتوں رات بڑی خاموشی سے سپرد خاک کر دیا گیا تھا۔ ایسا اس لئے کیا گیا تھا کہ جس طرح انسان کامل یعنی علیؑ بن ابی طالبؑ کے والا و شیدا دوست تھے اسی طرح ان کے جانی دشمن بھی بہت تھے۔ میں نے اپنی کتاب ''جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام'' میں اس بات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ دنیا میں کچھ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں بے پناہ قوت جاذبہ ہوتی ہے اور ایسے بھی انسان ہوتے ہیں جن میں بیحد قوت دافعہ پائی جاتی ہے۔ جن لوگوں میں غیر معمولی جذب و کشش پائی جاتی ہے ان کے چاہنے والے اتنے مخلص ہوتے ہیں کہ وہ ان پر اپنی جانیں نچھاور کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں اور ایسے انسان کے دشمن اتنے سفاک ہوتے ہیں کہ ان سے زیادہ سفاک کوئی دشمن نہیں ہوتا خاص طور پر ان کے آس پاس رہنے والے ان کے اندرونی دشمن۔ کچھ ایسے ہی وہ لوگ تھے جو اپنے چہروں پر تقدس کا نقاب اوڑھ کر امام علیؑ کے خلاف کھڑے ہوگئے تھے یعنی خوارج۔ خوارج درحقیقت وہ لوگ تھے جو ایمان رکھتے تو تھے مگر ساتھ ہی ساتھ سخت جاہل اور کٹ حجت بھی تھے۔ خود امام علیؑ نے اس امر کا اعتراف

کیا ہے کہ یہ افراد اہل ایمان تو تھے مگر جاہل اور احمق بھی تھے۔ آپ نے خوارج اور منافقین کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: لَا تَقْتُلُوا الْخَوَارِجَ بَعْدِیْ فَلَیْسَ مَنْ طَلَبَ الْحَقَّ فَاَخْطَأَہٗ کَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ فَاَدْرَکَہٗ. یعنی میرے بعد خوارج سے جنگ نہ کرنا کیونکہ ان میں اور اصحاب معاویہ میں فرق ہے۔ یہ خوارج حق کے طلبگار تو ہیں مگر احمق بھی ہیں اس لئے غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں جبکہ منافقین حق کو جانتے ہوئے حق کے خلاف برسر پیکار ہیں۔

ان تمام چاہنے والوں اور وفادار دوستوں کے ہوتے ہوئے امام علیؑ کو کیوں رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر دفن کیا گیا؟ ان ہی خوارج کے خوف سے[1] کیونکہ وہ لوگ کہتے تھے کہ علیؑ تو (معاذ اللہ) مسلمان ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ اس خطرے کا احتمال تھا کہ کہیں رات کی تاریکی میں یہ لوگ علیؑ کی قبر کھود کر ان کے جسد مطہر کو قبر سے باہر نہ نکال لیں۔

امام جعفر صادقؑ کے دور کے اواخر تک یعنی تقریباً ایک سو سال کے بعد[2] تک سوائے ائمہ اطہارؑ اور ان کے خاص اصحاب کے کسی کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ امام علیؑ کی تربت کہاں ہے؟

۲۱ر رمضان کی صبح امام حسنؑ نے ایک تابوت تیار کرا کے ایک گروہ کے سپرد کیا کہ وہ اسے مدینہ لے جائیں تاکہ لوگ یہی خیال کریں کہ علیؑ کو مدینے میں دفن کیا گیا ہے۔[3]

۱۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۲۲۔

۲۔ امام علیؑ ۴۰ھ میں شہید ہوئے تھے جبکہ امام جعفر صادقؑ کی شہادت ۱۴۸ھ میں ہوئی تھی۔

۳۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۵۳۔

امام علیؑ کی اولاد اور چند خاص شیعوں کو معلوم تھا کہ آپ کا مرقد کہاں ہے کیونکہ ان ہی لوگوں نے اکیس رمضان کی شب آپ کی تدفین میں شرکت کی تھی۔ وہ لوگ کوفہ کے نزدیک جہاں اس وقت آپ کا روضہ مبارک ہے آپ کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں جب خوارج کا زور ٹوٹ گیا تو قبر مولائے متقیان کی اہانت کا خطرہ بھی ختم ہوگیا۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ نے صفوان کو — جس سے دعائے علقمہ منقول ہے — حکم دیا کہ وہ قبر علیؑ پر شناخت کے لئے ایک سائبان لگائے۔ اس کے بعد سب لوگوں کو قبر امام کا علم ہوگیا اور آپ کی قبر مرجع خلائق بن گئی۔

قبر علیؑ پر صعصعہ کا مرثیہ

امام علیؑ کے جنازہ کے ساتھ بہت کم افراد تھے۔ صرف آپ کے فرزند تھے اور آپ کے چند خاص اصحاب تھے۔ ایک صحابی صعصعہ بن صوحان[1] تھے

۱۔ محدث شیخ عباس قمی نے مفاتیح الجنان میں "اعمال مسجد سہلہ" کے ذیل میں لکھا ہے کہ مسجد زید کوفہ کی مقدس مساجد میں سے ایک ہے جو زید بن صوحان سے منسوب ہے۔ وہ امام علیؑ کے بزرگ اصحاب میں سے تھے۔ ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے۔ وہ جنگ جمل میں امام علیؑ کی نصرت کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اسی مسجد کے نزدیک ان کے بھائی صعصعہ بن صوحان سے منسوب مسجد صعصعہ ہے۔ یہ بھی حضرت امیر المؤمنینؑ کے بزرگ اصحاب میں سے تھے۔ ان کا شمار حضرت امیرؑ کی معرفت رکھنے والے جلیل القدر اہل ایمان میں ہوتا ہے۔ وہ اس قدر فصیح و بلیغ خطیب تھے کہ حضرت امیرؑ نے انہیں خطیب شَحْشَحْ (خوش بیان خطیب) کا لقب دیا تھا اور فن خطابت میں ان کی مہارت اور فصاحت بیانی کی تعریف فرمائی تھی۔ اکیسویں کی شب جب امام علیؑ کے فرزندوں نے آپ کا جنازہ کوفہ سے نجف اشرف پہنچایا تھا تو صعصعہ بھی جنازے کے شرکاء میں شامل تھے۔ جب امام علیؑ کو

جو آپ کے پاک دل اور پاکباز دوست تھے۔ وہ ایک بہترین مقرر اور خطیب بھی تھے۔[1] انہوں نے آپ کی موجودگی میں کئی تقریریں کی تھیں۔

جب امام علیؑ کو دفن کیا گیا تو وہاں موجود تمام افراد پر حزن و ملال اور غم و غصہ طاری تھا۔ صعصعہ کا دل شدت غم سے بھر آیا تھا۔ انہوں نے قبر علیؑ سے مشت خاک اٹھائی اور اسے اپنے سر پر ڈالا۔ پھر اپنا دل تھام کر کہنا شروع کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَقَدْ عِشْتَ وَمِتَّ سَعِیْدًا.[2] میرا سلام ہو آپ پر یا امیر المؤمنینؑ۔ آپ نے کتنی سعادت بھری زندگی بسر فرمائی اور کتنی سعادت کے ساتھ دنیا سے سدھارے۔ آپ کی ولادت بھی

دفن کیا جا چکا تو صعصعہ نے آپ کی قبر کے نزدیک کھڑے ہو کر ایک مشت خاک اٹھائی اور اسے اپنے سر پر ڈالتے ہوئے کہا: ''یا امیر المؤمنینؑ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اے ابو الحسنؑ! خوشگوار ہوں آپ کے لئے خدا کی کرامتیں۔ بے شک آپ کی جائے ولادت پاکیزہ ہے۔ آپ کا صبر قوی اور جہاد عظیم ہے۔ جو آپ کی آرزو تھی آپ نے اسے پالیا۔ آپ نے بے حد نفع بخش تجارت کی اور واصل حق ہوگئے۔'' اس قسم کے بہت سے کلمات کہے اور بے حد روئے اور دوسروں کو بھی رلایا۔ درحقیقت جناب امیرؑ کی قبر پر اس رات کی تاریکی میں مجلس عزا برپا ہوئی۔ صعصعہ ذاکر تھے اور سامعین میں امام حسنؑ امام حسینؑ، جناب محمد بن حنفیہ، حضرت عباسؑ اور حضرت امیرؑ کے دیگر فرزندان اور اکابر اصحاب تھے۔ اس مجلس کے بعد انہوں نے امام حسنؑ، امام حسینؑ اور امام علیؑ کے دیگر فرزندوں کی طرف رخ کر کے تعزیتی کلمات کہے جس کے بعد سب کوفہ لوٹ آئے۔

۱۔ جاحظ نے البیان والتبیین میں ان سے مطالب نقل کئے ہیں۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۹۵۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۵۲ پر عبارت اس طرح ہے کہ هَنِیْئًا لَکَ یَا اَبَا الْحَسَنِ فَقَدْ (فَلَقَدْ) طَابَ مَوْلِدُکَ وَقَوِیَ صَبْرُکَ وَعَظُمَ جِهَادُکَ.

خانہ کعبہ میں ہوئی اور آپ نے جام شہادت خانہ خدا میں ہی نوش فرمایا۔

اسی مضمون کو کسی شاعر نے کیا خوب باندھا ہے۔

در کعبہ شد پدید و بہ محراب شد شہید
نازم بہ حسن مطلع و حسن ختام تو

کعبے میں آپ کی ولادت اور مسجد میں شہادت ہوئی ہے۔ میں آپ کے اس حسن آغاز اور اس حسن انجام پر نازاں ہوں۔

اے میرے مولا و آقا علیؑ! آپ کتنے عظیم تھے اور یہ لوگ کتنے پست۔ خدا کی قسم! اگر لوگ آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ [1] تو یقیناً ان پر آسمان سے رحمتیں نازل ہوتیں اور ان کے قدموں کے نیچے سے نعمتوں کے چشمے جاری ہوتے۔ مادی اور معنوی نعمتوں تک ان کو رسائی نصیب ہوتی مگر افسوس کہ لوگوں نے آپ کی قدر نہ پہچانی اور بجائے اس کے کہ آپ کے اعلیٰ اصولوں کی پیروی کرتے انہوں نے آپ کے دل کا نہ جانے کس کس طرح سے خون کیا اور آخر کار آپ کے فرق مبارک کو شگافتہ کر کے خاک و خون میں نہلا دیا۔[2]

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ.

۱۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۹۶۔

۲۔ انسان کامل ص ۱۴۴۔۱۴۶۔

مجلس ۸

علیؑ کا عظیم صحابی صعصعہ

مولا کے عزادارو!

صعصعہ بن صوحان عبدی مولا امیر المؤمنین علیہ السلام کے ایک عظیم صحابی تھے۔ جناب امیرؑ ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ وہ ایک مانے ہوئے اثر آفرین خطیب تھے۔ جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں ان کی قادر الکلامی اور طرز استدلال کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وَاَدَلُّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِسْتِنْطَاقُ عَلِیٍّ لَہٗ.[1] صعصعہ ایسے خوش بیان خطیب تھے کہ خود امام علیؑ بن ابی طالبؑ بعض اوقات انہیں خطاب کرنے کی دعوت دیتے تھے اور وہ امام کی موجودگی میں خطاب کرتے تھے۔

صعصعہ نے امام علیؑ کی خلافت کے پہلے دن آپ کے بارے میں ایک مختصر بات کہی تھی جب کہ دوسری بار انہوں نے آپ کے متعلق اس وقت گفتگو کی تھی جب امام علیؑ ''ابن ملجم کی تلوار'' سے زخمی ہوئے تھے۔ پھر جب امام علیؑ کو دفن کیا گیا تو اس کے بعد انہوں نے تفصیلی گفتگو کی تھی۔

۱۔ جاحظ البیان والتبیین ج ۱، ص ۲۶۶۔

خلافت علیؑ کا روز اول

امام علیؑ کی خلافت کے پہلے دن صعصعہ نے امام کی جانب رخ کر کے کہا تھا۔ زَیَّنْتَ الْخِلَافَةَ وَمَا زَانَتْکَ ، وَرَفَعْتَهَا وَمَا رَفَعَتْکَ وَهِیَ اِلَیْکَ اَحْوَجُ مِنْکَ اِلَیْهَا.[1] یا امیر المؤمنینؑ! آپ نے خلافت کو زینت بخشی ہے خلافت نے آپ کو زینت نہیں بخشی۔ آپ کے خلیفہ ہونے سے منصب خلافت کا وقار بڑھ گیا ہے لیکن خلافت نے آپ کے مرتبے کو اور بلند نہیں کیا۔ خلافت آپ کی محتاج ہے، آپ خلافت کے محتاج نہیں ہیں۔

علیؑ کو ضربت لگنے کے بعد

صعصعہ کا دوسرا جملہ وہ ہے جو انہوں نے امیر المؤمنینؑ کے گھائل ہونے کے بعد کہا تھا۔ صعصعہ پر بھی امام علیؑ کے دیگر اصحاب خاص کی طرح اس ضربت سے گہرا اثر ہوا تھا۔ صعصعہ در حقیقت امام کی عیادت کے لئے آئے تھے مگر انہیں اس کا موقع نہ مل سکا چنانچہ اس شخص کے ذریعے جس کی ''بیمار'' کے حجرے میں آمد و رفت تھی صعصعہ نے اپنے سوز دل کو ان دو جملوں میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ میرے آقا و مولا کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ صعصعہ نے کہا ہے: یَرْحَمُکَ اللّٰهُ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ حَیًّا وَمَیِّتًا لَقَدْ کَانَ اللّٰهُ فِیْ صَدْرِکَ عَظِیْمًا وَکُنْتَ بِذَاتِ اللّٰهِ عَلِیْمًا.[2] خدا کی رحمت آپ کی حیات و ممات میں آپ کے شامل حال رہے یا امیر المؤمنینؑ۔ خدا آپ کی فکر و نظر میں بہت عظیم ہے اور آپ ذات احدیت کے عارف و آشنا تھے۔

۱۔ الصوارم المحرقة ص ۶۔ اُسْدُ الغابه ج ۴، ص ۳۲۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۴۔ سفینة البحار ج ۲، ص ۳۱۔

صعصعہ کا پیغام جب امام علیؑ کو ملا تو آپ نے فرمایا کہ میری طرف سے صعصعہ کو کہیں وَاَنْتَ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ فَلَقَدْ کُنْتَ خَفِیْفَ الْمَئُوْنَۃِ کَثِیْرَ الْمَعُوْنَۃِ[1] تم پر بھی خدا کی رحمت ہو۔ اے صعصعہ! تم ہمارے بہترین دوست اور مددگار تھے۔ تم بہت کم توقع رکھنے والے، بہت کم زحمت دینے والے اور بہت کم خرچ تھے۔ نیز بہت زیادہ کام کرنے والے، بہت زیادہ خدمت کرنے والے اور بہت زیادہ فداکاری کرنے والے تھے۔

علیؑ کے دفن کے بعد

صعصعہ کا تیسرا کلام اس وقت کا ہے جب امام علیؑ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ تشییع جنازہ میں امام کے جو خاص اصحاب تھے ان میں ایک صعصعہ بھی تھے۔ امام کو جب سپرد خاک کیا جا چکا تو صعصعہ نے ایک ہاتھ اپنے دل پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور اپنے سر پر ڈالنے کے بعد کہا بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں یا امیر المومنینؑ! ھَنِیْئًا لَکَ یَا اَبَا الْحَسَنِ اے ابوالحسنؑ! خوشگوار ہوں آپ کے لئے وہ سب عزتیں اور سعادتیں جو اس موت کے ذریعے آپ نے حاصل کر لی ہیں اور وہ رتبہ جو اللہ کے نزدیک آپ کو ملا ہے۔

پھر کہا کہ لَقَدْ طَابَ مَوْلِدُکَ وَقَوِیَ صَبْرُکَ وَعَظُمَ جِھَادُکَ وَرَبِحَتْ تِجَارَتُکَ وَقَدِمْتَ عَلٰی خَالِقِکَ. بے شک آپ کی جائے پیدائش پاکیزہ ہے، آپ کا صبر قوی اور جہاد عظیم تھا۔ آپ نے نفع بخش تجارت کی اور اپنے پروردگار کے پاس پہنچ گئے۔ فَاَسْئَلُ اللّٰہَ اَنْ یَّمُنَّ عَلَیْنَا بِاقْتِفَائِنَا اَثَرَکَ وَالْعَمَلِ بِسِیْرَتِکَ. میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہمیں توفیق

۱۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۳۴۔ سفینۃ البحار ج ۲، ص ۳۰۔

عطا فرمائے کہ ہم آپ کے نقش قدم پر چل سکیں۔ فَقَدْ نِلْتَ مَالَمْ یَنِلْهُ اَحَدٌ وَاَدْرَكْتَ مَالَمْ یُدْرِكْهُ اَحَدٌ. بے شک آپ نے اس چیز تک رسائی پائی جہاں تک کسی اور کی رسائی نہیں اور آپ نے وہ رتبہ حاصل کرلیا جو کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ ایک بار پھر وَهَنِیْئًا لَكَ یَا اَبَا الْحَسَنِ کہنے کے بعد کہا: لَقَدْ شَرَّفَ اللّٰهُ مَقَامَكَ. اللہ نے آپ کے مقام و مرتبے کو اور زیادہ معزز اور مکرم بنادیا۔ لَا اَحْرَمَنَا اللّٰهُ اَجْرَكَ وَلَا اَضَلَّنَا بَعْدَكَ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ حَیَاتُكَ مَفَاتِحَ لِلْخَیْرِ مَغَالِقَ لِلشَّرِّ.[1] خدا ہمیں اس اجر وثواب سے محروم نہ رکھے جو ہم آپ کے وسیلے سے حاصل کرسکتے ہیں۔ خدا ہمیں آپ کے بعد گمراہ نہ ہونے دے۔ خدا کی قسم! آپ کی حیات طیبہ خیر وخوبی کی کنجی اور شر و فساد کے لئے قفل تھی۔ وَلَوْ اَنَّ النَّاسَ قَبِلُوْا مِنْكَ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَلٰكِنَّهُمْ اٰثَرُوا الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ. اگر لوگ آپ کی اتباع کرتے اور آپ کی معرفت حاصل کرلیتے تو آسمان رحمت برساتا اور زمین خزانے اگل دیتی مگر افسوس کہ انہوں نے آپ کی قدر نہ کی اس دار فانی اور دنیائے دنی نے انہیں فریب میں مبتلا کر دیا۔ ثُمَّ بَكٰى بُكَاءً شَدِیْدًا وَاَبْكٰى كُلُّ مَنْ كَانَ مَعَهٗ.[2] یہ کہہ کر صعصعہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور وہاں موجود سب لوگ بھی جن کے دل زخمی اور جگر چھلنی تھے شدت جذبات سے گریہ وبکا کرنے لگے۔[3]

۱۔ بحار الانوار جلد ۴۲، ص ۲۹۵۔ یاد رہے کہ بحار الانوار میں عبارت اس طرح ہے کہ فَلَا حَرَمَنَا اللّٰهُ اَجْرَكَ وَلَا اَذَلَّنَا بَعْدَكَ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ حَیَاتُكَ مَفَاتِحَ لِلْخَیْرِ وَمَغَالِقَ لِلشَّرِّ.

۲۔ بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۹۵۔ ۳۔ سخن، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان۔

مجلس ۹

علیؑ اور عدل مترادف ہیں

امام علی علیہ السلام کا نام نامی آپ کے بعد عدل کا ہم معنی ہوگیا۔ خاص و عام کے درمیان امام علیؑ کا نام انسانی عدل کی مثال بن گیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا تھا کہ علیؑ نے پچھلوں کو فراموش کرادیا اور اگلوں کو مشکل میں ڈال دیا۔ لوگ آپ کی بے داغ سیرت اور عدل و مساوات پر مبنی کردار کے حوالے سے جب خلفاء کی کارکردگی کا جائزہ لینے لگے تو ان کے پاس خلفاء پر تنقید کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

دارمیہؒ کی معاویہ کے سامنے علیؑ کی تعریف

ایک سال معاویہ حج کے لئے مکہ آیا تو وہاں اس نے دارمیہ حجونیہ کا سراغ لگایا جو علیؑ کی حمایت اور معاویہ کی عداوت میں مشہور تھی۔ معاویہ کو بتایا گیا کہ وہ زندہ ہے چنانچہ اس نے دارمیہ کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا: تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟ میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے تاکہ جان سکوں کہ تم علیؑ سے دوستی اور مجھ سے دشمنی کیوں رکھتی ہو؟ دارمیہ نے کہا کہ نہ ہی پوچھو تو بہتر ہے۔ معاویہ نے کہا کہ تمہیں اس سوال کا جواب تو دینا ہی پڑے گا۔

دارمیہ نے کہا: اس وجہ سے کہ وہ انصاف اور مساوات کے علمبردار

تھے۔تم نے بلا وجہ ان سے جنگ کی۔ علیؑ کو میں اس لئے دوست رکھتی ہوں کہ وہ غریب پرور تھے اور تمہیں دشمن اس لئے سمجھتی ہوں کہ تم نے ناحق خونریزی کی۔ مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کیا، تم ظالمانہ فیصلے کرتے ہو اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہو۔

یہ سن کر معاویہ نے سبکی محسوس کی اور اسے سخت غصہ آیا۔ ضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس نے دارمیہ کے لئے ایک نازیبا جملہ کہا لیکن پھر اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے اپنی عادت کے مطابق نرمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا چلو کوئی بات نہیں۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم نے علیؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟

دارمیہ نے کہا: ہاں! دیکھا ہے۔

معاویہ نے پوچھا: تم نے علیؑ کو کیسا پایا؟

دارمیہ نے کہا: خدا کی قسم! میں نے انہیں اس حال میں دیکھا ہے کہ جس حکومت کے نشے نے تمہیں غافل بنا دیا ہے اس نے انہیں ہرگز غافل نہیں کیا تھا۔

معاویہ نے پوچھا: کیا تم نے علیؑ کی آواز سنی ہے؟

دارمیہ نے کہا: ہاں! سنی ہے۔ ان کی آواز دلوں کو جلا بخشتی تھی اور کدورتوں کا میل دلوں سے اس طرح صاف کر دیتی تھی جیسے روغن زیتون زنگ کو صاف کر دیتا ہے۔

معاویہ نے پوچھا: تمہاری کوئی حاجت ہے؟

دارمیہ نے کہا: جو کچھ مانگوں گی کیا مجھے دو گے؟

معاویہ نے کہا: ہاں! کیوں نہیں۔

دارمیہ نے کہا: مجھے سرخ بالوں والے ایک سو اونٹ دے دو۔

معاویہ نے کہا: اگر میں تمہیں یہ اونٹ دے دوں تو کیا میں تمہاری نظر میں علیؑ کی مانند ہو جاؤں گا؟

دارمیہ نے کہا: کبھی نہیں۔

معاویہ نے حکم دیا کہ دارمیہ کی خواہش پوری کی جائے۔ پھر جب دارمیہ کو سو اونٹ مل گئے تو معاویہ نے اس سے کہا: خدا کی قسم! اگر علیؑ ہوتے تو تمہیں ایک اونٹ بھی نہ دیتے۔

دارمیہ نے کہا: تم تو ایک اونٹ کی بات کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! اگر علیؑ ہوتے تو مجھے اس کا ایک بال بھی نہ دیتے کیونکہ یہ مسلمان عوام کا مال ہے۔[1]

عدی نے علیؑ کا قصیدہ پڑھا

عدی بن حاتم طائی مولائے متقیانؑ کے اکابر صحابہ میں سے ایک تھے۔ وہ دل و جان سے امام علیؑ کے عاشق تھے۔ رسول خداؐ کی حیات طیبہ کے آخری ایام میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ قبول اسلام ان کے لئے نیک شگون ثابت ہوا۔ امام علیؑ کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کے بہت قریب تھے۔ ان کے تین بیٹے طریف، طرفہ اور طارف جنگ صفین میں امام علیؑ کے ہمرکاب تھے اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ امام علیؑ کی شہادت کے بعد اتفاق سے ایک دن معاویہ کے زمانے میں عدی کا معاویہ سے آمنا سامنا ہوگیا۔ معاویہ نے چاہا کہ عدی کے بیٹوں کا ذکر کر کے اس کے زخمی دل کے تاروں کو چھیڑے اور امام علیؑ کے بارے میں عدی سے وہ کچھ کہلوائے جو چاہتا ہے۔

۱۔ العقد الفرید ج ۲، ص ۱۱۳۔ جو حکمران عوام کے خون پسینے سے حاصل کردہ ٹیکسوں کے کروڑوں اربوں روپے اپنے منظور نظر لوگوں کو قرض دے کر معاف کر دیتے ہیں اُن کے منہ سے یہ بات مضحکہ خیز لگتی ہے کہ ہمیں حضرت علیؑ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ (رضوانی)

معاویہ نے کہا: این الطرفات؟ طریف، طرفہ اور طارف کہاں ہیں؟

عدی نے بڑے حوصلے سے جواب دیا: قُتِلُوْا بِصِفِّیْنَ بَیْنَ یَدَیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ. وہ صفین میں علی بن ابی طالبؑ کے سامنے شہید ہوگئے۔

عدی نے خاص طور پر بَیْنَ یَدَیْ عَلِیِّ یعنی ''علیؑ کے سامنے'' کہہ کر اپنی رضا مندی اور افتخار کا اظہار کیا۔

یہ سن کر معاویہ نے کہا: مَا اَنْصَفَکَ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اِذْ قَدَّمَ بَنِیْکَ وَاَخَّرَ بَنِیْهِ. علیؑ نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ انہوں نے تمہارے بیٹوں کو تو اگلے محاذ پر بھیج دیا تاکہ وہ مارے جائیں اور اپنے بیٹوں کو پیچھے رکھا تاکہ وہ زندہ رہیں۔

عدی نے کہا: بَلْ اَنَا مَا اَنْصَفْتُ عَلِیًّا اِذْ قُتِلَ وَبَقِیْتُ.[۱]

نہیں۔ ایسا نہیں! سچ تو یہ ہے کہ میں نے علیؑ کے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ وہ تو قتل ہوگئے اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔

معاویہ نے جب دیکھا کہ اس کا مقصد پورا نہیں ہو رہا تو اس نے پینترا بدلا صِفْ لِیْ عَلِیًّا میرے لئے اوصاف علیؑ بیان کرو۔

عدی نے کہا: مجھے معاف رکھو۔

معاویہ نے کہا: نہیں! ایسے تمہاری جان چھوٹنے والی نہیں۔

معاویہ کا اصرار دیکھ کر عدی نے علیؑ کا قصیدہ پڑھنا شروع کیا:

کَانَ وَاللّٰهِ بَعِیْدَ الْمَدٰی شَدِیْدَ الْقُوٰی، یَقُوْلُ عَدْلًا وَیَحْکُمُ فَصْلًا، تَتَفَجَّرُ الْحِکْمَةُ مِنْ جَوَانِبِهٖ وَالْعِلْمُ مِنْ نَوَاحِیْهِ یَسْتَوْحِشُ مِنَ الدُّنْیَا وَزَهْرَتِهَا وَیَسْتَاْنِسُ بِاللَّیْلِ وَوَحْشَتِهٖ، وَکَانَ وَاللّٰهِ غَزِیْرَا الدَّمْعَةِ، طَوِیْلَ الْفِکْرَةِ، یُحَاسِبُ نَفْسَهٗ اِذَا خَلَا، وَیُقَلِّبُ کَفَّیْهِ عَلٰی

۱۔ سفینۃ البحار ج ۲، ص ۱۷۰۔

مَامَضٰی وَکَانَ فِیْنَا کَاَحَدِنَا ، یُجِیْبُنَا اِذَا سَئَلْنَاهُ وَیُدْنِیْنَا اِذَا اَتَیْنَاهُ ، وَنَحْنُ مَعَ تَقْرِیْبِهٖ لَنَا وَقُرْبِهٖ مِنَّا لَا نُکَلِّمُهٗ لِهَیْبَتِهٖ وَلَا نَرْفَعُ اَعْیُنَنَا اِلَیْهِ لِعَظَمَتِهٖ ، فَاِذَا تَبَسَّمَ فَعَنْ مِثْلِ اللُّؤْلُؤِ الْمَنْظُوْمِ یُعَظِّمُ اَهْلَ الدِّیْنِ وَیَتَحَبَّبُ اِلَی الْمَسَاکِیْنِ ، لَا یَخَافُ الْقَوِیُّ ظُلْمَهٗ ، وَلَا یَیْأَسُ الضَّعِیْفُ مِنْ عَدْلِهٖ.

فَاُقْسِمُ لَقَدْ رَاَیْتُهٗ لَیْلَةً وَقَدْ مَثَلَ فِیْ مِحْرَابِهٖ وَاَرْخَی اللَّیْلُ سِرْبَالَهٗ وَدُمُوْعُهٗ تَتَحَادَرُ عَلٰی لِحْیَتِهٖ وَهُوَ یَتَمَلْمَلُ تَمَلْمُلَ السَّلِیْمِ وَیَبْکِیْ بُکَاءَ الْحَزِیْنِ ، فَکَاَنِّی الْاٰنَ اَسْمَعُهٗ وَهُوَ یَقُوْلُ: یَا دُنْیَا اِلَیَّ تَعَرَّضْتِ اَمْ اِلَیَّ اَقْبَلْتِ؟... فَقَالَ فَوَکَفَتْ عَیْنَا مُعَاوِیَةَ وَجَعَلَ یَنْشِفُهُمَا بِکُمِّهٖ ثُمَّ قَالَ: رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا الْحَسَنِ کَانَ کَذَالِکَ فَکَیْفَ صَبْرُکَ عَنْهُ ؟ قَالَ: کَصَبْرِ مَنْ ذُبِحَ وَلَدُهَا فِیْ حِجْرِهَا فَهِیَ لَا تَرْقَأُ دَمْعَتُهَا وَلَا تَسْکُنُ عَبْرَتُهَا.[1]

خدا کی قسم! علیؑ بہت دور اندیش اور بہت بہادر تھے۔ عدل و انصاف کی بات کہتے اور اعتماد سے فیصلہ کرتے تھے۔ ان کے اطراف و جوانب سے علم اور دانائی کے چشمے پھوٹتے تھے۔ وہ دنیا کی چمک دمک سے متنفر تھے۔ وہ رات کی تاریکی اور تنہائی سے بڑے مانوس تھے۔ وہ خوف خدا میں بہت گریہ کرتے تھے۔ ہر بات میں غور وفکر سے کام لیتے تھے۔ خلوت میں اپنا محاسبہ کرتے تھے۔ گزرے ہوئے کل پر کف افسوس ملتے تھے۔ جب ہمارے درمیان ہوتے تھے تو بالکل ہماری ہی مانند لگتے تھے۔ اگر ہم ان سے کسی چیز کا تقاضا کرتے تو مہیا فرما دیتے تھے۔ جب ہم ان کے حضور میں حاضر ہوتے وہ ہمیں اپنے نزدیک بٹھاتے تھے اور ہم سے الگ نہیں بیٹھتے تھے۔

۱۔ سفینۃ البحار ج ۲، ص ۱۷۰۔

اگرچہ اس تمام تر قرب کے ساتھ جو ہمیں ان سے حاصل تھا ان کی ہیبت اتنی تھی کہ ہم ان کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے۔ ان کی جو عظمت تھی اس کی بنا پر ہم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ جب وہ مسکراتے تو ان کے دانت جڑے ہوئے موتیوں کی طرح چمکتے تھے۔ وہ دیانت داروں اور پرہیزگاروں کا احترام کرتے تھے۔ بے کسوں اور ناداروں پر شفقت فرماتے تھے۔ طاقتور کو ان سے ظلم کا خوف نہ ہوتا تھا اور کمزور ان کے انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔

خدا کی قسم! ایک رات میں نے دیکھا کہ علیؑ محراب میں کھڑے تھے۔ رات کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ان کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر تھی۔ وہ تھر تھر کانپ رہے تھے اور ایک مصیبت زدہ کی طرح بلک رہے تھے۔ اس وقت بھی میرے کانوں میں ان کی آواز گونج رہی ہے اور وہ کہہ رہے ہیں کہ اے دنیا! میرے پیچھے کیوں پڑی ہے؟ جا۔ کسی اور کو دھوکا دے۔ علیؑ پر تیرا جادو چلنے والا نہیں۔ میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں اور اب رجوع کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ تو بے لذت اور بے وقعت ہے۔ افسوس زاد سفر قلیل ہے اور سفر طویل اور ہمسفر کوئی بھی نہیں۔

عدی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ معاویہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے فَجَعَلَ يَنْشِفُهُمَا بِكُمِّهٖ.[1] پھر اس نے اپنی آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

''خدا علیؑ پر رحمت کرے۔ وہ واقعاً ایسے ہی تھے جیسا تم نے کہا ہے۔''

اب یہ بتاؤ کہ ان کے فراق میں تمہارا کیا حال ہے؟

عدی نے کہا: میں اس ماں کی مانند ہوں جس کی گود میں اس کا بیٹا ذبح کر دیا جائے۔

۱۔ سفینۃ البحار ج ۲ ص ۱۷۰۔

معاویہ نے پوچھا: کیا تم علیؑ کو کبھی فراموش نہیں کر سکو گے؟

عدی نے کہا: نہیں! البتہ وقت کا مرہم بھلا دے تو اور بات ہے۔

شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب ''ارشاد'' میں لکھا ہے کہ جناب رسول خداؐ کے بعد حضرت امیر المومنینؑ کا عرصہ امامت ۳۰ سال تھا جس میں سے آپ نے پانچ سال اور چھ ماہ کا عرصہ امور مملکت کی باگ ڈور سنبھالنے میں گزارا۔ اس مختصر عرصے میں بھی آپ منافقین کے ساتھ برسرپیکار رہے۔ آپ کی شہادت ۲۱ رمضان المبارک کو جمعہ کے دن طلوع فجر کے وقت ہوئی۔ آپ ابن ملجم مرادی کی تلوار کے وار کے اثر سے شہید ہوئے تھے۔[۱]

''کافی'' میں جناب امیر المومنینؑ کی وصیت کو جو کہ بہت مشہور ہے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہی وصیت ہے جو درحقیقت امام کا اپنے فرزندوں سے خطاب بھی تھا اور اس کے مخاطب قیامت تک آنے والے وہ تمام لوگ ہیں جن تک یہ وصیت پہنچے گی۔ کافی میں اس وصیت کے آخر میں لکھا ہے کہ امام نے فرمایا: حَفِظَکُمُ اللّٰہُ مِنْ اَھْلِ بَیْتٍ وَحَفِظَ فِیْکُمْ نَبِیَّکُمْ. اللہ تم اہلبیت کی حفاظت کرے۔ اَسْتَوْدِعُکُمُ اللّٰہَ میں تم سب کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

''کافی'' میں ہی لکھا ہے کہ اس کے بعد امام علیؑ کی زبان مبارک پر کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد جاری رہا یہاں تک کہ آپ کی روح اقدس ملائے اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔[۲]

صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الطَّاھِرِیْنَ.[۳]

۱۔ کافی ج ۷، ص ۵۲۔ مرآۃ العقول فی شرح کافی ج ۲۳، ص ۸۸۔

۲۔ کافی ج ۷، ص ۵۲۔ مرآۃ العقول فی شرح کافی ج ۲۳، ص ۸۸۔

۳۔ بیست گفتار ص ۶۷۔ ۷۱۔

مجلس ۱۰

اے فاطمہ زہراؑ کے عزادارو!

حضرت زہراؑ کے حوالے سے قضیہ فدک کا ایک پہلو واقعی بے حد عجیب بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔ آپ مجموعی طور پر اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ امام علیؑ اور حضرت زہراؑ ایسے زن و شوہر ہیں جنہیں دولت و ثروت جمع کرنے کی کوئی ہوس نہیں ہے۔ امام علیؑ نے فرمایا تھا: وَمَا اَصْنَعُ بِفَدَكٍ وَغَيْرِ فَدَكٍ ؟ وَالنَّفْسُ مَظَانُّهَا فِيْ غَدٍ جَدَثٌ.[1] مجھے فدک اور غیر فدک سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے جبکہ انسان کا اصل گھر کل کے دن قبر ہے یعنی اصولی طور پر علیؑ کو فدک کی کیونکر پروا ہوسکتی ہے۔

آنکہ رست از جہان فدک چہ کند
آنکہ جست از جہت فلک چہ کند

وہ جو دنیا سے ہی کنارا کر چکا ہو وہ فدک کو لے کر کیا کرے گا۔ وہ جو ایک طرف چھلانگ لگا چکا ہو اس کے لئے آسمان کیا کرسکتا ہے؟!

ایک ایسا انسان جو دنیا کے رنگ و نیرنگ سے آزاد ہو اور مال و منال اور دولت و ثروت سے جسے لوگ حاصل زندگی اور مایہ زندگی سمجھتے ہیں مستغنی ہو اسے فدک سے کیا مطلب؟!

۱۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام مکتوب ۴۵، ص ۹۵۸۔

حضرت فاطمہؑ کا معنی خیز تبسم

تاریخ اسلام کی یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے اور یہ روایت جسے میں بیان کرنے جا رہا ہوں اہلسنت کے راویوں نے زیادہ نقل کی ہے کہ جب سرکار رسول خداؐ مرض موت میں تھے تو آپ کی حالت کو دیکھ کر آپ کی پارہ جگر حضرت زہراؑ بہت زیادہ گریہ فرما رہی تھیں چنانچہ سرکارؐ نے حضرت زہراؑ کے کان میں کوئی بات کہی جسے سن کر ان کے گریہ میں شدت آ گئی۔ پھر کچھ ہی دیر کے بعد سرکارؐ نے حضرت زہراؑ کے کان میں ایک اور بات کہی جسے سن کر وہ مسکرا دیں جو بظاہر حیرت انگیز تھا۔ چنانچہ بعد میں جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ حضرت رسول خداؐ نے سرگوشی میں آپ سے کون سی بات کہی تھی تو حضرت زہراؑ نے فرمایا:

پہلی دفعہ میرے بابا نے مجھے خبر دی کہ اب وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ ان کی جدائی کے صدمے سے میں رو پڑی مگر جب انہوں نے دوسری دفعہ یہ فرمایا کہ بیٹی! میرے بعد سب سے پہلے تم میرے پاس پہنچو گی تو میں خوشی سے مسکرا دی۔[1]

حضرت زہراؑ کی شجاعت

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت زہراؑ بیمار رہتی تھیں اور رسول اللہؐ کے بعد مستقل طور پر بستر سے لگ گئی تھیں۔ اور ان کو حتمی طور پر معلوم تھا کہ ان کی زندگی کا چراغ بہت جلد گل ہونے والا ہے اس کے باوجود ان کا فدک کے لئے آواز اٹھانا بڑی حیرت کی بات ہے۔ ہمارے ذہن میں ابھرنے

۱۔ تاریخ کامل ج ۳، ص ۳۲۳۔ ارشاد مفید ص ۱۰۰۔ بحار الانوار ج ۲۲، ص ۴۷۰۔

والے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مالی اعتبار سے حضرت زہراؑ کے لئے جاگیر فدک کی چنداں اہمیت نہیں تھی لیکن یہ فدک آپ کا جائز حق تھا۔ اور جب حق چھین لیا جائے تو حق کا مطالبہ کرنا ضروری ہوتا ہے اسی لئے حضرت زہراؑ نے اسے اہمیت دی اور اپنے حق کا دفاع کرنے کے لئے مسجد نبوی میں بنفس نفیس تشریف لے گئیں۔ اور وہ بھی اس شان سے کہ عَلٰی حَشَدٍ مِنْ نِسَائِهَا [1] بنو ہاشم اور دیگر عقیدت مند عورتوں کے جھرمٹ میں آپ مسجد میں پہنچیں اور آپ نے حاکم وقت کے روبرو تہلکہ خیز خطبہ دیا جس میں اپنے حق کا مطالبہ کیا اور فریق ثانی کو اس کے ناجائز اقدام پر متنبہ کیا اور مطلق خوفزدہ نہ ہوئیں۔ حضرت زہراؑ اقتدار وقت سے خوفزدہ کیوں نہیں ہوئیں ؟ کیا ان کا یہ عمل اسلامی تربیت کے خلاف تھا ؟ مثلاً کیا ایسا کرنا ایک خاتون کے لئے مناسب نہیں تھا ؟ کیا ایک خاتون کا اس طرح سے مسجد میں آکر ہزاروں لوگوں کے سامنے مال دنیا کے بارے میں بات کرنا کوئی عیب تھا ؟ کیا اپنے حق کا دفاع کرنا غلط تھا ؟ نہیں ! ہرگز نہیں۔ یہ کام غلط نہیں تھا بلکہ یہ اپنے حق کا دفاع تھا۔

وہی حضرت زہراؑ جن کو مال دنیا سے کوئی رغبت نہیں تھی اور جن کی نظر میں دولت دنیا ہیچ اور ایک مادی چیز تھی جو کہ شخصی ثروت اور انفرادی لذت کا باعث ہوتی ہے وہی حضرت زہراؑ جن کو یقین تھا کہ وہ جلد ہی اس دار فانی سے کوچ کر جائیں گی اور انسان کو جب یقین ہوتا ہے کہ وہ جلد اس دنیا سے

۱۔ بحار الانوار ج ۹، ص ۲۱۶ اور ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج ۱۶، ص ۲۱۱ پر لکھا ہے:
وَاَقْبَلَتْ فِیْ لُمَّةٍ مِنْ حَفَدَتِهَا وَنِسَاءِ قَوْمِهَا تَطَأُ ذُیُوْلَهَا وَمَا تَخْرُمُ مِشْیَتُهَا مِشْیَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰی دَخَلَتْ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَهُوَ فِیْ حَشَدٍ (وَقَدْ حَشَدَ النَّاسُ) مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَغَیْرِهِمْ...

جانے والا ہے تو فطری طور پر اس کی دنیاوی خواہشات ختم ہو جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے اگر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ حضرت زہرؑا کا موقف یہ تھا کہ حق کا ہر حال میں دفاع کرنا چاہیے تاکہ معاشرے میں دوسروں کے حقوق کو پامال کرنے کی روایت نہ پڑ سکے ۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کمال شجاعت کے ساتھ قدم بڑھایا اور اپنے حق کا بھرپور دفاع کیا۔

آپ خلیفہ وقت کے گھر تشریف لے گئیں اور اس سے فدک کو واگذار کرنے کا پروانہ حاصل کیا لیکن جلد ہی آپ سے وہ پروانہ زبردستی واپس لے لیا گیا۔ اس کے بعد آپ مسجد نبوی میں جناب امیرالمومنینؑ کے ساتھ ایک نئی آن بان سے تشریف لائیں اور وہاں وہ ''ناگفتہ بہ'' صورتحال پیش آئی کہ آپ کو مجبوراً غاصبوں کو چیلنج کرنا پڑا۔

حضرت زینبؑ کی شجاعت

اگر آپ حضرت زینبؑ کی سیرت کو دیکھیں تو آپ کو یہی کیفیت نظر آئے گی۔ اگر عورت کے لئے اخلاقی لحاظ سے بزدل ہونا ایک اچھی خصلت ہے تو پھر حضرت زینبؑ کو بھی چاہیے تھا کہ وہ دیگر عورتوں کی طرح بزدلی کا مظاہرہ کرتیں اور مشہور کہاوت کے مطابق اپنے نسوانی خول سے باہر نہ نکلتیں۔

حضرت زینبؑ کو کس نے مجبور کیا تھا کہ وہ شہر کوفہ کے دروازے پر آکر خطاب کریں ؟ کیا کسی کو خطبہ دینے کے لئے مجبور کیا جاسکتا ہے ؟ پھر ابن زیاد کے دربار میں کس نے اُن کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنی جاہ و جلالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن زیاد کو اُن الفاظ کے ساتھ مخاطب کریں جس سے اُن کی اور اُن کے ساتھ موجود خاندان رسالتؐ کے ماہ و انجم یعنی اہل حرم

کے قتل کر دیے جانے کا خطرہ بڑھ جائے؟ اس سے بھی بڑھ کر یزید کا دربار تھا جہاں کی شان و شوکت قابل دید تھی۔ اس لئے کہ ابن زیاد گورنر تھا اور یزید خلیفہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ ابن زیاد کوفہ میں تھا اور یزید شام میں تھا جو قسطنطنیہ کا پڑوسی ملک تھا اور اموی رژیم نے اس بہانے سے کہ ہمیں اسلام کی ظاہری شان و شوکت کا بھی تحفظ کرنا ہے شام میں اپنے محل کو قیصر و کسریٰ کی طرز پر تعمیر کرایا تھا۔ کتب تواریخ میں ملتا ہے کہ ''کاخ خضرا'' اتنا بڑا محل تھا کہ ایک دروازے سے داخل ہونے کے بعد دوسرے دروازے میں قدم رکھنے کے لئے کئی صحنوں، دالانوں اور غلام گردشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ آراستہ و پیراستہ دربار میں تخت شاہی کے علاوہ سفراء اور امراء کے لئے زریں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ وہ بڑا ہی پُرشکوہ دربار تھا لیکن علیؑ کی شیر دل بیٹی ایک ''خاتون'' ہوتے ہوئے ان تمام چیزوں کو خاطر میں نہ لائیں اور انہوں نے کہا کہ اے یزید! تو میری نظروں میں اس قدر حقیر اور پست ہے کہ میں تجھ سے کلام کروں۔[1]

کیا بھرے دربار میں اعیان سلطنت کی موجودگی میں یزید کی اس طرح اہانت ایک بزدل عورت کرسکتی ہے؟ اُس ظالم کج کلاہ کے دربار میں زیادہ سے زیادہ یہی خطرہ تھا کہ حضرت زینبؑ کی جان لے لی جائے گی مگر وہ جان کے چلے جانے سے کب ڈرنے والی تھیں۔ وہاں اُن کی عزت کو کوئی خطرہ نہیں تھا بلکہ شجاعت اور شہامت نے اُن کی عزت اور وقار کو چار چاند لگا دیے تھے۔

لہٰذا یہ فرق ایک خاص صورتحال سے مربوط ہے جو عورت کو حاصل ہے۔ پھر اہم بات یہ ہے کہ یہ فرق کردار کے حوالے سے ہے نہ کہ اخلاق اور

۱۔ سید بن طاؤس، لہوف ص ۱۸۱۔

شخصیت کے حوالے سے۔

اخلاقی شخصیت کے لحاظ سے مرد و زن میں کوئی فرق نہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اگر ایک مرد بھی ایسی صورت حال سے دوچار ہو جہاں وہ معاشرے کا ''امین'' ہو اور اس پر ''امانت'' کی حفاظت کی ذمے داری ہو تو وہاں بخش دینے اور شجاعت دکھانے کا موقع نہیں ہوتا اور نہ ہی عاجزی اور کمزوری دکھانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ وہاں تو ایک ''امین'' کی حیثیت سے اسے محتاط طرز عمل اختیار کرنا ہوتا ہے یعنی سر اٹھا کر تمکنت کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے تاکہ ''خائن'' کو ''خیانت'' سے باز رکھا جا سکے۔ [۱]

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

۱۔ تعلیم و تربیت در اسلام ص ۱۷۸ ۔ ۱۸۱۔

مجلس ۱۱

حضرت زہراؑ اپنے پدر گرامی کے سوگ میں

فاطمہ زہراؑ کے سوگوارو!

آج کل جو ایام چل رہے ہیں اُن کا تعلق حضرت زہراؑ کی وفات سے اور اُن کے وجود اقدس سے ہے اس لئے اُن کے ذکر مصائب پر مبنی دو تین جملے عرض کر کے تقریر تمام کرتا ہوں۔ لکھا ہے کہ زَالَتْ بَعْدَ اَبِيْهَا مُعَصَّبَةَ الرَّأْسِ، نَاحِلَةَ الْجِسْمِ ، بَاكِيَةَ الْعَيْنِ مُنْهَدَّةَ الرُّكْنِ۔[1] یعنی حضرت زہراؑ کو ان کے پدر گرامی کے بعد کبھی نہیں دیکھا گیا کہ انہوں نے اپنے سر پر بندھی پٹی کو کھولا ہو، آپ روز بروز لاغر ہوتی جاتی تھیں۔ اپنے بابا کی المناک رحلت کے بعد آپ ہمیشہ گریہ کرتی نظر آئیں۔

مُنْهَدَّةَ الرُّكْنِ وہ جملہ ہے جس کے بے حد عجیب معنی ہیں۔ رکن کا مطلب ہے ستون۔ جیسے ایک عمارت کے ستون ہوتے ہیں اور وہ ان ستونوں پر کھڑی ہوتی ہے۔ جسمانی لحاظ سے ٹانگیں اور ریڑھ کی ہڈی کے مہرے، انسانی جسم کے ستون ہیں جن کے سہارے پر ہی انسان کھڑا ہوتا ہے۔ بعض اوقات جسمانی لحاظ سے کوئی ستون خراب بھی ہو جاتا ہے مثال

۱۔ بحار الانوار ج ۴۳، ص ۱۸۱ یاد رہے کہ بیت الاحزان ص ۲۳۸ پر باكية الاعين کا جملہ مُنْهَدَّةَ الرُّكْنِ کے بعد درج ہے۔

کے طور پر فرض کرلیں کہ کسی انسان کی ٹانگیں کٹ جاتی ہیں یا اس کی ریڑھ کی ہڈی کے جوڑوں میں کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کا کھڑا ہونا ممکن نہیں رہتا۔ اسی طرح بسا اوقات انسان روحانی اعتبار سے بھی اس طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے کہ ایسے معلوم ہونے لگتا ہے جیسے اس کی روح جن ستونوں پر قائم تھی وہ خراب ہوگئے ہیں۔ جناب زہراؑ کی کیفیت کو آپ کے پدر بزرگوار کے بعد اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

ارباب عزا!

حضرت زہراؑ اور جناب رسول خداؐ ایک دوسرے کو عشق کی حد تک چاہتے تھے۔ اسی لئے آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت زہراؑ اپنے صاحبزادوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو بے اختیار گلے لگا کر فرماتی تھیں:

اے میرے دلارو! اے میری آنکھ کے تارو! کہاں چلے گئے تمہارے وہ شفیق اور مہربان بابا جو تمہیں سب سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ تم کو اپنے کندھوں پر لئے پھرتے تھے اور اپنی آغوش میں بٹھا کر تمہارے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے تھے۔[1]

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ اَیْنَ اَبُوْکُمَا الَّذِیْ کَانَ اَشَدَّ النَّاسِ شَفَقَةً عَلَیْکُمَا فَلَا یَدَعُکُمَا تَمْشِیَانِ عَلَی الْاَرْضِ ؟ وَلَا اَرَاهُ یَفْتَحُ هٰذَا الْبَابَ اَبَدًا وَلَا یَحْمِلُکُمَا عَلٰی عَاتِقِهٖ کَمَا لَمْ یَزَلْ یَفْعَلُ بِکُمَا. بحار الانوار ج ۴۳، ص ۱۸۱۔ بیت الاحزان ص ۲۳۸۔ سیری در سیرۂ نبوی ص ۵۹ ـ ۶۰۔

مجلس ۱۲

ایام فاطمیہ

یہ حضرت فاطمہؑ کے ایام ہیں۔ ذرا سوچئے کہ اہلبیت رسولؐ کی حیات طیبہ اور فضائل بیان کرنے کا اتنا زیادہ ثواب کیوں ہے؟[۱] یہ ثواب اس لئے ہے کہ ان کو ایسے ''انسانوں'' کے طور پر خلق کیا گیا ہے جو انسانیت کے لئے اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔ ماڈل ہیں۔ ان کو انسانوں کے خالق خدا نے انسانوں کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے۔

جناب رسول خداؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ اَنَا اَدِیْبُ اللّٰہِ وَعَلِیٌّ اَدِیْبِی۔[۲] میں نے خدا سے اور علیؑ نے مجھ سے تربیت پائی ہے۔ علیؑ ایک مثالی نمونہ ہے علیؑ ایک انسان کامل ہے یعنی وہ اپنی گفتار، رفتار اور کردار میں تمام انسانوں کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے۔ حضرت زہراؑ بھی بحیثیت انسان کامل انسانوں کے لئے ایک مثالی نمونہ ہیں۔

وصیت حضرت زہراؑ

حضرت زہراؑ کو احساس ہے کہ اب وہ رخصت ہونے والی ہیں۔ ایک

۱۔ اس جملے کے بعد کی عبارت کیسٹ سے غائب ہے۔

۲۔ بحار الانوار ج ۱۶ ص ۲۳۱۔ میزان الحکمۃ ج ۱ ص ۷۸۔

روایت کے مطابق انہوں نے تنہائی میں ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا اور اسے اپنے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اپنے شوہر کے لئے ایک مثالی زوجہ کا کردار کیسا ہونا چاہیے؟ امام علیؑ جب حضرت زہرؑا کے سرہانے تشریف لائے تو انہوں نے اپنی وصیتیں بیان کرنا چاہیں۔ امام علیؑ جناب سیدہؑ کے سرہانے بیٹھ گئے اور ان کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھ لیا۔ جناب سیدہؑ نے عرض کی کہ یا ابا الحسنؑ! میری چند وصیتیں ہیں۔ امام علیؑ نے فرمایا: سَمْعًا وَطَاعَةً. یعنی میں ہمہ تن گوش ہوں۔ آپ ارشاد فرمائیں۔

حضرت زہرؑا نے تواضع، ادب اور انکساری کے طور پر تمہید میں چند ایسی باتیں کہیں جن کو سن کر امام علیؑ کا دل بھر آیا۔ انہوں نے فرمایا: یا علیؑ! میں جتنے عرصے آپ کے گھر میں رہی، آپ کی کنیز کی مانند رہی۔ میں نے آپ کے گھر میں نہایت امانت داری سے وقت گزارا۔ میری آپ کے گھر میں ایسے اور اس طرح ... کیفیت رہی ... حضرت زہرؑا کے یہ جملے سن کر امام علیؑ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے ان کے سر مبارک کو اپنے سینے سے یوں لگا لیا جیسے کہہ رہے ہوں کہ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ اس طرح معذرت خواہی کریں کیونکہ حضرت زہرؑا کی باتوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کی ہو تو آپ مجھے معاف فرمائیں۔ جب کہ امام علیؑ کے عمل کا مطلب یہ تھا کہ اے زہرؑا! میں نہیں چاہتا کہ آپ اس طرح کی باتیں اپنی زبان پر لائیں کیونکہ اس طرح کی باتیں سن کر میرے دل کو دکھ ہوتا ہے۔[1]

۱۔ بحار الانوار ج ۴۳، ص ۱۹۱۔ بیت الاحزان ص ۲۵۳۔

علیؑ کے سامنے فاطمہؑ کا ادب

اس بات کو یہیں چھوڑتا ہوں اور آپ کے سامنے ایک اور صورتحال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے آپ پر ظلم ڈھائے تھے آپ ان سے کس قدر ناراض تھیں؟ جب ان لوگوں کو یہ علم ہوا کہ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی ہے تو انہوں نے آپ کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوں۔ وہ لوگ درحقیقت یہ چاہتے تھے کہ عیادت کے بہانے آ کر معافی مانگیں اور کہیں کہ ماضی میں جو کچھ ہوا اسے بھول جائیں۔ حضرت زہراؑ نے انہیں اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ میں راضی نہیں ہوں کہ جن لوگوں نے مجھ پر ظلم ڈھائے ہیں اور میرے شوہر کا حق غصب کیا ہے وہ میرے گھر آئیں اور ان کے پاؤں میرے فرش پر پڑیں۔

چنانچہ وہ لوگ امام علیؑ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: یا ابا الحسنؑ! ہم نے بنت رسولؐ سے خواہش کی تھی کہ وہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کے گھر جا کر ان کی عیادت کریں مگر انہوں نے جازت نہیں دی اس لئے ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں تاکہ آپ ہمیں ان سے اجازت دلا دیں۔ اب ذرا امام علیؑ کے سامنے حضرت زہراؑ کے احترام کو ملاحظہ کیجئے کہ امام علیؑ نے آپ کے پاس آنے کے بعد یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں آپ سے جو خواہش کروں گا کیا آپ اسے قبول کریں گی مثال کے طور پر فلاں مصلحت مجھ سے اسی خواہش کے اظہار کا تقاضا کرتی ہے بلکہ امام نے صرف اتنا کہا کہ زہراؑ (یا بنت رسول اللہؐ) ان دونوں نے مجھے وسیلہ قرار دیا ہے۔ یعنی اختیار آپ ہی کا ہے چاہے قبول کریں چاہے قبول نہ کریں لیکن دیکھئے جناب سیدہؑ جواب

میں کیا فرماتی ہیں ؟ آپ فرماتی ہیں: یَا عَلِیُّ ! اَلْبَیْتُ بَیْتُکَ وَالْحُرَّۃُ زَوْجَتُکَ.[1] یا علیؑ ! یہ گھر آپ کا گھر ہے۔ اور میں آپ ہی کی زوجہ ہوں اور میں آپ کے سامنے اپنا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

حضرت زہراؑ کے فراق میں امام علیؑ کی بیتابی

یہ وہ جوڑا تھا جس کی روحیں ''کند ہم جنس بہ ہم جنس پرواز'' کے مصداق ایک دوسرے کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں۔ ان دو عظیم روحوں میں کمال کا اتحاد تھا۔ لہٰذا امام علیؑ کو کیا یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ حضرت زہراؑ کے بعد جو اتنی عظیم تھیں کہ نہ ان کا کوئی بدل تھا اور نہ کوئی جانشین موت کی تمنا کرتے؟

خود امام علیؑ فرماتے ہیں:

کُنَّا کَزَوْجِ حَمَامَۃٍ فِیْ اَیْکَۃٍ مُتَمَتِّعِیْنَ بِصِحَّۃٍ وَشَبَابٍ

دَخَلَ الزَّمَانُ بِنَا وَفَرَّقَ بَیْنَنَا اِنَّ الزَّمَانَ مُفَرِّقُ الْاَحْبَابٖ[2]

ہم کبوتر کی جوڑی کی مانند اپنے آشیانے میں صحت وسلامتی اور جوانی

۱۔ وَدَخَلَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَلٰی فَاطِمَۃَ عَلَیْہَا السَّلَامُ فَقَالَ لَھَا اَیَّتُھَا الْحُرَّۃُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ بِالْبَابِ ، یُرِیْدَانِ اَنْ یُسَلِّمَا عَلَیْکِ فَمَا تَرَیْنَ ؟ قَالَتْ: اَلْبَیْتُ بَیْتُکَ وَالْحُرَّۃُ زَوْجَتُکَ ، اِفْعَلْ مَا تَشَاءُ. (بحار الانوار ج ۲۸ ، ص ۳۰۳)۔
امام علیؑ نے آکر جناب فاطمہؑ سے کہا کہ فلاں اور فلاں باہر دروازے پر کھڑے ہیں اور آپ کو سلام کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ جناب فاطمہؑ نے فرمایا: یہ گھر آپ کا ہے اور میں آپ کی زوجہ ہوں۔ آپ جیسا چاہیں ویسا کیجئے۔
(بحار الانوار ج ۴۳ ، ص ۲۴۶ اور بیت الاحزان ص ۲۴۶ کی عبارت یوں ہے:
فَالْبَیْتُ بَیْتُکَ وَالنِّسَاءُ تَتْبَعُ الرِّجَالَ لَا اُخَالِفُ عَلَیْکَ بِشَیْءٍ فَاْذَنْ لِمَنْ اَحْبَبْتَ. یعنی یہ گھر تو آپ کا ہے اور عورتیں اپنے مردوں کی تابعدار ہوتی ہیں۔ میں آپ کی کسی بات کی مخالفت نہیں کروں گی ، آپ جسے چاہیں اجازت دے دیں)۔

۲۔ دیوان امام علیؑ ص ۸۶۔

کے دن ہنسی خوشی گزار رہے تھے مگر زمانے نے ہمارے درمیان جدائی ڈال دی۔ بے شک زمانہ دوستوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے۔

وہ ذات جو ایسے مونس و غمخوار کو کھو دے جس کا نہ تو کوئی ''بدل'' ہے اور نہ ہی کوئی جانشین اسے ایسے وقت میں کیا کرنا چاہیے جسے فراق دوست کے غم نے نڈھال کر دیا ہو؟ آپ جب حضرت زہرأ کی قبر مطہر پر تشریف لے جاتے تو سلام کرتے اور پھر اپنے آپ ہی کو مخاطب کر کے حال دل بیان کرتے۔ پہلے حضرت زہرأ سے کوئی بات کہتے پھر خود ہی ان کی طرف سے (اپنے آپ کو) جواب دیتے۔

مَالِیْ وَقَفْتُ عَلَی الْقُبُوْرِ مُسَلِّمًا　　قَبْرَ الْحَبِیْبِ فَلَمْ یَرُدَّ جَوَابِیْ

اَحَبِیْبُ مَا لَکَ لَا تَرُدُّ جَوَابَنَا ؟　　اَنَسِیْتَ بَعْدِیْ خِلَّةَ الْاَحْبَابِ ؟

علیؑ اپنے آپ سے فرماتے ہیں:

میں کیوں اپنے محبوب کی قبر پر کھڑا اسے سلام کر رہا ہوں جبکہ محبوب کی قبر سے جواب سلام نہیں آتا۔ تم کیسے محبوب ہو کہ ہمارے سلام کا جواب تک نہیں دیتے۔ کیا دنیا سے جانے کے بعد تم نے ہماری دوستی کو بھلا دیا ہے۔ کیا تم نے علیؑ کو بھلا دیا ہے۔

پھر خود ہی فرماتے:

قَالَ الْحَبِیْبُ وَکَیْفَ لِیْ بِجَوَابِکُمْ　　وَ اَنَا رَهِیْنُ جَنَادِلَ وَتُرَابٍ [1]

میرے محبوب نے کہا اے علیؑ میں کیسے آپ کو جواب دوں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کی زہرأ مٹی کی چادر اوڑھے سو رہی ہے؟ [2]

۱۔　دیوان امام علیؑ ص ۸۹۔

۲۔　آشنائی با قرآن ج ۷، ص ۵۶ تا ۵۸۔

مجلس ۱۴

علیؑ نے بتولؑ کو سینے سے لگالیا

اے علیؑ و بتولؑ کے چاہنے والو!

آج ہماری مجلسوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہو رہا ہے۔ آج کی رات مخصوص رات ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایام فاطمیہ کی مناسبت سے معمول کے مطابق حضرت فاطمہ زہراؑ کے مصائب پڑھے جائیں۔

امام علیؑ کے لئے حضرت زہراؑ سے بچھڑنا بہت گراں تھا۔ حضرت زہراؑ کی حالت بہت تشویش ناک تھی۔ آپ بستر پر دراز تھیں اور امام علیؑ آپ کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت زہراؑ نے گفتگو کا آغاز عاجزانہ جملوں سے فرمایا۔ امام علیؑ پر حضرت زہراؑ کی عاجزانہ گفتگو سے رقت طاری ہوگئی اور آپ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ حضرت زہراؑ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا:

یا علیؑ! ہماری زندگی کا ساتھ ختم ہو رہا ہے۔ میں دنیا سے جا رہی ہوں۔ میں نے آپ کے گھر میں پوری کوشش کی کہ آپ کی اطاعت گزار رہوں اور کسی بھی معاملے میں آپ کی مخالفت نہ کروں... اور اسی طرح کی دیگر باتیں... ان باتوں نے امام علیؑ کے دل کو اتنا متاثر کیا کہ آپ نے فوراً حضرت زہراؑ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ حضرت زہراؑ کا سر مبارک امام کے سینے کے ساتھ لگا ہوا تھا اور امام علیؑ پرنم آنکھوں کے ساتھ فرما رہے تھے:

اے دختر رسولؐ! آپ ان باتوں سے بہت بلند ہیں پھر آپ اس قدر

عاجزی کا اظہار کیوں کر رہی ہیں؟ مجھے آپ کی اتنی زیادہ عاجزی و انکساری سے قلق ہوتا ہے۔[1]

علیؑ اور زہراؑ کے درمیان جو بے پناہ محبت تھی اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا لہٰذا ہم سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت زہراؑ کے بعد امام علیؑ کو تنہائی کتنی شاق گزری ہوگی۔ اس حوالے سے میں صرف مولا کا وہ جملہ عرض کرنا چاہتا ہوں جو آپ نے حضرت زہراؑ کی قبر مطہر پر ارشاد فرمایا تھا۔ یہ جملہ نہج البلاغہ میں موجود ہے۔

حضرت فاطمہؑ کو رات کی تاریکی میں کیوں دفن کیا گیا؟

حضرت زہراؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ یا علیؑ! آپ مجھے غسل و کفن دینے کے بعد رات کی تاریکی میں ہی دفن کیجئے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ مجھ پر ظلم کرنے والے میرے جنازے میں شریک ہوں۔ ''تاریخ'' کا کام ہمیشہ ''آلودہ'' رہا ہے۔ کچھ لوگ ایک جرم کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن وہ خود کو نیک ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس طرح تاریخ کو آلودہ کر ڈالیں مامون رشید نے بالکل یہی کام کیا تھا۔ اس نے حضرت امام رضاؑ کو شہید کیا۔ پھر جب امام کا جنازہ اٹھایا گیا تو سب سے پہلے اسی نے مٹھی بھر خاک لیکر سر پر ڈالی اور آنسو بہا کر مرثیہ پڑھنے لگا۔[2] اس طرح تاریخ ''آلودہ'' ہوگئی اور بعض لوگوں کو یہ یقین ہی نہ آسکا کہ یہ مامون عباسی ہی تھا جس نے امام رضاؑ کو شہید کیا تھا۔ اسی کو تاریخ کی ''آلودگی'' کہتے ہیں۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۳، ص ۱۹۱۔ بیت الاحزان ص ۲۵۳۔

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۳۹۱۔

(آج کی عالمی اور مقامی سیاست میں اس کی بیشمار مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں)۔ رضوانی

حضرت زہراؑ نے تاریخ کو آلودگی سے بچانے کے لئے فرمایا تھا کہ ''مجھے رات کی تاریکی میں دفن کیجئے گا'' تاکہ تاریخ میں یہ سوالیہ نشان (؟) ہمیشہ باقی رہے کہ پیغمبر اسلامؐ جن کی صرف ایک ہی بیٹی تھی اُسے رات کی تاریکی میں کیوں دفن کیا گیا؟ اس کی قبر کیوں نامعلوم ہے؟ یہ جناب زہراؑ کی وہ ''سیاست'' تھی جس کی وجہ سے تاریخ میں ہزار سال سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یہ پوچھا جا رہا ہے کہ

وَلِاَیِّ الْاُمُوْرِ تُدْفَنُ لَیْلًا بَضْعَةُ الْمُصْطَفٰی وَیُخْفٰی ثَرَاھَا [1]

وہ کون سی وجوہات تھیں کہ لختِ جگرِ مصطفیٰؐ کو رات کی تاریکی میں دفن کر دیا گیا اور ان کی قبر کا نشان تک معلوم نہیں؟

تاریخ پوچھ رہی ہے کہ بتاؤ بنتِ رسولؐ کو رات کی تاریکی میں کیوں دفن کیا گیا؟ کیا تشییع جنازہ ایک سنت نہیں ہے؟ بلکہ سنت مؤکدہ نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ تھی کہ رسول اللہؐ کی واحد گرامی قدر بیٹی کی نماز جنازہ میں گنتی کے چند لوگ شریک ہوئے؟ وہ کون سا راز تھا جس کی بنا پر حضرت زہراؑ کی قبر کو بھی ''مخفی'' رکھا گیا تاکہ کسی کو پتا ہی نہ چل سکے کہ آپ کہاں دفن ہیں؟

یا علیؑ! دفن کے بعد کچھ دیر میرے پاس رہیں

امام علیؑ جب حضرت زہراؑ کو ان کی وصیت کے مطابق دفن کر چکے تو یکایک انہیں قبر سے حضرت زہراؑ کی آواز سنائی دی یا علیؑ! مجھے سپرد خاک کرنے کے بعد کچھ دیر میری قبر کے پاس ٹھہرے رہیں اور دور مت جائیں کیونکہ وحشتِ قبر کے یہی وہ لمحے ہیں جن میں مجھے آپ کی ضرورت ہے۔

۱۔ بیت الاحزان ص ۲۶۶۔

امام علیؑ نے حضرت زہراؑ کی تمام وصیتوں پر حرف بہ حرف عمل کیا۔

اب ذرا سوچئے کہ اس وقت امام علیؑ پر کیا گزر رہی ہوگی؟ میں اُس حالت کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا کہ امام علیؑ نے جناب زہراؑ کو کس طرح اپنے ہاتھوں سے قبر میں اُتارا ہوگا؟ ان کی قبر پر اپنے ہاتھوں سے مٹی کس طرح ڈالی ہوگی؟ مجھے تو بس اتنا معلوم ہے کہ تاریخ میں لکھا ہے: فَلَمَّا نَفَضَ يَدَهُ مِنْ تُرَابِ الْقَبْرِ هَاجَ بِهِ الْحُزْنُ.[1] امام علیؑ حضرت زہراؑ کی قبر بنانے کے بعد اپنے لباس پر پڑنے والی گرد صاف کرنے لگے۔ ابھی تک آپ ''کام'' میں مصروف تھے اور مصروفیت کے دوران حتمی طور پر انسان کا ذہن کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لئے اس عرصے کے دوران کسی حد تک غم کی شدت میں کمی آجاتی ہے۔ لیکن اب وہ وقت آیا جب حضرت زہراؑ کی وصیت کے مطابق امام علیؑ کو ان کی قبر مطہر کے پاس کچھ دیر ٹھہرنا تھا تو ایک دفعہ پھر آپ کے لئے ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا اور آپ نے محسوس کیا کہ آپ کو کسی ایسے فرد کی ضرورت ہے جسے آپ اپنا دردِ دل سنا سکیں۔

علیؑ اپنا دردِ دل سناتے ہیں

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ کبھی کبھی جب امام علیؑ کا دل تنگ ہوتا تھا اور آپ کسی سے حالِ دل کہہ نہیں سکتے تھے تو کنویں کے اندر منہ ڈال کر کنویں سے باتیں کیا کرتے تھے لیکن آج حضرت زہراؑ کی جدائی نے آپ کا دل چاک چاک کر دیا تھا تو آپ نے سوچا کہ حالِ دل بیان کرنے کے لئے حبیبِ خداؐ سے بہتر اور کوئی نہیں ہوسکتا چنانچہ علیؑ نے بوجھل دل کے ساتھ

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۲۷۳۔ بیت الاحزان ص ۲۶۴۔

ترجمہ: جب قبر کی مٹی اپنے ہاتھ سے پھیلائی تو غم واندوہ اُمڈ آیا۔

قبر رسولؐ کی طرف رخ کر کے فرمایا:

اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنِّیْ وَعَنْ اِبْنَتِکَ النَّازِلَةِ فِی جِوَارِکَ وَالسَّرِیْعَةِ اللِّحَاقِ بِکَ ، قَلَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنْ صَفِیَّتِکَ صَبْرِیْ.

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسولؐ! میری طرف سے اور آپ کی لاڈلی بیٹی کی طرف سے جو آپ کے سامنے خاک پر سو رہی ہے اور بہت جلد آپ سے ملاقات کرنے والی ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ! آپ کی لاڈلی بیٹی نے تو میرے صبر کا پیمانہ کم کر دیا ہے۔[1]

یا رسول اللہؐ! اگر آپ علیؑ کی حالت پوچھنا چاہتے ہیں تو سنئے علیؑ کا صبر بہت کم ہوگیا ہے۔ اسی لئے علیؑ نے فرمایا تھا:

وَسَتُنَبِّئُکَ ابْنَتُکَ بِتَظَافُرِ اُمَّتِکَ عَلٰی هَضْمِهَا.[2] عنقریب آپ کی بیٹی آپ کو ان حالات کی خبر دے گی کہ کس طرح امت نے اس پر ظلم ڈھانے کے لئے آپس میں اتفاق کر لیا تھا۔[3]

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ.

۱۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام خطبہ نمبر ۱۹۳، ص ۶۴۳۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۰ ص ۲۶۵۔

۲۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۱۹۳۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید ج ۱، ص ۲۶۵۔

۳۔ فلسفہ اخلاق ص ۲۴۸۔۲۵۰۔

مجلس ۱۴

جناب رسول خداؐ کی سادہ زندگی

جناب رسول خداؐ کی حیات طیبہ کا ایک بنیادی اصول "سادگی" تھا لکھا ہے کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَفِيْفَ الْمَئُوْنَةِ[1] آپ نے اپنی حیات کے آخری لمحات تک اس اصول کو اپنائے رکھا۔

ایک حدیث میں منقول ہے کہ" ایک دن حضرت عمر بن خطاب (رض) جناب رسول خداؐ کے حجرے میں وارد ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ نے اپنی ازواج سے منہ پھیر رکھا ہے اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ تمہیں اختیار ہے کہ تم چاہو تو طلاق لے لو یا پھر سادہ زندگی گزارنے کے لئے صبر کو اپنا شعار بناؤ۔ ایسا اس لئے ہوا تھا کیونکہ کچھ ازواج نے آنحضرتؐ سے کہا تھا کہ ہم اتنی بھی سادہ زندگی نہیں گزار سکتیں۔ ہمیں بھی اوروں کی طرح زر و زیور چاہیے چنانچہ آپ ہمیں مال غنیمت میں سے کچھ حصہ دیجئے۔

آنحضرتؐ اُن سے فرما رہے تھے کہ میرا طرز زندگی بہت سادہ ہے۔ چنانچہ اگر تمہیں طلاق چاہیے تو میں تمہیں طلاق دینے کے لئے تیار ہوں اور قرآن کے حکم کے مطابق (طلاق لینے کی صورت میں) تمہیں کچھ مال دینے کے لئے بھی تیار ہوں۔ اگر تم سادہ زندگی بسر کرنا چاہو تو ٹھیک ہے ورنہ

۱۔ ارشاد القلوب، باب ۳۲، ص ۱۵۵۔

میں تمہیں رخصت کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔[1] یہ سن کر تمام ازواج نے بیک زبان کہا کہ یا رسول اللہؐ! ہم سادہ زندگی گزارنے پر تیار ہیں۔" یہ واقعہ بہت تفصیل سے بیان ہوا ہے۔[2] اہلسنت کی کتب میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کو جب آنحضرتؐ کی ازواج کی پریشانی کا علم ہوا تھا تو وہ آنحضرتؐ سے گفتگو کرنے کے لئے آئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں وہاں گیا تو باہر ایک حبشی بیٹھا تھا جسے یہ ذمے داری سونپی گئی تھی کہ کسی کو آنحضرتؐ کے پاس نہ آنے دے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس حبشی سے کہا کہ جاؤ اور آنحضرتؐ سے کہو عمر (رض) آیا ہے۔ وہ گیا اور واپس آکر اس نے کہا کہ آنحضرتؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ دو مرتبہ پھر گئے اور اجازت چاہی مگر آنحضرتؐ نے کوئی جواب نہ دیا تاہم تیسری بار مجھے حجرے میں بلا لیا۔ جب میں آنحضرتؐ کے حجرے میں گیا تو میں نے دیکھا آپ لیف خرما سے بنی ہوئی چٹائی پر محو استراحت تھے۔ آنحضرتؐ نے جب قدرے اپنے جسم مبارک کو حرکت دی تو میں نے

۱۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ○ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ○ اے پیغمبرؐ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھے طریقے سے رخصت کر دوں ○ اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسولؐ (کی خوشنودی) اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو تم میں سے جو نیک ہیں اُن کے لئے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ (سورۂ احزاب: آیت ۲۸۔۲۹)

۲۔ المیزان فی تفسیر القرآن ج ۱۶، ص ۳۱۳۔

دیکھا کہ چٹائی کے نشان آپ کے جسم مبارک پر موجود ہیں جس سے مجھے بہت دکھ ہوا اور میں نے (غالباً روتے ہوئے) کہا یا رسول اللہؐ! ایسا کیونکر ہونا چاہیے کہ قیصر و کسریٰ تو ہر طرح کی آسائشوں سے مالا مال ہوں اور آپ جو اللہ کے رسولؐ ہیں اس حال میں رہیں؟

حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر آنحضرتؐ اس انداز سے جیسے ناراض ہوئے ہوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

کیا کہہ رہے ہو تم؟ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تم نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی بنا پر یہ گمان کر رہے ہو کہ وہ آسائشیں میرے پاس کیوں نہیں ہیں؟ تمہارے خیال میں یہ میرے لئے ایک طرح کی محرومی اور ان لوگوں کے لئے نعمت ہیں؟ خدا کی قسم! اگر یہ تمام آسائشیں مسلمانوں کا نصیب بن جائیں تب بھی یہ چیزیں ان کے لئے باعث فخر نہیں ہو سکتیں؟[1]

ارباب عزا! دیکھا آپ نے کہ رسول اکرمؐ کی زندگی کتنی سادہ تھی؟ جب آپ اس دار دنیا سے گئے تو کیا چھوڑ کر گئے؟ پھر جب امام علیؑ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو انہوں نے کیا چھوڑا؟

حضرت فاطمہؑ کی سادہ زندگی

جیسا کہ ہم جانتے ہیں دنیا سے جاتے وقت پیغمبر اکرمؐ کی صرف ایک ہی بیٹی تھیں۔ عموماً ہر انسان اپنے پدرانہ جذبات کے تحت اور آج کل کی ہماری اصطلاح میں اپنے معیار کے مطابق چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی کے لئے کچھ نہ کچھ چھوڑ کر جائے مثلاً اسے ایک گھر دلا دے جہاں وہ آرام سے رہ سکے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ایک دن حضور انورؐ اپنی بیٹی کے گھر تشریف لے گئے

۱۔ سیرت حلبیہ ج ۳، ص ۳۱۶۔

تو دیکھا کہ بیٹی کی کلائی پر چاندی کا ایک کنگن ہے اور گھر میں ایک رنگین پردہ بھی آویزاں ہے۔ باوجودیکہ حضورؐ کو اپنی بیٹی سے والہانہ محبت تھی آپ وہاں سے بغیر کوئی بات کئے واپس تشریف لے گئے۔ حضرت زہراؑ سمجھ گئیں کہ اُن کے بابا یہ مقدار بھی اُن کے لئے پسند نہیں فرماتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ اہل صفہ کا دور تھا۔

حضرت زہراؑ ہمیشہ سے اہل ایثار کی صف میں شامل نظر آتی ہیں۔ آپ کے پاس مال دنیا میں سے جو کچھ بھی ہوتا تھا اسے دوسروں کو بخش دیا کرتی تھیں جونہی دیکھا کہ بابا واپس چلے گئے ہیں فوراً کلائی سے چاندی کا کنگن اور پردہ اُتار کر کسی کے ہاتھ رسول خداؐ کی خدمت میں یہ کہہ کر بھجوایا کہ یا رسول اللہؐ! یہ آپ کی بیٹی نے بھجوائے ہیں اور کہا ہے کہ آپ جس طرح چاہیں انہیں صرف کریں۔ جب رسول خداؐ نے یہ بات سنی تو آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے کھل اٹھا اور آپ نے کچھ اس طرح کا جملہ ارشاد فرمایا: اے بیٹی! تیرا باپ تجھ پر قربان جائے۔[۱]

شادی کی رات کا جوڑا

حضرت زہراؑ کی شادی کی رات ہے۔ آپ کے لئے صرف ایک نیا جوڑا خریدا گیا ہے جو کہ سہاگ رات کا جوڑا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس شادی سے قبل کا ایک جوڑا اور ہے۔

سہاگ رات کو ایک سائل آپ کے دروازے پر آکر آواز دیتا ہے کہ میں بے لباس ہوں۔ ہے کوئی جو مجھے لباس دے۔ دوسرے لوگ اس سائل کی طرف متوجہ نہیں ہوئے لیکن آج کے لفظوں میں ''سیج پر بیٹھی دلہن'' حضرت زہراؑ نے جب دیکھا کوئی سائل کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا تو فوراً اپنی

۱۔ بحار الانوار ج ۴۳، ص ۸۳۔

جگہ سے اٹھیں اور خلوت میں جا کر (شادی کا) جوڑا اتارا اور اپنا پرانا لباس زیب تن فرمایا اور آ کر نیا جوڑا سائل کو دے دیا۔ جب مہمان آئے اور انہوں نے پوچھا کہ آپ کا نیا جوڑا کہاں ہے تو جناب زہراؑ نے بتایا کہ وہ میں نے اللہ کی راہ میں دے دیا۔[1] سوچئے حضرت زہراؑ کے لئے یہ کام کتنی عظمت اور اہمیت رکھتا تھا؟ نیا لباس کیا ہے؟ ظاہری چمک دمک اور روپ سنگھار کا رعب کیا معنی رکھتا ہے؟

پھر فاطمہؑ فدک کے لئے کیوں گئیں؟

حضرت زہراؑ اگر فدک کی بازیابی کے لئے دربار خلافت میں گئیں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام میں اپنے "حق کا دفاع" واجب ہے ورنہ فدک کی کیا وقعت تھی؟ لیکن اگر آپ حق فدک کا مطالبہ نہ فرماتیں تو یہ اپنے اوپر ظلم کرنے کے مترادف ہوتا۔ آپ خدا کی راہ میں ہزاروں فدک قربان کرسکتی تھیں لیکن اپنے اوپر ظلم نہ کرنے کی خاطر آپ نے اپنا حق مانگا یعنی حضرت زہراؑ کے لئے فدک کی اہمیت اس کے حق ہونے کے لحاظ سے تھی نہ کہ اقتصادی اور مادی لحاظ سے اور اگر اقتصادی لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت تھی بھی تو وہ صرف اتنی کہ اس سے آپ تنگ دستوں کی دستگیری کرسکتی تھیں۔

حضرت فاطمہؑ کی زندگی کے آخری لمحات

جی ہاں! شادی کی رات کو حضرت زہراؑ کی وہی کیفیت تھی جو میں نے ابھی آپ کی خدمت میں عرض کی لیکن اپنی وفات سے قبل آپ نے خاص طور سے ایک پاکیزہ لباس زیب تن فرمایا تاکہ نزع کی حالت اسی لباس میں طاری ہو۔ اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن (حضرت زہراؑ کی وفات کے بارے میں دو روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی وفات

۱۔ نزہت المجالس ج ۲، ص ۲۲۵۔

رسول اکرمؐ کی رحلت کے ۷۵ دن بعد ہوئی جبکہ دوسری روایت کے مطابق ۹۰ دن کے بعد ہوئی) میں نے دیکھا کہ بی بی کی حالت کافی بہتر ہے کیونکہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں اور پھر بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد آپ دوبارہ اٹھیں اور غسل کرنے کے بعد فرمایا: اسماء! میرا فلاں لباس لے آؤ۔[1]

اسماء کہتی ہیں کہ مجھے اس صورت حال سے بیحد خوشی ہوئی مگر بی بی نے بعد میں جو جملہ کہا اس سے اسماء کی تمام خوشی غم و اندوہ میں بدل گئی۔ بی بی نے فرمایا: اسماء! میں اب قبلے کی طرف رخ کر کے لیٹ رہی ہوں۔ تم کچھ دیر تک کے لئے مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ پھر جب کچھ وقت گزر جائے تو مجھے آواز دینا۔ اگر تم دیکھو کہ میں نے تمہیں کوئی جواب نہیں دیا تو سمجھ لینا کہ میری موت کے لحات آ پہنچے ہیں۔

یہ وہ مقام تھا جہاں اسماء کی تمام توقعات خاک میں مل گئیں۔ پھر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اسماء نے فریاد بلند کی اور علیؑ کی تلاش میں نکلیں۔ اِدھر مسجد میں پہنچ کر امام علیؑ کو صدا دی، اُدھر حسنینؑ بھی آ گئے۔[2]

۱۔ جناب اسماء بنت عمیسؓ خادمہ نہیں تھیں بلکہ وہ حضرت زہراؑ کی پہلے جٹھانی ہوا کرتی تھیں یعنی حضرت جعفر طیارؓ کی زوجہ تھیں۔ حضرت جعفر طیارؓ کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کی زوجیت میں گئیں اور ان کے بطن سے محمد بن ابی بکرؓ جیسے شریف النفس انسان پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد امام علیؑ نے حضرت اسماءؓ سے عقد فرمایا۔ چنانچہ محمد بن ابی بکرؓ امام علیؑ کے بیٹے کہلانے لگے۔ اُن کی تربیت و پرورش امام علیؑ نے ہی فرمائی تھی اسی لئے وہ امام علیؑ سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کا اپنے باپ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ ایک بلند رتبہ خاتون تھیں۔ جس زمانے میں وہ حضرت ابوبکرؓ کی زوجیت میں تھیں اس وقت بھی ان کا دل ولائے علیؑ سے سرشار تھا۔ وہ امام علیؑ کے چاہنے والوں میں سے تھیں اور انہیں امام کے خاندان سے والہانہ عقیدت تھی۔ انہیں حضرت ابوبکرؓ کے خاندان سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ (استاد مطہری)

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۲۷۰۔ بحار الانوار ج ۴۳، ص ۱۸۶۔

مجلس ۱۵

اخلاق امام حسنؑ کی ایک جھلک

چونکہ آج امام حسنؑ کی شہادت کا دن ہے اس لئے میں اُن کے اخلاق کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔ امام حسنؑ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں دو مرتبہ[1] جو کچھ بھی آپ کے پاس تھا اس کے دو حصے کئے تھے۔ آدھا حصہ اپنے پاس رکھا اور آدھا حصہ غریبوں میں اور دوسرے امور خیر میں انفاق فرمایا۔[2]

امام حسنؑ کئی بار مدینہ سے مکہ حج کے لئے پیدل تشریف لے گئے۔ اگرچہ آپ کے پاس سواری ہوتی تھی لیکن آپ اُس پر سوار نہیں ہوتے تھے اور اس عمل کو اپنے لئے ایک قسم کی ریاضت اور عبادت قرار دیا کرتے تھے۔ امام کا مقام و مرتبہ اتنا عظیم ہے کہ اُسے بیان کرنے کے لئے ایسی باتوں کا تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایک عام آدمی کو پیدل حج کرکے جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ تمام تر سہولتوں کے ساتھ حج کرکے حاصل نہیں ہوسکتا۔

۱۔ تاریخ میں ہے کہ امام حسن مجتبیٰؑ نے پا پیادہ بیس حج کئے تھے۔

آپ نے دو مرتبہ اپنے تمام مال کو اور تین مرتبہ اپنے تمام مال کا آدھا حصہ راہ خدا میں انفاق فرمایا۔ بحار الانوار ج ۴۳، ص ۳۳۹ اور ۳۴۹۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۳، ص ۳۳۱ ۔ ۳۵۸۔

امام حسنؑ کی مظلومیت

امام حسن مجتبیٰؑ پر جو بہت زیادہ عبادت کیا کرتے تھے اُن کے دشمنوں نے نہ جانے کیا کیا تہمتیں لگائی ہیں چاہے وہ بنی اُمیہ ہوں یا ان سے بھی بدتر یعنی بنی عباس ہوں۔ بنی عباس کے ظالمانہ دور میں حسنی سادات نے بنی عباس کے خلاف بہت زیادہ تحریکیں چلائیں۔ چنانچہ بنی عباس کے حکمرانوں اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں نے حسنی سادات کو کچلنے کے لئے ان کے خلاف مذموم پروپیگنڈا مہم شروع کی یعنی ان کے جد اعلیٰ (امام حسن علیہ السلام) کے خلاف متعدد بے بنیاد الزامات لگائے۔ کبھی کہا کہ انہوں نے بہت زیادہ شادیاں کی تھیں اور وہ نعوذ باللہ عیاش تھے۔ اسی طرح کی دیگر خرافات بنی عباس کے دور میں امام سے منسوب کی گئیں حالانکہ امام حسنؑ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عابد اور زاہد تھے۔

امام حسن مجتبیٰؑ جب نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ جب تلاوت قرآن کے دوران اُس آیت پر پہنچتے جس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو آپ غش کھا جاتے۔[1] آپ سچ مچ اپنے پدر بزرگوار امام علی مرتضیٰؑ کے کردار کا پرتو تھے۔

عزادارانِ امام حسنؑ!

آپ نے امیر المؤمنین امام علیؑ کے بارے میں جو کچھ سنا ہے بلا مبالغہ امام حسنؑ اس کی زندہ مثال تھے۔

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۲۲۔ بحار الانوار ج ۴۳، ص ۳۳۱۔

معاویہ کے مظالم اور جرائم

امام حسنؑ کی زندگی میں آپ کے ساتھ جو سلوک ہوا اور آپ کی شہادت کے بعد خلافت بنی عباس میں آپ کے خلاف جو کچھ ہوا وہ ایک طویل اور دل ہلا دینے والی داستان ہے۔

اپنے پدر بزرگوار کے بعد امام حسنؑ تقریباً دس سال زندہ رہے اس لئے کہ ۴۰ھ میں امیر المومنینؑ کی شہادت ہوئی اور ۴۹ھ میں آپ کی شہادت ہے یعنی نو یا دس سال کا یہ عرصہ معاویہ کی منحوس حکومت کا سیاہ ترین دور تھا۔ اس سارے عرصے میں امام حسنؑ پر شدید دباؤ ڈالا جاتا رہا۔ آپ کو اذیت پہنچانے اور آپ کی اہانت کرنے کے لئے معاویہ آپ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا تھا۔

خلافت بنو اُمیہ کے اوائل میں تو معاویہ اور بنی اُمیہ کی قلعی لوگوں پر پوری طرح سے نہیں کھلی تھی مگر معاویہ کے آخری دور میں اور یزید کی حکومت شروع ہوتے ہی بنی اُمیہ کے چہرے سے نقاب اُتر گیا اور لوگوں پر ان کا اصلی چہرہ ظاہر ہوگیا۔ ورنہ شروع شروع میں لوگ سمجھتے تھے کہ معاویہ تو ایک ''معقول آدمی'' ہے۔

معاویہ نے اس مقصد کے لئے کہ اپنے بعد خلافت اپنے بیٹے یزید کو منتقل کرے اس راہ میں حائل رکاوٹیں اپنی زندگی میں ہی یکے بعد دیگرے ہٹانا شروع کر دی تھیں اور یہ معاملہ صرف امام حسنؑ سے ہی مخصوص نہیں تھا۔ اُس کی نظر میں کچھ اور افراد بھی خلافت کے لئے ''امیدوار'' بن سکتے تھے یا اُن کو نامزد کیا جا سکتا تھا چنانچہ اُس نے ایسے افراد کو راستے سے ہٹانے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ سعد بن ابی وقاص جو عمر سعد کا باپ تھا اُسے معاویہ

نے ہی زہر دلوا کر قتل کیا تھا کیونکہ سعد کا شمار اُن چھ افراد میں تھا جنہیں حضرت عمرؓ نے شوریٰ کے لئے نامزد کیا تھا۔ اسی لئے لوگوں کے درمیان اس بات کا شہرت پا جانا ایک قدرتی امر تھا کہ سعد وہ شخص ہے جس میں خلافت کے لئے نامزد ہونے کی اہلیت ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے اُسے شوریٰ میں شامل کیا تھا۔[1]

اسی طرح خالد بن ولید کے بیٹے عبدالرحمٰن کو بھی معاویہ نے زہر دلوا کر مروا دیا تھا کیونکہ اس کا باپ ایک مشہور سردار تھا اور وہ خود بھی سرداری کا دعویدار تھا۔ اسی طرح معاویہ نے اپنے ہی خاندان یعنی بنی اُمیہ کے چند افراد کو جو خلافت حاصل کرنے کے خواہاں تھے راستے سے ہٹا دیا تھا۔

امام حسنؑ کے سامنے امام علیؑ پر لعنت کرنے کا حکم

ان لوگوں کو راستے سے ہٹانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ کہیں یہ لوگ خلافت کے لئے امیدوار نہ بن جائیں لیکن امام حسنؑ کے سلسلے میں اُس کے مقاصد کچھ اور تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کے دلوں سے امام حسنؑ کی محبت اور عقیدت کو ختم کر دے۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ لوگوں کے دل اہلبیتؑ کے ساتھ ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے گمان کے مطابق چاہتا تھا کہ امام حسنؑ کی روح کو آپ کی حیات ہی میں مجروح کر دے۔ چنانچہ اُس نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ وہ ہر جمعہ کے دن مسجد نبوی میں امام حسنؑ کی موجودگی میں اُن کے والد حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرائے۔[2]

۱۔ وَهُوَ اَحَدُ السِّتَّةِ الَّذِيْنَ جَعَلَ عُمَرُ الْخَلَافَةَ لَهُمْ بِالشُّوْرٰى. معجم رجال الحدیث، ج ۸، ص ۵۳۔ تنقیح المقال ج ۲، ص ۱۲۔

۲۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید ج ۴، ص ۵۶۔

ہم نماز جمعہ میں اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں کہ جب نماز جمعہ کا وقت ہو جائے تو سب پر لازم ہے کہ وہ نماز جمعہ میں شریک ہوں۔ (چنانچہ امام حسنؑ کے زمانے میں معاویہ اور اُس کے حامی اسی آیت کو جواز بنا کر) ہر اُس شخص کو جو جمعہ میں شرکت نہ کرتا اور یہ کہنے کی جرأت نہ رکھتا تھا کہ میں اس لئے شریک نہیں ہونا چاہتا کہ یہ لوگ نماز جمعہ پڑھانے کے لائق ہی نہیں ہیں فوراً یہ فتویٰ لگا دیتے کہ یہ شخص نماز جمعہ کا مخالف ہونے کی بنا پر کافر ہو گیا ہے۔ تکفیر کا سنتے ہی شدت پسند نام نہاد دینی گروہ اُس شخص کو موت کے گھاٹ اُتار دیتا تھا۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں امام حسنؑ مجبوراً نماز میں شرکت فرماتے اور آپ کی موجودگی میں اور قبر رسولؐ کے کنارے موجود منبر سے نماز جمعہ کے خطبے میں امام جمعہ کا جو فرض ہوتا ہے اور جس کا میں نے خطبہ و منبر[1] کے عنوان سے اپنی تقاریر میں تفصیلی تذکرہ کیا تھا اُسے تبدیل کر کے امام علیؑ پر سب و شتم کا سلسلہ شروع کیا گیا۔[2] پھر آخر کار معاویہ نے فرزند رسول امام حسنؑ ہی کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہی فیصلہ تھا جس کی وجہ سے امام کو زہر دلوانے کی راہ ہموار کی گئی۔ امام حسنؑ کو زہر صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ دو یا تین بار دیا گیا۔[3]

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ.

۱۔ یہ دونوں تقاریر اُستاد مطہری کی کتاب ''سخن'' مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی میں موجود ہیں۔

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۲۵۰۔ الغدیر ج ۱۰، ۲۵۷۔

۳۔ اس کے بعد چند منٹ کی تقریر کیسٹ میں ریکارڈ نہیں ہو سکی ہے۔ آشنائی با قرآن ج ۷، ص ۱۱۸۔۱۲۰۔

مجلس ۱۶

محرم کی آمد پر شہید مطہریؒ کا خواب

سوگواران مظلوم کربلا!

آج کل ہم سب استقبال محرم کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ فاطمہؑ کے لال کا غم منانے کے لئے عزا خانے سج رہے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹۶۲ء میں یعنی جس سال آقائے بروجردی فوت ہوئے تھے میں نے انہیں خواب میں دیکھا (آقائے بروجردی شوال میں فوت ہوئے تھے) لیکن اس کی کیفیت اور تفصیل ایسی تھی کہ میں خود اس خواب کی تعبیر نہ سمجھ سکا۔

منبر کو نہ چھوڑنا

اُس زمانے میں جناب حاجی احمد قمی مرحوم خواب کی حیرت انگیز تعبیر بیان کرنے میں شہرت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی آیت اللہ بروجردی بھی اپنے دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر موصوف سے دریافت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے جناب قمی کو فون کر کے اُن سے اپنے خواب کی تعبیر معلوم کی۔ سچی بات یہ ہے کہ خود مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے جو خواب دیکھا تھا اُس میں کون سی بات ایسی تھی جس سے جناب احمد قمی نے یہ تعبیر بتائی۔ (اُس زمانے میں، میں نے منبر پر جانا اور مجلس پڑھنا ترک کر رکھا تھا)۔

انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم منبر کو ہرگز نہ چھوڑو۔ اب انہوں نے یہ تعبیر کہاں سے نکالی اس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ انہوں نے کہا تھا امام حسینؑ کی نوکری کو ہرگز ترک نہ کرنا۔ چنانچہ جیسا کہ انہوں نے کہا تھا میں نے اُسی کے مطابق عمل کیا اور اُن کی بتائی ہوئی تعبیر کو حقیقت میں ڈھالنے کی کوشش کرتا رہا۔

سید الشہداءؑ کی نوکری

کل صبح میں حسب معمول نماز فجر کے بعد کچھ دیر کے لئے سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی مجلس ہو رہی ہے جس میں علماء تشریف فرما ہیں اور سب آقائے بروجردی کی آمد کے منتظر ہیں۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ وہ تشریف لے آئے۔ مجلس میں موجود تمام لوگ اپنی اپنی جگہ سے اُن کے احترام میں اٹھ کر کھڑے ہونے لگے بالکل ویسے ہی جیسے ان کی زندگی میں ہوا کرتا تھا۔ جلدی سے اٹھنے کی کوشش میں میری عبا میرے ہاتھ اور پاؤں میں الجھ گئی۔ میں نے خود کو ایک طرف کر کے اپنی عبا کو درست کیا اور کھڑا ہو گیا۔ ٹھیک اس لمحے آقا اسی جگہ پہنچے جہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے فوراً وہ جگہ اُن کے لئے خالی کر دی جیسے مجھے یقین ہو کہ وہ اسی جگہ تشریف فرما ہوں گے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گئے ہیں اور ایسے معلوم ہوا جیسے وہ درس نہیں دینا چاہتے بلکہ مجلس پڑھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ''منبر'' پر بیٹھتے ہی فرمایا:

''ہم ذاکرین!'' — خواب کے عالم میں ہی مجھے یہ الفاظ سن کر بیحد تعجب ہوا۔ میں نے دل میں کہا کہ آقائے بروجردی نے خود کو ''ذاکر''

کیوں کہا ہے؟ (حالانکہ میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے زمانہ ''مرجعیت'' میں بھی بروجرد شہر میں رمضان کے دوران کبھی کبھی مجلس سے خطاب فرمایا کرتے تھے اور زیب منبر ہوا کرتے تھے۔ بہرحال وہ ایک مرجع تقلید تھے نہ کہ ذاکر)۔

پھر میں نے دیکھا کہ ان کے سر پر سفید شال ہے تو مجھے مزید حیرت ہوئی۔ چونکہ خواب میں منظر بدلتے رہتے ہیں تو میں نے ایک دوسرے شہر میں انہیں زیب منبر ہوتے دیکھا لیکن اُسی احترام کے ساتھ جو انہیں ایک ''مرجع تقلید'' کی حیثیت سے حاصل تھا۔ اس کے بعد میں نے انہیں ایک سرسبز و شاداب باغ میں دیکھا پھر اچانک میں نے دیکھا کہ وہ بہتے ہوئے پانی کے کنارے اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں گویا وضو کرنا چاہتے ہیں۔ خواب کے عالم میں ہی مجھے یاد آیا کہ ہم ایک زمانے میں اُن کے شاگرد رہ چکے ہیں تو میں جلدی سے اُن کی دست بوسی کے لئے آگے بڑھا۔ جونہی میں ان کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ بیحد صاف شفاف پانی کی ایک نہر میں ان کا نصف چہرہ پانی کے اندر اور نصف پانی کے باہر ہے۔ انہوں نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں گویا وہ ایک عارف کی مانند استغراق میں ڈوبے نظر آئے۔ پھر ایک دم انہوں نے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ شدت سے گریہ کرنا شروع کیا اور حضرت سید الشہداؑ کا نام لے کر فریاد بلند کی یا حسینؑ! یا حسینؑ بن علیؑ! یا ابن زہراؑ! اسی طرح خود ہی نام لیتے ہیں اور خود ہی مصروف بکا ہیں یعنی خود ہی مصائب پڑھ رہے ہیں اور خود ہی رو رہے ہیں۔ گریہ و بکا بھی کس طرح کا؟ یہ گریہ وہ نہیں تھا جس کا اثر اُن کے اشکوں سے نمایاں معلوم ہو رہا ہو بلکہ اُن کی مثال ایک ایسے گریہ کرنے والے کی تھی جسے اس امر کا احساس ہی نہ ہو کہ اس کے اردگرد بھی کوئی دنیا موجود ہے یعنی وہ غم حسینؑ

میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ڈوبے ہوئے تھے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اُس وقت مجھے یاد آیا کہ چند سال پہلے بھی میں نے ماہ محرم سے دو تین دن قبل ایک خواب دیکھا تھا اور اب بھی میں اس وقت خواب دیکھ رہا ہوں جبکہ محرم کی آمد آمد ہے۔[1]

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

۱۔ اس کے بعد استاد مطہری شہید کی چند منٹ کی تقریر کیسٹ میں ریکارڈ نہیں ہو سکی۔ آشنائی با قرآن ج ۶، ص ۲۵۹۔ ۲۶۱۔

مجلس ۱۷

سانحہ عاشورا میں رقت آمیز جذبات کی فراوانی اور ایسی روح پرور اور ایمان افروز کیفیات ہیں کہ اگر ہمارے دلوں میں ایمان کی ذرا سی بھی رمق موجود ہے تو حسین مظلومؑ کا نام سنتے ہی ہماری آنکھوں سے اشکوں کا ایک سیلاب بہہ نکلے گا۔ اِنَّ لِلْحُسَيْنِ مَحَبَّةٌ مَكْنُونَةٌ فِي قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ.[۱] بے شک ہر مومن کے دل کی گہرائیوں میں امام حسین علیہ السلام کی محبت پنہاں ہے (غالباً اسی لئے امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ اَنَا قَتِيْلُ الْعَبْرَةِ.[۲] یعنی میں وہ مقتول ہوں جس پر آنسو بہائے جائیں گے۔

امام صادقؑ اور عزائے حسینؑ

مشہد مقدس میں اپنے زمانہ طالب علمی میں میں نے امام جعفر صادقؑ کے ایک صحابی کی رقت انگیز ایک مخمس شیخ عباس قمی کی کتاب نفثة المصدور سے یاد کی تھی۔

محدث قمی لکھتے ہیں کہ ابو ہارون مکفوف جو غالباً نابینا تھے اور اسی لئے انہیں مکفوف کہا جاتا تھا ایک برجستہ شاعر تھے اور امام حسینؑ کا مرثیہ کہتے تھے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو

۱۔ خصائص الحسینیة ص ۴۸۔

۲۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۶۳۹۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۲۷۹۔

انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ تم نے ہمارے جد بزرگوار کا جو تازہ مرثیہ کہا ہے وہ سناؤ۔ ملفوف کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کہ مولا جو آپ کا حکم ہو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ گھر کی عورتوں سے بھی کہو کہ وہ پردے کے پیچھے آکر بیٹھ جائیں تاکہ وہ بھی مرثیہ سن سکیں۔ چنانچہ گھر کی تمام عورتیں پردے کے پیچھے آکر بیٹھ گئیں۔

ملفوف نے اشعار پڑھنا شروع کیے۔ آپ حضرات بھی ان اشعار کے مضمون کو اور ان میں موجود درس کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

اگرچہ ظاہراً وہ صرف پانچ مصرعوں سے زیادہ نہیں ہیں لیکن جب ملفوف نے انہیں پڑھا تو امام جعفر صادقؑ کے بیت الشرف میں ایک کہرام بپا ہوگیا۔ خود امام جعفر صادقؑ اس طرح گریہ فرما رہے تھے کہ آپ کی آنکھوں سے گوہر اشک گر رہے تھے اور آپ کے کاندھے حرکت کر رہے تھے امام کے بیت الشرف سے نالہ وشیون کی صدائیں اس قدر بلند ہوئیں کہ خود امام نے فرمایا بس اتنا ہی کافی ہے۔

جتنے بھی مرثیے کہے گئے ہیں ان میں اس مرثیے کی نظیر مجھے دکھائی نہیں دی۔ ابوہارون ملفوف نے کہا تھا:

اُمْرُرْ عَلٰی جَدَثِ الْحُسَیْنِ فَقُلْ لِاَعْظُمِهِ الزَّکِیَّةِ
أ اَعْظُمًا لَا زِلْتِ مِنْ وَطْفَاءِ سَاکِبَةٍ رَوِیَّةِ

وَاِذَا مَرَرْتَ بِقَبْرِهٖ فَاَطِلْ بِهٖ وَقْفَ الْمَطِیَّةِ
وَابْکِ الْمُطَهَّرَ لِلْمُطَهَّرَةِ النَّقِیَّةِ

کَبُکَاءِ مُعْوِلَةٍ اَتَتْ یَوْمًا لِوَاحِدِهَا الْمَنِیَّةِ

اے موج صبا!

جب کربلا سے گزرنا تو ہم عاشقوں کا پیام و سلام پہنچانا اور آپ کے پاک جسم کی مقدس ہڈیوں سے یہ کہنا کہ تم ہمیشہ حسینؑ کے عزاداروں کے اشکوں سے سیراب ہوتی رہو گی۔ وہ آنسو بہاتے رہیں گے تاکہ تمہیں سیراب کرتے رہیں۔ ایک دن تم پر پانی بند کر دیا گیا تھا اور مولا حسینؑ کو پیاسا شہید کر دیا گیا تھا مگر اب اُن کے شیعہ ہمیشہ اپنے آنسو تم پر نچھاور کرتے رہیں گے۔

اے باد صبا!

جب قبر حسینؑ سے گزرنا تو صرف اتنا ہی نہ کہنا بلکہ کچھ دیر وہاں تھم جانا اور اُن کے مصائب کو یاد کر کے خوب رونا۔ تیرا رونا ایک عام آدمی کے رونے کی طرح نہ ہو بلکہ اُس طرح رونا جیسے اکلوتے بیٹے کی موت پر اُس کی ماں روتی ہے۔ ہاں! اکلوتے بیٹے سے بچھڑ جانے والی بے قرار ماں کی طرح مولا حسینؑ پر رونا جو خود بھی پاک تھے، جن کے باپ بھی پاک تھے اور ماں بھی پاک تھیں۔[۱]

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ نفثۃ المصدور ص ۳۵۴۔ اغانی ج ۷، ص ۲۶۰۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۵۴۱۔ سیری در سیرۂ نبوی ص ۱۷۴۔۱۷۵۔

مجلس ۱۸

عازم کربلا ہوتے وقت امام حسینؑ کا خطاب

امام حسینؑ ہر لحاظ سے اپنے پدر گرامی کی تصویر تھے۔ خطابت میں بھی آپ کا یہی عالم تھا۔ اگرچہ آپ کو اتنی مہلت نہیں ملی تھی جو امام علیؑ کو اپنی خلافت ظاہری میں میسر آئی تھی۔ آپ کو جو مختصر فرصت میسر ہوئی وہ مکہ سے کربلا تک کے سفر کے دوران ہوئی یا پھر آخری آٹھ دنوں کے دوران کربلا میں آپ کی خطابت کے جوہر نمایاں ہوئے۔ امام حسینؑ کے جو خطبے ملتے ہیں وہ زیادہ تر وہی ہیں جو آپ نے اس مدت کے دوران ارشاد فرمائے تھے۔ امام حسینؑ کا انداز خطابت اپنے پدر بزرگوار کے انداز سے مماثلت رکھتا ہے اور اس میں وہی روح و معانی کے سمندر ٹھاٹھیں مارتے نظر آتے ہیں۔

امام علیؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ زبان ''روح'' کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ اگر زبان سے معانی کے گوہر برآمد نہ ہوں تو زبان کس کام کی ہے؟ اور اگر معانی روح میں موجزن ہوں تو زبان اس کا راستا ہرگز نہیں روک سکتی۔ امام نے فرمایا: وَاِنَّا لَاُمَرَاءُ الْکَلَامِ وَفِینَا تَنَشَّبَتْ عُرُوْقُهٗ وَعَلَیْنَا تَهَدَّلَتْ غُصُوْنُهٗ [۱]۔ ہم اہلبیتؑ ''امیر سخن'' ہیں۔ ہم ''اقلیم سخن'' کے تاجور ہیں۔ بیان کی جڑیں ہمارے ہی وجود میں پیوست ہیں اور خطابت کی شاخیں ہمارے ہی سروں پر سایہ فگن ہیں۔

۱۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۲۲۳، ص ۲۰۷۔ نہج البلاغہ، صبحی صالح خطبہ ۲۳۳۔

امام حسینؑ نے مکہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوتے ہوئے سب سے پہلا جو خطبہ دیا وہ فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے۔ اس میں ہدایت، شجاعت، بلندیٔ فکر اور غیب پر ایمان موجزن نظر آتا ہے۔ آپ نے اس خطاب میں اپنے قطعی فیصلے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اس امر سے بھی مطلع فرمایا کہ جو کوئی بھی ہماری فکر اور ہمارے عقیدے سے اتفاق کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ عازم سفر ہوسکتا ہے۔ امام نے فرمایا:

خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰی وُلْدِ آدَمَ مَخَطَّ الْقَلَادَةِ عَلٰی جِیْدِ الْفَتَاةِ وَمَا اَوْلَهَنِیْ اِلٰی اَسْلَافِیْ اِشْتِیَاقُ یَعْقُوْبَ اِلٰی یُوْسُفَ. یعنی موت نے اولادِ آدم کو اس طرح نشان زدہ کر دیا ہے جیسے کسی جوان عورت کی گردن پر گلوبند کا نشان پڑ جاتا ہے۔ راہ حق میں آنے والی موت سرمایۂ افتخار ہے۔ میں مشتاق ہوں کہ اپنے اسلاف سے اسی طرح جا ملوں جس طرح یعقوبؑ یوسفؑ سے ملنے کے مشتاق تھے۔ آگے چل کر امام فرماتے ہیں:

مَنْ کَانَ بَاذِلًا فِیْنَا مُهْجَتَهٗ مُوَطِّنًا عَلٰی لِقَاءِ اللّٰهِ نَفْسَهٗ فَلْیَرْحَلْ مَعَنَا فَاِنِّیْ رَاحِلٌ مُصْبِحًا اِنْشَاءَ اللّٰهُ. یعنی جو شخص ہمارے راستے پر قربان ہوکر اللہ سے ملاقات کا خواہاں ہے، وہ ہمارے ساتھ چلنے کی تیاری کرے۔ کل صبح ہوتے ہی ہم انشاء اللہ یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔[۱]

امام فرماتے ہیں اے لوگو! تم میں سے جو کوئی یہ عزم و ارادہ رکھتا ہے کہ راہ حق میں کوئی چھوٹی سی چیز قربان کرے تو وہ سوچے کہ اُسے کیا قربان کرنا ہے؟ آؤ — میں تمہیں بتاؤں وہ خوف جو اس کے اندر چھپا ہوا ہے اُسے ختم کرنے کے لئے ''تیر'' خریدنے کا عزم کرے تا کہ اپنے پروردگار سے ملاقات کے لئے روانہ ہو سکے۔ میں بھی اسی عزم و ارادے کے ساتھ کل صبح سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔ انشاء اللہ

۱۔ لہوف ص ٦٠۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳٦٦۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۲۸۔

مجلس ۱۹

شہادت مسلم بن عقیلؑ

۸ ذی الحجہ کے دن حُجاج نہایت جوش و خروش کے ساتھ مکہ میں وارد ہوئے تھے۔ عین اسی دن جب ان حُجاج کے لئے منیٰ اور عرفات کی طرف بڑھنا ضروری تھا امام حسینؑ مکہ چھوڑ رہے تھے۔ اُس وقت آپ نے وہ مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جسے سید بن طاؤسؒ نے نقل کیا ہے یہاں تک کہ آپ منزل بہ منزل گزرتے ہوئے عراق کی سرحد کے نزدیک جا پہنچے۔ کوفے میں کیا کیفیت تھی؟ وہاں کیا گزر رہی تھی؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

امام حسینؑ نے راستے میں ایک شخص کو دیکھا جو کوفے سے آ رہا تھا اور اس کا رخ اُسی طرف تھا جدھر سے امام تشریف لا رہے تھے۔ (سرزمین عرب پر دو طرفہ راستے نہیں تھے کہ آنے جانے والے مسافر ایک دوسرے کے پاس سے گزر جائیں بلکہ وہ صحرائی علاقہ تھا۔ وہاں مخالف سمت سے آنے والا کافی فاصلے پر دوسری طرف سے آنے والے کو کراس کرتا تھا)۔ چنانچہ امام کچھ دیر کے لئے رک گئے اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ امام آنے والے کو متوجہ فرما رہے تھے کہ مجھے تم سے کام ہے۔ کہتے ہیں کہ آنے والا بھی امام حسینؑ کو پہچانتا تھا نیز اس کے پاس ایک بری خبر بھی تھی چنانچہ اُس نے سوچا کہ اگر وہ امام حسینؑ کے نزدیک پہنچا تو امام اُس سے کوفہ کے

حالات ضرور دریافت کریں گے۔ اور اُسے امام کو وہ بری اور غم انگیز خبر بہرحال سنانا پڑے گی جبکہ وہ شخص امام کو اندوہناک خبر سنانا نہیں چاہتا تھا اس لئے اُس نے اپنی سمت بدل ڈالی اور دوسری طرف بڑھ گیا۔

ادھر قبیلہ بنی اسد کے دو افراد جو حج کے لئے مکے میں تھے اور ان کا ارادہ امام حسینؑ کی نصرت کرنا تھا وہ مناسک حج ادا کرنے کے بعد بڑی تیزی سے عازم سفر ہوئے تاکہ جلدی سے امام حسینؑ سے جاملیں۔ یہ دونوں ابھی امام سے ایک ''منزل'' پیچھے تھے کہ ان کا کوفے کی طرف سے آنے والے شخص سے آمنا سامنا ہوگیا اور انہوں نے عربوں کی روایت کے مطابق سلام دعا کے بعد اُس سے پوچھا کہ تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ میں قبیلہ بنی اسد سے ہوں۔ ان دونوں نے حیرت سے کہا نحن اسدیان یعنی ہم دونوں بھی ''اسدی'' ہیں۔ بتاؤ کہ تم کس کے بیٹے ہو؟ تمہارے دادا کا کیا نام ہے؟ آنے والے نے اُن کے سوالوں کے جواب دیئے یہاں تک کہ تینوں کا تعارف ہوگیا اور سب نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ اس کے بعد ان دونوں افراد نے اُس سے کوفے کے حالات پوچھے تو اُس نے کہا حقیقت یہ ہے کہ کوفے کے بارے میں نہایت ہی غم انگیز خبر ہے اور امام حسینؑ جو مکہ سے کوچ فرما کر کوفہ کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں انہوں نے راستے میں مجھے دیکھا تھا اور رک گئے تھے۔ میں چونکہ سمجھ گیا تھا کہ آپ مجھ سے کوفہ کے حالات کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں اور میں یہ منحوس خبر اُن کو نہیں دینا چاہتا تھا اس لئے میں نے رخ بدل دیا۔ اس کے بعد اُس شخص نے پوری صورتحال سے ان دونوں کو مطلع کردیا۔

یہ دونوں افراد وہاں سے نہایت تیزی کے ساتھ روانہ ہو کر پہلی منزل

میں ہی امام سے جا ملے مگر کوئی بات نہیں کی۔ وہ انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ امام حسینؑ نے اگلی منزل پر پڑاؤ کیا۔ امام کا قافلہ کوفے سے آنے والے شخص سے ملاقات کے بعد تقریباً ایک دن اور رات کا سفر کر کے اس منزل تک پہنچا تھا۔ امام اپنے خیمے میں تشریف فرما تھے اور کچھ اصحاب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ان دونوں افراد نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کی:

یا ابا عبد اللہ! ہمارے پاس آپ کے لئے ایک خبر ہے۔ کیا ہم سب کے سامنے وہ خبر سنائیں یا خلوت میں آپ کو بتائیں؟

امام نے فرمایا: میں اپنے اصحاب سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔ جو بھی خبر ہے سب کے سامنے سناؤ۔ یہ سن کر ان دونوں نے عرض کی:

فرزند رسولؐ! ہماری اُس آدمی سے ملاقات ہوئی ہے جس کے لئے کل آپ راستے میں رک گئے تھے مگر وہ آپ سے نہیں ملا۔ وہ قابل اعتماد آدمی ہے۔ ہم اُسے جانتے ہیں۔ وہ ہمارے ہی قبیلے کا ہے۔ ہم نے جب اُس سے کوفے کے حالات پوچھے تو اُس نے بتایا کہ جب وہ کوفے سے نکل رہا تھا اُس وقت مسلم بن عقیلؑ اور ہانی بن عروہؓ شہید کئے جا چکے تھے اور اُن کی لاشیں پاؤں میں رسیاں باندھ کر کوفے کی گلیوں میں پھرائی جا رہی تھیں۔

امام حسینؑ نے جب مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کی اندوہناک خبر سنی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے مگر آپ نے فوراً اس آیت کی تلاوت فرمائی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا. یعنی مومنوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں کہ جو وعدہ انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی اور کچھ ایسے

ہیں جو انتظار کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے قول کو ذرا بھی نہیں بدلا۔
(سورۂ احزاب: آیت ۲۳)

اس موقع پر امام حسینؑ یہ نہیں فرماتے کہ کوفے میں مسلم بن عقیلؑ اور ہانی بن عروۂ شہید کر دیے گئے ہیں اور کوفے پر دشمنوں نے قبضہ کر لیا ہے لہٰذا ہمارا کام ختم ہو گیا ہے اور ہمیں شکست ہو گئی ہے اس لئے بہتر ہے کہ ہم یہیں سے واپس چلے جائیں بلکہ امام عالی مقام نے اس موقع پر وہ بات کہی جو کسی دوسرے مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہی آیت جو میں نے ابھی تلاوت کی ظاہراً جنگ احزاب سے متعلق ہے یعنی وہاں کچھ مؤمنین تھے جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا اپنا قول و قرار پورا کیا اور راہ حق میں جان دی تھی اور کچھ دوسرے جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ امام حسینؑ نے بھی یہی آیت پڑھنے کے بعد فرمایا تھا کہ مسلمؑ اپنا فرض ادا کر چکے اب ہماری باری ہے۔[1] اب ہم لوگوں نے اپنا فرض پورا کرنا ہے اور اپنی ذمے داری نبھانی ہے۔ اس مقام پر آپ کے ہر ساتھی نے

۱۔ تاریخی مآخذ میں امام حسینؑ کے بارے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے وہ سورۂ احزاب کی آیت ۲۳ کا مفہوم ہے نہ کہ اصل آیت۔ لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ کو حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر دی گئی تو امام نے چند بار اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: رَحِمَ اللّٰهُ مُسْلِمًا فَلَقَدْ صَارَ اِلٰی رَوْحِ اللّٰهِ وَرَیْحَانِهٖ وَجَنَّتِهٖ وَرِضْوَانِهٖ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ قَضٰی مَا عَلَیْهِ وَبَقِیَ مَا عَلَیْنَا. یعنی خدا مسلمؑ کی مغفرت فرمائے جو خدا کے جوار رحمت، بہشت بریں اور رضوان کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے اپنا فرض نبھا دیا جبکہ ہمیں ابھی اپنا فرض ادا کرنا ہے۔

بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۷۴۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۴۹۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام حسینؑ نے قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کی خبر سن کر سورۂ احزاب کی آیت ۲۳ تلاوت فرمائی تھی۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۶۳۔

کچھ نہ کچھ اظہار خیال کیا جس سے اُس کے دلی جذبات کی عکاسی ہوتی تھی۔ دوران سفر کچھ ایسے لوگ بھی امام حسینؑ سے آملے تھے جو معرفت کی اُس منزل پر فائز نہیں تھے جس کے امام حسین علیہ السلام خواہاں تھے۔ چنانچہ امام اُن پر ناراض ہوئے اور انہیں خود سے دور کر دیا۔ اُن لوگوں نے جب یہ سمجھ لیا کہ کوفہ پہنچ کر انہیں ''پکا پکایا حلوہ'' نہیں ملے گا تو وہ امام کو چھوڑ کر چلے گئے جیسا کہ اکثر تحریکوں میں ہوتا ہے۔ الغرض لَمْ یَبْقَ مَعَهُ اِلَّا اَهْلُ بَیْتِهٖ وَصَفْوَتِهٖ. آپ کے ساتھ صرف آپ کے اہلبیتؑ اور خاص اصحاب رہ گئے جن کی تعداد بہت کم تھی۔ (کچھ افراد جو امام کو چھوڑ کر چلے گئے تھے جب خواب غفلت سے جاگے تو یکے بعد دیگرے عمر ابن سعد کے لشکر کو چھوڑ کر امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے)۔

اس مقام پر جہاں امام حسینؑ نے شہادت مسلمؑ کی خبر سنی تھی آپ کے ہمراہ بیس سے زیادہ افراد نہ تھے۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ ایسے میں حضرت مسلم بن عقیلؑ اور حضرت ہانی بن عروہؓ کی شہادت کی خبر نے امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب باوفا پر کیا اثر کیا ہوگا؟ صاحب لسان الغیب کہتے ہیں کہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ جو اپنے اصحاب سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے آپ پر حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر سننے کے بعد لازم ہوگیا کہ آپ خیام اہل حرم میں جا کر خواتین کو بھی حضرت مسلمؑ کی شہادت سے آگاہ کریں۔ وہ بھی اس صورت میں جبکہ ان خواتین کے درمیان حضرت کے چھوٹے بھائی اور بہنوں کے علاوہ اُن کے چچا کی بیٹیاں اور دیگر رشتے دار بھی تھے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ امام مظلوم نے کس طرح یہ غم انگیز خبر انہیں سنائی ہوگی۔

دخترِ مسلمؑ کو شہادت مسلمؑ کی خبر دینا

امام عالی مقام خیمے میں آکر ایک جگہ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ مسلمؑ کی بیٹی کو بلاؤ۔ جونہی مسلمؑ کی بیٹی آئی امام نے اُسے اپنی گود میں بٹھالیا اور شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ خاندان نبوت کی یہ چھوٹی سی بچی بہت سمجھدار تھی۔ اُس نے جب امام کا یہ غیر معمولی برتاؤ دیکھا تو ایک دم گھبرا کر پوچھنے لگی: یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ ! یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ! کیا میرے بابا مارے گئے ہیں جو آپ اس قدر پیار کر رہے ہیں...؟ [1]

بچی کی بات سن کر امام بیحد متاثر ہوئے اور بولے: بیٹی میں بھی تمہارے باپ کی جگہ ہوں۔ تمہارے بابا کے بعد میں تمہیں باپ کا پیار دوں گا۔ امام کا اتنا کہنا تھا کہ خیام اہلبیتؑ میں ایک کہرام مچ گیا۔

فرزندان عقیلؑ کا اعلان وفاداری

امام حسینؑ نے فرزندان عقیلؑ کی طرف رخ کر کے فرمایا:

اے فرزندان عقیلؑ! تم نے ایک مسلمؑ کی قربانی دے دی ہے۔ اولاد عقیلؑ میں سے یہی ایک قربانی کافی ہے۔ اگر تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو۔

سب نے مل کر عرض کی: اے فرزند رسولؐ! ہم نے مسلمؑ کو شہادت کے لئے پیش نہیں کیا۔ ابھی تک ہم آپ کے ہمرکاب تھے اور اب جبکہ ہم مسلمؑ کے خون کے مقروض ہو چکے ہیں آپ کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم آپ کے ساتھ رہیں گے تا کہ ہمارا بھی وہی مقدر ہو جو مسلمؑ کا مقدر بنا۔ [2]

۱۔ اس کے بعد کے چند جملے یا الفاظ کیسٹ میں نہیں ہیں۔

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۲۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۰۳۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۷۴۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۴۴۔

مجلس ۲۰

سید الشہداء کا لقب

عزادارانِ سید الشہداءؑ!

کربلا سے پہلے حضرت حمزہؓ سید الشہداء کہلاتے تھے مگر بعد میں یہ لقب امام حسینؑ کے لئے مخصوص ہوگیا۔ گویا امام حسینؑ کی شہادت نے حضرت حمزہؓ کی شہادت کو فراموش کرادیا۔ امام حسینؑ کے اصحاب باوفا کی کیفیت بھی کچھ اسی طرح تھی کیونکہ انہیں ماضی کے تمام شہیدوں پر برتری حاصل ہوگئی۔ خود امام حسینؑ نے فرمایا تھا: اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰی وَلَا خَیْرًا مِنْ اَصْحَابِیْ وَلَا اَهْلَ بَیْتٍ اَوْصَلَ وَلَا اَفْضَلَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ. یعنی بلا شبہ میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر اصحاب نہیں دیکھے۔ نیز میرے اہلبیتؑ سے برتر اور افضل کسی کے اہلبیتؑ میرے علم میں نہیں۔[۱]

امام حسین علیہ السلام اپنے دوستوں کی طرف سے بھی آزاد تھے اور اپنے دشمنوں کی طرف سے بھی۔

خود آپ نے فرمایا: دیکھو! (اے میرے اصحاب باوفا!) ان لوگوں کو میرے علاوہ کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ میں بخوشی تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اگر تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔

۱۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۹۵۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر چلے جاؤ۔ یہ کہہ کر امام عالی مقامؑ نے اپنا سر جھکا لیا تاکہ جب اصحاب کی نگاہیں اٹھیں تو وہ آپ سے نظریں ملا کر شرمندہ نہ ہوں ۔ اصحاب حسینؑ کو نہ تو طارق کے ساتھیوں جیسی صورت حال کا سامنا تھا جن کے سامنے طارق بن زیاد نے (ایک روز کی خوراک کے سوا) خوراک اور کشتیاں جلا دی تھیں اور نہ ان اصحاب حسینؑ کو ایسی صورت، حال درپیش تھی کہ اُن کے دوست نے انہیں اپنے دروازے پر کھڑا رہنے پر مجبور کیا تھا۔ امام حسینؑ نے تو اپنی نگاہیں جھکا لی تھیں کہ کہیں اُن کی نگاہیں اُن کے اصحاب پر اپنی تاثیر مرتب نہ کریں۔[1]

اصحاب حسینؑ کا مقام

جس طرح امام حسینؑ کے اصحاب کو رسول خداؐ کے ساتھ جنگ بدر لڑنے والے صحابہ پر اور امام علیؑ کے ساتھ جنگ صفین لڑنے والے صحابہ پر فضیلت حاصل ہے اُسی طرح لشکر عمر سعد اپنی سنگدلی اور بے غیرتی میں جنگ بدر لڑنے والے لشکر ابو سفیان سے اور جنگ صفین لڑنے والے لشکر معاویہ سے دو قدم آگے تھا کیونکہ بدر میں لڑنے والوں کی طرح پسر سعد کا لشکر اپنے عقیدے اور عادت کے مطابق جنگ نہیں کر رہا تھا۔ نیز ان لوگوں کے لئے صفین میں لڑنے والوں کو درپیش ''قتل عثمانؓ'' جیسا کوئی مشتبہ معاملہ بھی درپیش نہیں تھا۔

۱۔ ان اصحاب پر ظاہراً ابن ابی الحدید کا یہ جملہ پوری طرح صادق آتا ہے: آثَرُوا الْمَوْتَ. حضرت علیؑ کے بقول مُنَاخُ رُكَّابٍ وَمَصَارِعُ عُشَّاقٍ شُهَدَاءُ لَا يَسْبِقُهُمْ مَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ وَلَا يَلْحَقُهُمْ مَنْ بَعْدَهُمْ. اس جگہ سواروں کو اُتارا جائے گا اور اسی جگہ عاشقان راہ حق کا مقتل سجے گا۔ یہ ایسے شہید ہیں جن پر نہ پہلے والے اور نہ بعد والے شہید عظمت وفضیلت کے لحاظ سے برتری حاصل کر سکتے ہیں۔ بحار الانوار ج ۴۱، ص ۲۹۵۔

یہ لوگ ایسی حالت میں جرم عظیم کے مرتکب ہو رہے تھے کہ اُن کے ضمیر کی آواز خود ان کے خلاف تھی اور یہ لوگ قُلُوْبُهُمْ مَّعَكَ وَسُيُوفُهُمْ عَلَيْكَ.[1] (اُن کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں آپ کے خلاف ہیں) کے مصداق تھے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ لشکر پسر سعد رو بھی رہا تھا اور نواسہ رسولؐ کو قتل بھی کر رہا تھا۔ آنسو بھی بہا رہا تھا اور حسینؑ کے معصوم بچوں کے کانوں سے گوشوارے بھی چھین رہا تھا۔ خنجر ستم سے حسینؑ کے سر اقدس کو کاٹ بھی رہا تھا اور کانپ بھی رہا تھا۔[2]

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۷۰۔

۲۔ حماسۂ حسینی ج ۳، ص ۵۶ - ۵۷۔

مجلس ۲۱

اچھا ہوتا جو آزمائش ہو جاتی

ہم امام حسینؑ کی ''زیارت'' میں پڑھتے ہیں کہ یَا لَیْتَنَا کُنَّا مَعَکَ فَنَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔[1] (یہ جملہ ہمارے لئے صرف ایک ورد بن چکا ہے۔ ہم اس کے معنیٰ کی طرف توجہ نہیں دیتے) ہم جو کہتے ہیں کہ یا ابا عبد اللہ! کاش کہ ہم بھی میدان کربلا میں آپ کے ساتھ باطل سے نبرد آزما ہوتے اور آپ کے جاں نثار اصحاب کی طرح اپنی جان نچھاور کرتے اور اس راہ شہادت سے فوز عظیم تک رسائی حاصل کر لیتے۔ ذرا سوچئے — کیا ہمارا یہ دعویٰ سچا ہے؟ کیا ہم ایسے لوگ ہیں جو حقیقی معنیٰ میں اس طرح کا دعویٰ کرنے کے اہل ہیں؟ (نہیں۔ ہرگز نہیں) ہم میں سے اکثر لوگ وہ ہیں جو صرف زیارت کے الفاظ پڑھتے ہیں اور زبانی جمع خرچ کرتے ہیں۔

وفادار ترین اصحاب

امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے شب عاشور کہا تھا کہ میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اور وفادار اصحاب نہیں دیکھے۔

ایک بزرگ شیعہ عالم کا خیال تھا کہ امام حسینؑ نے شاید یہ جملہ ارشاد نہیں فرمایا ہوگا۔ اُن کے خیال میں اصحاب حسینؑ نے ایسا کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا تھا پھر کیونکر امام نے ایسا کہا ہوگا۔ البتہ اُن کے دشمنوں نے

۱۔ امام حسینؑ کی ایک زیارت میں ہے: یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

''روز عرفہ'' کی مخصوص زیارت میں ہے: یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزَ مَعَکُمْ فِی الْجِنَانِ مَعَ الشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔

واقعی بہت زیادہ شقاوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ امام حسینؑ چمنستان رسالت کے پھول تھے، اپنے زمانے کے امام تھے اور علیؑ و بتولؑ کے لخت جگر تھے لہٰذا ہر مسلمان اگر امام حسینؑ کو ایسے حالات میں گھرا ہوا دیکھتا تو ضرور نصرت امام کے لئے کمربستہ ہو جاتا۔ پس میرے خیال میں وہ لوگ تو یقیناً بدترین خلائق تھے جنہوں نے امام کی مدد نہیں کی تھی لیکن جن لوگوں نے امام حسینؑ کی مدد کی تھی انہوں نے کوئی ایسا خاص کارنامہ انجام نہیں دیا تھا۔

اُس بزرگ عالم نے کہا کہ خدا شاید مجھے اس غفلت اور جہالت سے نکالنا چاہتا تھا چنانچہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کربلا کا مقتل سجا ہوا ہے اور میں موجود ہوں۔ میں امام سے کہہ رہا ہوں کہ فرزند رسولؐ! میں آپ کی نصرت کے لئے آیا ہوں۔ یہ سن کر امام نے فرمایا: انتظار کرو۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا۔

(ہم نے کتب مقاتل میں پڑھا ہے کہ سعید بن عبد اللہ حنفی اور دوسرے اصحاب امام کے آگے انسانی ڈھال بن گئے تھے تاکہ امام نماز پڑھ لیں۔ وہ سچے جذبوں والے لوگ تھے۔ جب ان کے جسم کے ٹکڑے کٹ کٹ کر زمین پر گر رہے تھے) وہ یہی سوچ رہے تھے کہ

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وہ عالم بیان کرتے ہیں کہ امام نے خواب میں مجھ سے فرمایا:

ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ تم ہمارے آگے کھڑے ہو جاؤ۔ جب دشمن تیر پھینکیں تو انہیں روک لینا اور ہم تک نہ پہنچنے دینا۔ میں نے کہا: بسروچشم! اس کے بعد میں امام کے سامنے سینہ سپر ہو گیا اور امام نماز میں مصروف ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک سنسناتا ہوا تیر امام کی طرف آ رہا ہے۔ جب تیر قریب آیا تو میں بے اختیار جھک گیا اور وہ تیر امام عالی مقام کو لگ گیا۔

میں نے کہا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ. یہ تو بہت برا ہوا۔ آئندہ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اب میں ہر تیر کو اپنے سینے پر روک لوں گا کہ اچانک دوسرا تیر آیا اور میں اپنی جان بچانے کے لئے ایک مرتبہ پھر جھک گیا۔ یہ تیر بھی امام عالی مقام کو زخمی کرگیا۔ پھر تیسرا اور چوتھا تیر آیا وہ امام ہی نے کھایا کیونکہ ہر بار میں اپنی جان کو عزیز رکھ رہا تھا۔ اچانک میری نظر امام پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ امام مسکرا کر فرما رہے تھے: مَا رَاَیْتُ اَصْحَابًا اَبَرَّ وَاَوْفٰی مِنْ اَصْحَابِیْ. یعنی میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اور وفادار اصحاب نہیں دیکھے۔[1]

گھر میں بیٹھ کر یَا لَیْتَنَا کُنَّا مَعَکَ فَنَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا کا ورد کرنا اس عظیم مرتبے تک نہیں پہنچاتا۔ اس کے لئے جرأت عمل کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔[2] جب وقت آئے گا تب پتا چلے گا کہ کون اس قول کو عملی جامہ پہنانے کی جرأت رکھتا ہے؟ میرے اصحاب ''مردان عمل'' تھے محض زبانی جمع خرچ کرنے والے نہیں تھے۔ وہ کہتے تھے:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

۱۔ امام حسینؑ نے شب عاشور فرمایا تھا: فَاِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰی وَلَا خَیْرًا مِنْ اَصْحَابِیْ وَلَا اَهْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَلَا اَوْصَلَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ. میں اپنے اصحاب سے بہتر اور وفادار ترین اصحاب کو نہیں جانتا اور میرے اہلبیتؑ سے زیادہ نیکوکار اور بہتر کوئی خاندان نہیں۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۹۵۔

۲۔ امام حسینؑ نے کربلا میں وارد ہوتے وقت فرمایا تھا: اَلنَّاسُ عَبِیْدُ الدُّنْیَا وَالدِّیْنُ لَعِقٌ عَلٰی اَلْسِنَتِهِمْ یَحُوْطُوْنَهُ مَا دَرَّتْ مَعَایِشُهُمْ فَاِذَا مُحِّصُوْا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّیَّانُوْنَ. یعنی لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین ان کی نوک زبان پر ہوتا ہے۔ دین کی حمایت اس وقت تک ہے جب تک اُن کی زندگی آرام سے گزر رہی ہے۔ جب آزمائش کی گھڑی آتی ہے تو دین دار بہت کم رہ جاتے ہیں۔ تحف العقول ص ۲۴۵۔

شجاعانہ ذہنیت

میری گفتگو خود بخود امام حسینؑ کی نماز ظہر تک آ پہنچی ہے اور ہماری نماز ظہر کا وقت بھی نزدیک ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ امام حسینؑ کے زیادہ تر اصحاب نماز ظہر سے قبل ہی شہید ہو چکے تھے۔ یعنی ظہر عاشور تک امام حسینؑ کے اہلبیتؑ اور چند اصحاب ہی بقید حیات تھے۔

اصحاب حسینؑ کی شہادت کا پہلا مرحلہ وہ تیر اندازی تھی جو دونوں طرف کھڑی صفوں کے درمیان ہوئی تھی۔ امام حسینؑ کے اصحاب کی صف میں صرف ۷۲ افراد تھے لیکن ان کی ذہنیت نہایت شجاعانہ تھی۔ ان کے حوصلے بلند تھے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کے حوصلے اور ہمت کی کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔

امام حسینؑ اپنے متعلق شکست کا ذرہ برابر تصور دینا نہیں چاہتے تھے آپ نے ۷۲ افراد کے لئے میمنہ، میسرہ اور قلب لشکر (یعنی سینٹرل ونگ، لیفٹ ونگ اور رائٹ ونگ) ترتیب دیا تھا۔ میمنہ پر حضرت زہیر بن قینؑ کو، میسرہ پر حضرت حبیب ابن مظاہرؓ کو اور قلب لشکر پر اپنے چھوٹے بھائی حضرت عباسؑ کو مقرر فرمایا تھا اور لشکر کا علم انہیں کو عطا کیا تھا اسی لئے علمدار کا لفظ آپ کے مقدس نام کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔ امام کے اصحاب نے آپ سے جنگ شروع کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا:

''نہیں! جب تک دشمن پہل نہ کرے ہم جنگ نہیں کریں گے۔''

دین اور دنیا

ابن سعد نے ابتدا میں تاخیری حربے استعمال کئے کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق دین اور دنیا دونوں سمیٹ لے۔ عبیداللہ ابن زیاد سے حکومت رَے بھی حاصل کرلے اور امام حسینؑ کے مقدس خون سے بھی اپنے ہاتھ آلودہ نہ کرے۔ وہ مسلسل مصالحت کے لئے خطوط لکھتا رہا تاکہ

جنگ شروع نہ ہو۔ ابن زیاد کو جب اس کیفیت کا علم ہوا تو اس نے ایک سخت خط لکھا کہ تمہیں جو کام سونپا گیا ہے اُسے پورا کرو ورنہ لشکر کی کمان اُس کے حوالے کردو جسے تمہارے علاوہ اس کام کی ذمے داری سونپی گئی ہے۔ ابن سعد دنیا کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا لہٰذا جب دین اور دنیا میں سے کسی ایک کے انتخاب کا وقت آیا تو اُس نے دین کو خیر باد کہتے ہوئے کہا کہ میں جنگ کروں گا تاکہ امیر کے حکم کی اطاعت ہو سکے۔

جنگ کا آغاز اور انجام

روز عاشور کربلا کے بن میں ابن سعد نے کئی بیہودہ حرکتیں کیں کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ ابن زیاد کو اس کے بارے میں جو خبریں بھجوائی گئی تھیں اور جن میں کہا گیا تھا کہ ابن سعد ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے کیونکہ وہ حسینؑ کا خیر خواہ ہے اُس کا توڑ کر سکے اور خود کو ابن زیاد کا وفادار ثابت کر سکے۔ چنانچہ جب دونوں طرف کے لشکر صف آراء ہوئے تو ابن سعد نے اپنے تیر اندازوں سے کہا: سب تیار ہو جاؤ! سب تیار ہوگئے۔ پھر ابن سعد نے تیر چلّے پر چڑھایا اور امام کے لشکر کی طرف چھوڑتے ہوئے کہا:[1]

اے لوگو! تم سب امیر ابن زیاد کے سامنے گواہی دینا کہ لشکر حسینؑ کی طرف سب سے پہلا تیر چھوڑنے والا میں ہوں۔

میں جب بھی ابن سعد کے اس جملے پر پہنچتا ہوں تو مجھے دس سال قبل فوت ہونے والے اپنے اور آپ نارمکیوں[2] کے عزیز دوست، جید عالم اور

۱۔ ابن سعد صحابیِ رسولؐ سعد بن ابی وقاص کا بیٹا تھا اور اتفاق سے فن تیر اندازی میں بے حد ماہر تھا اور عربوں میں اس کی تیر اندازی کی شہرت تھی۔ اس لحاظ سے ابن سعد نے کئی جنگوں میں کافی خدمات انجام دی تھیں۔ (استاد شہید مطہری)

۲۔ جامع مسجد نارمک (تہران) میں جمع ہونے والے افراد مراد ہیں جہاں شہید مطہریؒ یہ مجلس پڑھ رہے تھے۔

ذاکر حسینؑ مرحوم ابراہیم آیتی کی مجلس کا وہ جملہ یاد آجاتا ہے جو میں نے اُن سے سنا بھی تھا اور شاید اُن کی کتاب میں پڑھا بھی تھا۔ وہ کہتے تھے:

''کربلا کی جنگ ایک تیر سے شروع ہو کر ایک تیر پر ختم ہوگئی۔''

عمر سعد کی طرف سے چلائے جانے والے تیر سے یہ جنگ شروع ہوئی لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ کون سا تیر تھا جس کے بعد یہ جنگ ختم ہوگئی؟ دائیں بائیں دونوں طرف سے تیر چلے اور دونوں کا رخ امام کی طرف تھا۔ امام لڑتے جاتے تھے اور ناریوں کو قتل کرتے جاتے تھے۔ لڑتے لڑتے میرے امام زخموں سے چور اور تھکن سے نڈھال تھے کہ کسی ظالم نے ایک پتھر اس زور سے اُن کی پیشانی پر مارا کہ خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ امام نے خون صاف کرنے کے لئے کرتے کا دامن اٹھایا تھا کہ دو تیروں میں سے ایک زہر آلود سہ شعبہ تیر امام مظلومؑ کے سینہ مبارک پر آکر لگا اور امام کا جہاد ختم ہوگیا۔

اب ظالموں نے دیکھا کہ حسینؑ هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ نہیں کہہ رہے بلکہ آپ کا مخاطب صرف خدا ہے اور آپ کی زبان پر بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کے الفاظ جاری ہیں۔

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ سب سے پہلا تیر ابن سعد نے چلایا تھا۔ اس کے بعد اصحاب حسینؑ پر تیروں کی بارش ہونے لگی مگر کیا کہنا اصحاب حسینؑ کی ہمت و فراست کا جنہوں نے زمین پر گھٹنے ٹیک کر ترکش کے سارے تیر یکبارگی چلا دیے اور دشمنوں کی بڑی تعداد کو واصل جہنم کر دیا۔

امام حسینؑ کے چھوٹے سے لشکر کے کچھ سپاہی دشمنوں کی تیر اندازی سے شہید ہوئے اور پھر دو بدو لڑائی شروع ہوگئی۔ امام حسینؑ کے لشکر میں سے جب کوئی مرد مجاہد میدان میں آتا تو لشکر کفار سے کچھ افراد اُس کے مقابلے میں آتے مگر ہر موقع پر امام حسینؑ کے اصحاب کی ''روح ایمان'' ہی فتح سے

ہمکنار ہوتی۔ اصحاب حسینؑ میں سے کوئی بوڑھا مجاہد بھی میدان میں جاتا تو پانچ دس دشمنوں کو جہنم رسید کر دیتا تھا۔

عابس بن ابی شبیب شاکریؓ کی شہادت

امام حسینؑ کے ایک صحابی عابس بن ابی شبیب شاکریؓ جن کی روح ''حسینی جوش'' سے سرشار تھی جب میدان میں اُترے تو انہوں نے حسب دستور رجز پڑھا[1] اور مبارز طلب کیا مگر دشمن کا کوئی سپاہی حسینؑ کے اس شیر دل صحابی کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکا۔

عابسؓ کے للکارنے کے باوجود جب کوئی ان کے مقابلے پر نہ آیا تو وہ سخت غصے میں واپس آ گئے۔ انہوں نے اپنا خود اتار دیا، زرہ بھی ایک طرف رکھ دی، جنگی جوتے بھی اُتار دیے اور ننگے پاؤں دوبارہ میدان میں آ کر پکارے: ''اب تو عابسؓ سے لڑنے کے لئے سامنے آؤ۔''

مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ آخر کار لشکر ابن سعد نے بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پتھروں اور ٹوٹی ہوئی تلواروں کے ٹکڑے پھینکنے شروع کر دیے اور اس طرح انہیں شہید کر دیا۔[2]

امام حسینؑ کے اصحاب باوفا نے روز عاشور جس جرأت اور اخلاص کا مظاہرہ کیا تھا اُس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہ حال صرف مردوں کا ہی نہیں تھا بلکہ خواتین کی بھی یہی کیفیت تھی۔ انہوں نے تاریخ بشریت میں وہ نقوش چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ اگر ایسے نقوش فرنگیوں کی تاریخ میں پائے جاتے تو آپ دیکھتے کہ وہ ان سے کس طرح

۱۔ عابسؓ کا رجز تھا اَلاَ رَجُلٌ ؟ اَلاَ رَجُلٌ ؟ کیا تم میں کوئی مرد نہیں جو میرے مقابلے پر آئے؟

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۲۸۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۵۱۔

استفادہ کرتے ؟!!ل

ا۔ یہ ایک گہری بات ہے۔ قوموں کی تعمیر کا خمیر ایسی ہی باتوں سے اٹھتا ہے۔ شعراء، مفکرین اور سیاسی قائدین جو قوم کے معمار ہوتے ہیں اس طرح کے "کرداروں" کو جو قوم کے "ہیرو" ہوتے ہیں مثال بناکر قوموں کا مزاج بدل دیتے ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ ابتدائے تاریخ سے ملکوتی اور شیطانی قوتیں برسرپیکار رہی ہیں لیکن فلسفہ جدلیات کے مطابق معاشرتی تصادم کے نتیجے میں انسانی شعور جتنا جتنا پختہ ہوتا جائے گا اتنا انسانی وجدان وحی کو سمجھتا جائے گا اور اسلام دنیا پر چھاتا جائے گا کیونکہ اسلام عین فطرت ہے مثلاً انسان فطری طور پر انصاف سے محبت اور ظلم سے نفرت کرتا ہے۔ وہ آزادی کو پسند اور غلامی کو ناپسند کرتا ہے۔ چاہے یہ آزادی اجتماعی، فکری، مذہبی، سیاسی، اقتصادی ہو چاہے شخصی۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جتنا جتنا انسانی شعور پختہ ہورہا ہے اسلام کا عالمگیر انقلاب آگے بڑھ رہا ہے۔ اسلام کا نام لئے بغیر رب کائنات کی تعلیمات بالواسطہ طور پر ساری دنیا کے انسانوں کے ذہن منور کر رہی ہیں اور شاید اسی لئے اسلام دشمن قوتیں چراغ پا ہیں مگر پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ.

نسل پرستی کے خلاف پہلی آواز پیغمبر اسلامؐ کی تھی کہ کالے گورے سب انسان برابر ہیں۔
عزت و اکرام کا معیار صرف تقویٰ اور کردار کی بلندی ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے بفحوائے قرآن غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب بتا کر آزادیٔ انسان کی جس سوچ کو فروغ دیا تھا وہ ابھی ارتقا پذیر ہے

ڈیڑھ سو برس پہلے براعظم امریکا اور یورپ میں غلامی کے خاتمے کی مہم ہو یا ریاست ہائے متحدہ امریکا میں مارٹن لوتھر کنگ کی سیاہ فام امریکیوں کے لئے مساوی شہری حقوق کی جدوجہد ہو یا نیلسن منڈیلا کی قیادت میں جنوبی افریقہ کی تحریک آزادی ہو سب میں اسلام کا نادیدہ ہاتھ ضرور ہے کیونکہ اسلام آزادی اور مساوات سکھاتا ہے۔ اسلام کی تعلیم ہر دور، ہر رنگ اور ہر نسل کے لئے ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمان کہ اَیُّهَا النَّاسُ ! اِنَّ لِنِسَآئِکُمْ عَلَیْکُمْ حَقًّا وَلَکُمْ عَلَیْهِنَّ حَقًّا. اے لوگو! عورتوں کے حقوق تم پر ایسے ہی ہیں جیسے تمہارے اُن پر۔ حقوق نسواں اور احترام نسواں سکھاتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت اور آپ کے کردار کی پیروی ساری انسانیت کے لئے "رحمت" کی ضمانت ہے۔

منافقین کو بے نقاب کرنے، ملوکیت سے لڑنے، مظلوم کی حمایت کرنے، قومی خزانے کو امانت قرار دینے اور جمہوری فلاحی ریاست کے قیام کا نعرہ لگانے والوں کی رہنمائی کے لئے تاریخ کے وسیع میدان میں علی مرتضیٰؑ ایک مثالی "کردار" ہیں۔

عبداللہ بن عمیر کی جاں نثار ماں

عبداللہ بن عمیر کلبی اپنی ماں اور بیوی کے ہمراہ کربلا میں موجود تھے۔ وہ نہایت بہادر اور جیدار شخص تھے۔ جب انہوں نے میدان میں جانا چاہا تو ان کی بیوی نے پوچھا کہ آپ مجھے کس کی حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ آپ کے بعد میرا کیا بنے گا۔ دونوں میاں بیوی نے ابھی نئی نئی سہاگ رات گزاری تھی۔ یہ سن کر فوراً عبداللہ بن عمیر کی ماں نے کہا:

بیٹا! خبردار دلہن کی باتوں پر کان نہ دھرنا۔ آج تیرے امتحان کا دن ہے اگر آج تو نے خود کو قربان نہ کیا تو میں تجھے دودھ نہیں بخشوں گی۔ عبداللہ نے بڑی زبردست جنگ کی اور شہید ہوگئے۔ اس کے بعد اُن کی ماں نے چوب خیمہ لیکر کم ظرف دشمن پر حملہ کر دیا۔ اس دلیر خاتون کے جوش اور حوصلے کو دیکھ کر امام حسینؑ نے باآواز بلند فرمایا: جزاک اللہ! تم خواتین کے خیمے میں واپس جاؤ اور وہیں رہو۔ عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے۔ اپنے مولا کا حکم سن کر اُس خاتون نے سر اطاعت خم کر دیا اور خیمے میں واپس چلی گئی۔

تاریخ میں ایک اور ''کردار'' امام حسینؑ ہیں جنھوں نے سنگینوں کے سائے میں جرأت اظہار اور ظالم کی بیعت سے انکار کر کے آزاد منش انسانوں کو ذلت سے جینے کی بجائے عزت سے مرنے کا شعور بخشا کیونکہ جب جبر کے سناٹے میں زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں تو ہمتیں ٹوٹ جاتی ہیں اور انسان ظلم کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اسٹالن کی موت کے بعد کمیونسٹ پارٹی کا نیا جنرل سیکریٹری خروشیف پارٹی کے اجلاس میں اسٹالن پر تنقید کر رہا تھا تو کسی رکن نے کہا ''اُس وقت تم کیوں خاموش رہے۔'' یہ سن کر خروشیف بولا کہ جس نے یہ پوچھا ہے وہ کھڑا ہو جائے لیکن کوئی کھڑا نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر خروشیف ہنسا اور بولا کہ جس طرح آج تم کو میرے سامنے بولنے کی جرأت نہیں ہو رہی اسی طرح مجھ میں اسٹالن کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں تھی۔ ایک عیسائی پادری نے کہا تھا کہ اگر ہمارے پاس حضرت عیسیٰؑ کی بجائے حضرت حسینؑ ہوتے تو ہم ساری دنیا پر راج کرتے۔ برناڈشا کی پیشین گوئی ہے کہ ''کل کا یورپ (اور امریکا) مسلمان ہوگا'' جب ایسا ہوگا تو یہ جگمگاتے ''کردار'' نومسلموں کے لئے مشعل راہ ہوں گے۔ (رضوانی)

ادھر دشمن نے عبد اللہ کا سر کاٹ کر اُس کی ماں کی طرف اُچھال دیا اور کہا کہ لو اپنے بیٹے کو اپنے پاس رکھ لو۔ ماں نے جوان بیٹے کا سر اٹھا کر سینے سے لگایا، اُسے چوما اور کہا شاباش بیٹا! آفرین ہے تجھ پر۔ اب میں تجھ سے راضی ہوں اور میں نے تجھے اپنا دودھ بخش دیا ہے۔ اس کے بعد ماں نے اس سر کو دشمن کی طرف پھینک دیا اور کہا کہ جو چیز ہم اللہ کی راہ میں دے دیتے ہیں اُسے واپس نہیں لیتے۔ [۱]

قابل تعریف بچہ

ایک وقت وہ بھی آیا جب امام حسینؑ نے دیکھا کہ اب میدان میں جانے کے لئے صرف چند لوگ رہ گئے ہیں جو آپ سے اجازت کے طلبگار ہیں۔ اسی اثناء میں ایک بارہ سالہ خوبصورت بچہ کمر پر تلوار سجائے اصحاب کے جھرمٹ سے نکلا اور امام حسینؑ سے کہنے لگا کہ مولا! مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیجئے۔

وَخَرَجَ شَابٌّ قُتِلَ اَبُوْهُ فِی الْمَعْرِکَةِ. اصحاب کے جھرمٹ سے جو بچہ نکلا تھا اُس کا باپ معرکہ کارزار میں کچھ دیر پہلے ہی شہید ہوا تھا۔

۱۔ استاد مطہریؒ نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ وہب بن عبد اللہ بن حباب کلبی سے متعلق ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک روایت عبد اللہ بن عمیر کلبی سے متعلق بھی نقل ہوئی ہے جو کوفے کے رہنے والے تھے اور اپنی بیوی ام وہب کے ساتھ کربلا آئے تھے۔ مرحوم علامہ شعرانی نے دمع السجوم ص ۱۴۷ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ دو اشخاص سے منسوب اس روایت کی تکرار اس واقعہ کے حقیقی ہونے کی دلیل ہے۔

جناب وہب بن عبد اللہ بن حباب کلبی نوجوان تھے اور اُن کی نئی نئی شادی ہوئی تھی جبکہ جناب عبد اللہ بن عمیر کلبی صحابی رسولؐ اور بڑی عمر کے تھے۔ (رضوانی)

لہوف ص ۱۰۵۔ بحار الانوار ج ۴۵ ص ۱۷۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۵۱ اور موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۳۵۔

امام نے فرمایا: تم نہیں جا سکتے! تم ابھی چھوٹے ہو۔ بچے نے کہا: مولا! مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔ امام نے فرمایا: نہیں! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہاری بیوہ ماں دکھی نہ ہو جائے۔ یہ سن کر بچے نے عرض کی:

اِنَّ اُمِّیْ اَمَرَتْنِیْ مولا! میری ماں نے ہی مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا ہے کہ بیٹا اگر تو نے خود کو امام پر قربان نہ کیا تو میں تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گی۔

یہ بچہ جو امام سے اذن جہاد مانگ رہا تھا اس قدر مؤدب اور مہذب تھا کہ اس نے جو اعزاز پایا ہے کوئی دوسرا وہ اعزاز حاصل نہ کر سکا۔ اس لئے کہ ہر جانے والے نے میدان میں اپنا تعارف کرایا۔ عربوں میں ایک اچھی رسم تھی کہ جنگ میں اپنا تعارف کراتے تھے لیکن یہ بچہ وہ تھا جس نے اپنا تعارف نہیں کرایا اور تاریخ میں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس صحابی کا بچہ تھا۔[1]

ارباب مقاتل اس بچے کو نہیں پہچان سکے بلکہ انہوں نے صرف یہی لکھا ہے کہ وَخَرَجَ شَابٌّ قُتِلَ اَبُوْهُ فِی الْمَعْرِكَةِ.

کیا اس بچے نے یہ رجز نہیں پڑھا تھا؟

اَمِیْرِیْ حُسَیْنٌ وَنِعْمَ الْاَمِیْرُ! لوگو سنو میں وہ ہوں جس کا آقا حسینؑ ہے اور میری شناخت کے لئے یہی کافی ہے۔

اَمِیْرِیْ حُسَیْنٌ وَنِعْمَ الْاَمِیْرُ
سُرُوْرُ فُؤَادِ الْبَشِیْرِ النَّذِیْرِ

میں وہ ہوں جس کا آقا حسینؑ ہے جو بہترین آقا ہے۔ جو بشیر و نذیر رسولؐ کے دل کا سرور ہیں۔[2]

۱۔ مقتل مقرم میں اس بچے کا نام عمرو بن جنادہ انصاری لکھا ہے۔ اس کے باپ جنادہ انصاری پہلے حملے میں شہید ہو گئے تھے۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۲۷۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۵۷۔

مجلس ۲۲

سرفروشوں کا قافلہ

مکہ سے روانگی کے وقت امام حسینؑ نے زائرین کعبہ اور حاجیوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: فَمَنْ كَانَ بَاذِلًا فِينَا مُهْجَتَهُ ، مُوَطِّنًا عَلَى لِقَاءِ اللّٰهِ نَفْسَهُ ، فَلْيَرْحَلْ مَعَنَا ، فَاِنِّیْ (فَاِنَّنِیْ) رَاحِلٌ مُصْبِحًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ.[۱] یعنی تم میں سے جو ہمارے لئے جان قربان کرنے اور خدا سے ملنے کے لئے تیار ہو صرف وہی ہمارے ساتھ چلے۔ انشاء اللہ میں کل صبح روانہ ہو رہا ہوں۔ گویا امام عالی مقام لوگوں کو بتا رہے تھے کہ بندگان دنیا جو مال و منال اور اقتدار کی ہوس رکھتے ہیں اور جن کو اپنی جان عزیز ہے وہ ہمارے ساتھ نہ چلیں کیونکہ ہمارا قافلہ سرفروشوں کا قافلہ ہے۔

ان سرفروشوں میں امام حسینؑ کے قریبی رشتے دار بھی شامل ہیں جنہیں اگر وہ مدینے میں ہی چھوڑ جاتے تو کیا کوئی اعتراض کر سکتا تھا؟ ہرگز نہیں! لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر امام حسینؑ اپنے عزیزوں کو ساتھ نہ لاتے اور تنہا خود ہی جام شہادت نوش فرماتے تو کیا شہادت حسینؑ کو وہ اہمیت حاصل ہوتی اور واقعہ کربلا کو تاریخ میں وہ مقام ملتا جو اسے آج حاصل ہے؟ ہرگز نہیں!

۱۔ لہوف ص ۶۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۶۶۔ موسوعة كلمات الامام الحسينؑ ص ۳۲۹۔

امام حسینؑ نے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا جس سے راہ خدا میں سب کچھ لٹا دینے کا مطلب واضح ہوگیا۔ یعنی آپ نے عمل (قربانی) کو اس کے نکتہ کمال تک پہنچا کر بتا دیا کہ اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں بچی تھی جسے راہ خدا میں قربان نہ کیا ہو؟

امام حسینؑ کے ہمراہ آپ کے جو عزیز رشتے دار تھے آپ انہیں زبردستی کھینچ کر اپنے ساتھ نہیں لائے تھے بلکہ وہ سب امام کے ہم عقیدہ بھی تھے اور ان کا ایمان اور انداز فکر بھی یکساں تھا۔

جو جانباز نہ ہو وہ نہ آئے

بنیادی طور پر امام حسینؑ نے یہ طے کیا تھا کہ اُن کے جان فروش قافلے میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جس کے وجود میں ''کمزوری'' کا ذرا سا بھی شائبہ پایا جاتا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اثنائے سفر میں آپ نے دو یا تین مرتبہ اپنے ساتھیوں کا امتحان لیا اور کچھ ''کمزور'' لوگوں کو واپس بھیج دیا۔ مکہ سے نکلتے وقت آپ نے برملا اعلان فرمایا تھا کہ جو جان کی بازی نہ لگا سکے اور خون کا نذرانہ نہ دے سکے وہ ہمارے ساتھ نہ چلے مگر اس واشگاف اعلان کے باوجود کچھ ''کمزور'' لوگ یہ خیال کر رہے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ جب امام حسینؑ کوفے پہنچیں تب یہ خبر ملے کہ اس سفر میں آنا ان کے لئے نفع بخش ثابت ہوا ہے۔ وہاں ہمیں بھی کوئی عہدہ مل جائے۔ اس لئے ایسے لوگ بھی امام کے ساتھ ساتھ چلتے رہے جن کی ''کمزوری'' اقتدار تھا۔ علاوہ ازیں بعض خانہ بدوش عرب بھی امام حسینؑ کے قافلے میں شامل ہوگئے تھے۔

اصحاب حسینؑ آزمائش کی کسوٹی پر

امام حسینؑ نے دوران سفر اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا:

لوگو! تم میں سے جو کوئی بھی یہ سمجھتا ہے کہ وہاں پہنچ کر اُسے کوئی منصب مل جائے گا اُسے کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے بلکہ واپس چلا جانا چاہیے۔ یہ سن کر کئی افراد واپس چلے گئے۔[1]

اس کے بعد امام نے شب عاشور ایک مرتبہ پھر اپنے اصحاب کو آزمایا۔ تمام بڑے مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کے اصحاب میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو اس شب میں چلا گیا ہو۔ دست قدرت نے نامردوں کو امام حسینؑ کے حریم اقدس سے پہلے ہی نکال باہر کیا تھا۔ صاحب ناسخ التوارخ نے غلط فہمی کی بنا پر تاریخی غلطی کرتے ہوئے یہ لکھ دیا ہے کہ شب عاشور جب امام نے اپنے اصحاب سے گفتگو فرمائی تو کچھ افراد رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے واپس چلے گئے کیونکہ کسی بھی تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ ''صاحب ناسخ التوارخ'' کے سوا اور کوئی مؤرخ اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہوا۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ شب عاشور ناصران حسینؑ میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو امام کو چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ یہ امر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اصحاب حسینؑ میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو عزم اور یقین کے بلند ترین درجے پر نہ ہو یا جس کا عزم و یقین کمزور ہو۔

تحریک حسینیؑ کا عظیم ترین اعزاز

روز عاشور اگر امام حسینؑ کے اصحاب یا اطفال میں سے کوئی ایک ذرہ

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۲۳۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۷۴ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۴۸

برابر ''کمزوری'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں شامل ہو جاتا جو تعداد میں بھی زیادہ تھے اور طاقتور بھی تا کہ خود کو خطرے سے بچا سکے تو اس کی یہ پناہ امام حسینؑ اور ''حسینی مکتب'' دونوں کے لئے نقص قرار دی جاتی۔

اس کے برعکس دشمن کے کچھ آدمی جو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ تھے اس طرف آئے یعنی انہوں نے آسائشوں کو چھوڑ کر خطروں کی زد میں آنا قبول کرلیا جبکہ وہ جو خطروں میں گھرے ہوئے تھے اُنہوں نے خطروں سے بچنے کے لئے آسائشوں کی طرف جانا گوارا نہیں کیا۔

اگر امام حسینؑ نے پہلے سے ہی ان خطرات کا اعلان نہ کیا ہوتا اور اگر آپ نے پہلے ہی اصحاب کو آزمایا نہ ہوتا تو اس طرح کے واقعات وقوع پذیر ہوتے اور ہم دیکھتے کہ آدھے سے زیادہ لوگ امام حسینؑ کو چھوڑ کر چلے جاتے اور نعوذ باللہ امام کے خلاف نہ جانے کیا کیا باتیں بناتے اس لئے کہ جو چھوڑ کر چلا جاتا ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان کمزور تھا یا مجھے خوف نے گھیر لیا تھا بلکہ اپنی کمزوری چھپانے کے لئے وہ طرح طرح کے عذر پیش کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جناب ہم نے پوری تحقیق کے بعد اُس کا ساتھ دیا جسے راہ راست پر پایا... اگر ہم دیکھتے یا اس امر کی تشخیص کر لیتے کہ راہ حق یہی ہے اور اللہ کی بھی یہی مرضی ہے (کہ ہم قتل ہو جائیں) تو ہم ایسا ہی کرتے لیکن ایسا نہیں تھا۔ ہم نے یہی جانا کہ حق اُدھر ہے چنانچہ ہم اُدھر چلے گئے یعنی ایسا آدمی بیکار کی منطق بگھارتا ہے لیکن ''کاروان حسینؑ'' میں اس طرح کی کوئی بات نظر نہیں آئی اور یہ چیز بجائے خود امام حسینؑ کے لئے اور ''حسینی مکتب'' کے لئے بڑے افتخار کی بات ہے۔

حرؓ، ضمیر کی بیداری کا مثالی نمونہ

کربلا میں امام حسینؑ کی تحریک نے لشکر مخالف کے ایک بڑے جرنیل حر بن یزید ریاحی کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ حر کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ عمر سعد کے بعد وہی لشکر یزید کا اہم ترین شخص تھا۔ شروع میں اُسی کو امیر لشکر نامزد کیا گیا تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس کو ایک ہزار سواروں کے دستے کا سردار بنا کر امام حسینؑ کا راستا روکنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ باوجودیکہ امام حسینؑ کے مقابلے میں پہلے دن اُسی نے تلوار اٹھائی تھی مگر وہ ایمانی قوت اور نیکی پر عمل کرنے کے جذبے سے سرشار تھا۔ اسی جذبے نے آخر کار اُسے امام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اپنی پہلی غلطی پر نادم ہو کر توبہ کرنے پر آمادہ کر دیا اور یوں حر اَلتَّآئِبُوْنَ کی اُس صف میں شامل ہو گیا جن کے بارے میں ارشاد احدیت ہے اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. یعنی توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکیوں کا حکم دینے والے اور برائیوں سے منع کرنے والے (مومن) ہیں۔ (سورۂ توبہ: آیت ۱۱۲)

حر کی توبہ

وہ شخص اپنی دلیری اور دلاوری میں مشہور و معروف تھا اور اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ اسی بہادری کی بنا پر اسے ایک ہزار سواروں کے دستے کا سردار بنا کر امام حسینؑ کا راستا روکنے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ امام حسینؑ نے اُس شخص کے دل سے طلوع فرمایا۔

جس طرح ''سماور'' کے دل میں جلنے والی آگ سے سماور کا پانی جوش کھانے لگتا ہے اور ''بخارات کا شدید دباؤ'' سماور کے پورے وجود کو ہلا دیتا ہے اور وہ کانپنے لگتی ہے اسی طرح امام حسینؑ نے حر کے دل میں حقیقت حق کی جو شمع جلائی تھی اس کی ''تپش'' نے حر کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ (حر بھی میری اور آپ کی طرح دنیا چاہتا تھا۔ وہ بھی مال مقام اور سلامتی کا خواہاں تھا لیکن ''آتش حق'' دباؤ ڈال رہی تھی کہ نہیں تمہیں حسینؑ کے پاس جانا ہی ہوگا)۔

ہر انسان میں جو مادی افکار پائے جاتے ہیں وہ حر کو بھی وسوسے میں ڈال رہے تھے۔ حر دوراہے پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ اگر میں حسینؑ کی طرف چلا گیا تو ایک گھنٹے کے بعد قتل کر دیا جاؤں گا اور بیوی بچوں کو نہ دیکھ پاؤں گا۔ حکومت میری جائیداد ضبط کر لے گی۔ میری بیوی بیوہ ہو جائے گی۔ ایسی ہی باتیں اُسے امام کی طرف قدم بڑھانے سے روک رہی تھیں۔

یہ دو قسم کی مخالف طاقتیں تھیں جو اُس پر دباؤ ڈال رہی تھیں۔ یکا یک کسی نے دیکھا کہ حر کانپ رہا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ حر یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ تجھ جیسا بہادر اس طرح کانپ رہا ہے؟ وہ شاید یہ خیال کر رہا تھا کہ حر موت کے خوف سے کانپ رہا ہے؟ حر نے جواب دیا: نہیں! یہ موت کا خوف نہیں ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ میں ضمیر کے کس کرب سے دوچار ہوں؟ میں اس وقت خود کو جنت اور جہنم کے درمیان آزاد دیکھ رہا ہوں۔ چاہوں تو اُدھار جنت لے لوں اور چاہوں تو اس نقد دنیا کے پیچھے چل پڑوں جس کا انجام جہنم ہے۔

حر کافی دیر تک جہاد بالنفس کی اس کیفیت میں مبتلا رہا۔ آخر کار اُس

شریف النفس نے امام حسینؑ کے بقول حقیقی معنی میں حر بن کر فیصلہ کن لمحات میں ضمیر کے مطابق فیصلہ کیا۔ اس خیال سے کہ کہیں دشمن اس کی راہ میں حائل نہ ہو پہلے وہ آہستہ آہستہ ایک طرف ہٹتا چلا گیا۔ پھر اُس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی او سرپٹ خیام حسینی کی طرف دوڑانے لگا۔ اس خیال سے کہ کہیں اصحاب حسینؑ یہ نہ سمجھیں کہ حر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے اُس نے امان حاصل کرنے کی علامت ظاہر کی۔

کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

لکھا ہے کہ قَلَّبَ تُرْسَهُ یعنی اُس نے اپنی ڈھال الٹ دی تھی اس علامت کے طور پر کہ وہ جنگ کرنے نہیں بلکہ پناہ لینے کے لئے آرہا ہے۔ سب سے پہلے جو شخصیت حر کے سامنے آئی وہ خود امام حسینؑ کی تھی۔ آپ اہل حرم کے خیام کے باہر کھڑے تھے۔ وہ نزدیک آیا اور بولا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! پھر عرض کی:

مولا میں گنہگار ہوں۔ میں وہی ہوں جس نے سب سے پہلے آپ کا راستا روکنے کا جرم کیا تھا۔ پھر حر نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا:

بارالہا! میرے گناہ کو معاف فرما۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَرْعَبْتُ قُلُوْبَ اَوْلِیَآئِکَ.

بارالہا! میں نے تیرے اولیاء کے دلوں کو ڈرایا اور اُن پر رعب جمایا۔ (اہلبیت حسینؑ نے سفر کے راستے میں جب حر کو پہلی بار دیکھا تھا تو اُس کے ہمراہ ایک ہزار مسلح سپاہی تھے جنہوں نے امام کا راستا روکا تھا۔ لہٰذا ایسی صورت میں دلوں پر رعب کا طاری ہونا قدرتی امر ہے)۔

مولا! میں تائب ہوگیا ہوں اور اپنے جرم کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ جو کالک میرے چہرے پر لگی ہے اُسے سوائے میرے خون کے اور کوئی چیز دھو

نہیں سکتی۔ میں آپ کی خدمت اقدس میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی اجازت سے توبہ کروں لیکن مولا پہلے مجھے یہ بتائیں کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

اب ذرا امام حسینؑ کے کردار کا جائزہ لیجئے۔ آپ کوئی چیز اپنی ذات کے لئے نہیں چاہتے باوجودیکہ جانتے ہیں کہ حر چاہے توبہ کرے یا نہ کرے موجودہ صورت حال پر اُس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا لیکن آپ اپنے لئے نہیں بلکہ جو بھی چاہتے ہیں صرف اور صرف خدا کے لئے چاہتے ہیں لہٰذا آپ نے جواب میں فرمایا یقیناً تمہاری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول نہ ہو؟ کیا رحمت پروردگار کا دروازہ کسی تائب بندے کے لئے بند ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں!

حرؓ امام حسینؑ کے خیمہ میں کیوں داخل نہیں ہوا؟

حرؓ نے جب سنا کہ اس کی توبہ قبول ہو چکی ہے تو خوش ہو کر کہنے لگا الحمد للہ۔ پھر بولا کہ مولا اب جبکہ میری توبہ قبول ہو چکی ہے میں چاہتا ہوں کہ خود کو آپ پر قربان کر دوں اور اپنے خون کو آپ کی راہ میں بہا دوں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اے حر! تم ہمارے مہمان ہو۔ گھوڑے سے اُتر آؤ۔ کچھ دیر ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم تمہاری خاطر مدارات کریں۔ (مجھے نہیں معلوم کہ امام حسینؑ کس چیز سے حر کی خاطر مدارات کرنا چاہتے تھے) مگر حر امام سے اجازت مانگتا رہا تاکہ اُسے گھوڑے سے اُترنا نہ پڑے۔ مولا نے بے حد اصرار کیا مگر وہ گھوڑے سے نہیں اُترا۔

بعض ارباب مقاتل نے اس کی توضیح میں کہا ہے کہ حر امام حسینؑ کے

پاس کچھ لمحوں کے لئے بیٹھنا چاہتا تھا مگر اُسے یہ خدشہ تھا کہ جب وہ امام کی خدمت میں بیٹھا ہوا ہوگا تو ہوسکتا ہے کہ اس دوران امام حسینؑ کے بچوں میں سے کوئی بچہ اسے دیکھ کر کہے کہ یہ تو وہی شخص ہے جس نے پہلے دن ہمارا راستا روکا تھا۔ لہٰذا اُس ندامت اور خجالت سے بچنے کے لئے حر چاہتا تھا کہ اپنے دامن پر لگی ہوئی اس جرم کی سیاہی کو اپنے خون کی سرخی سے دھو ڈالے چنانچہ جب اُس نے بیحد اصرار کیا تو امام نے فرمایا کہ حُر ! اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو جاؤ۔ سدھارو۔

لشکر عمر سعد سے حر کا مکالمہ

یہ بہادر اور جری شخص کیونکہ کوفے ہی کا رہنے والا تھا اس لئے اُس نے اہل کوفہ کی طرف سے امام کو لکھے جانے والے خطوط کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: اے لوگو! اتفاق سے میں ان افراد میں شامل نہیں تھا جنہوں نے اپنے خطوط کے ذریعے امام کو کوفہ بلایا تھا لیکن تم لوگ اور تمہارے بڑے جو یہاں موجود ہیں انہوں نے اپنے خطوط بھجوا کر اِن کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی اور اِن کی مدد و نصرت کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لہٰذا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اب تم لوگ کس بنیاد، کس اصول اور کس دین کی بنا پر اپنے مہمان کے ساتھ اس طرح کا غیر انسانی سلوک کر رہے ہو؟

اس کے بعد اس مرد جری نے وہ بات کہی جس سے پتا چلتا ہے کہ یہی بات جو کہ نہایت ہی گھٹیا حرکت کہی جاسکتی ہے اور جو اسلام اور انسانیت کی روح کے منافی ہے اُس نے اِس مرد جری کو کس قدر متنفر اور غضبناک کیا تھا۔ تاریخ اسلام خود اِس امر کی گواہی دیتی ہے کہ کسی دشمن اسلام سے بھی اس

طرح کا سلوک روا رکھنا غلط سمجھا گیا ہے یعنی دشمن کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچانے اور اُس پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لئے اُس پر پانی بند کردینا۔ امام علیؑ بن ابی طالبؑ کو یہی تجویز پیش کی گئی تھی کہ وہ بھی معاویہ اور اُس کے لشکر پر پانی بند کردیں مگر آپ نے ایسا نہیں کیا تھا۔

خود امام حسینؑ نے اسی حر اور اس کے ساتھیوں کو باوجودیکہ دشمن تھے راستے میں سیراب کیا تھا اور یقیناً حر کو یہ بات یاد تھی اِس لئے وہ سوچتا تھا کہ ہم نے پانی کس پر بند کیا ہے۔ ایسے فرد پر جس نے اُس دن ہمیں پیاسا دیکھ کر ہمارے سوال آب سے پہلے ہی ہمیں سیراب کر دیا تھا۔ حر سوچتا تھا کہ یہ حسینؑ کس قدر عظیم اور جلیل القدر ہیں اور ہم کتنے پست اور حقیر ہیں اِس لئے اُس نے کہا: اے کوفیو! کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ موجیں مارتا فرات کا پانی تمام جاندار مخلوق کے لئے تو حلال رہے، انسان، پالتو جانور، درندے اور جنگلی جانور تو اسے پیتے رہیں مگر تم فرزند رسولؐ کے لئے اِس پانی کو بند کردو؟

امام حسینؑ، حرؒ کے سرہانے

بہرحال اس مرد جری نے جنگ کی اور داد شجاعت لینے کے بعد آخر کار شہید ہوگیا۔ امام حسینؑ نے اسے انعام سے نوازے بغیر دنیا سے نہ جانے دیا۔ سرکار سید الشہداءؑ نے تیزی سے خود کو حر کے سرہانے پہنچا دیا۔ آپ نے اُس کا سر اپنے زانوئے مبارک پر رکھ کر فرمایا: وَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِیْ رِیَاحٍ۔[۱] یہ حر ریاحی کتنا اچھا حر ہے۔ یعنی اُس کی ماں نے اُس کا کتنا عجیب اور اچھا نام

۱۔ لہوف ص ۱۰۳۔ ارشاد مفید ص ۲۳۵۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۳۷۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۳۶۔

رکھا ہے۔ اُس ماں نے پہلے دن ہی کہہ دیا تھا حر یعنی ''آزاد مرد'' اور واقعاً حر آزاد مرد ہی تھا۔

حسینؑ کتنے عظیم اور بزرگوار ہیں کہ جہاں تک آپ سے ممکن ہو سکا آپ نے اپنے اصحاب سے اظہار ہمدردی بھی فرمایا اور ان کی احوال پرسی بھی کی۔ یہ تو خود سراپا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہیں۔ امام حسینؑ جن شہداء کے سرہانے پہنچے ان میں سے ہر ایک کی حالت دوسرے کی نسبت مختلف تھی۔ کچھ وہ تھے جن کے سرہانے جب امام پہنچے تو ابھی وہ زندہ تھے چنانچہ انہوں نے اپنے مولا و آقا سے گفتگو بھی کی لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو امام کے پہنچنے سے قبل ہی جان جان آفریں کے سپرد چکے تھے۔

میری جان عباسؑ پر قربان

جن افراد کے سرہانے امام حسینؑ پہنچے ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی وہ دل ہلا دینے اور جگر چھلنی کر دینے والی حالت ہو جو آپ کے بھائی حضرت ابو الفضل العباسؑ کی تھی۔ وہ بھائی جسے امام حسینؑ بہت چاہتے تھے اور جو حیدر کرارؑ کی شجاعت کے وارث تھے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے کہا: بِنَفْسِیْ اَنْتَ. عباسؑ! میری جان تم پر قربان۔[۱] یہ جملہ بہت معنی رکھتا ہے۔

حضرت عباسؑ تقریباً ۲۳ سال امام حسینؑ سے چھوٹے تھے۔ امام حسینؑ کا سن ۵۷ سال تھا اور حضرت عباسؑ ۳۴ سالہ جوان تھے۔ بزرگ سنی اور تربیت کے لحاظ سے امام حسینؑ کو حضرت عباسؑ کے لئے باپ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس صورت میں امام فرماتے ہیں کہ بِنَفْسِیْ اَنْتَ. عباسؑ تم پر میری جان قربان۔

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۳۰۔ مقتل الحسینؑ مقرم ص ۲۱۰۔

قمر بنی ہاشمؑ کے سرہانے امام حسینؑ کی آمد

امام حسینؑ خیمے کے پاس کھڑے انتظار فرما رہے تھے کہ اچانک آپ نے حضرت عباسؑ کی گرجدار آواز سنی۔ (کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عباسؑ کا چہرہ اس قدر حسین تھا کَانَ یُدْعٰی بِقَمَرِ بَنِیْ هَاشِمٍ.[۱] کہ آپ کو قمر بنی ہاشم کہا جاتا تھا۔ حضرت عباسؑ اس قدر طویل القامت تھے کہ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ وَکَانَ یَرْکَبُ الْفَرَسَ الْمُطَهَّمَ وَرِجْلَاهُ یَخُطَّانِ فِی الْاَرْضِ.[۲] آپ بھاری جسم والے گھوڑے پر سوار ہوتے اور جب رکاب میں پاؤں ڈالتے تو پاؤں کی انگلیاں زمین پر خط دیتی تھیں۔

یہاں میں مرحوم آقائے شیخ محمد باقر بیرجندی کا قول نقل کرنا چاہتا ہوں جس میں گرچہ قدرے مبالغہ بھی ہے تاہم اس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ حضرت عباسؑ ایک بلند قامت جوان تھے۔ اتنا خوبصورت جسم تھا آپ کا کہ امام حسینؑ آپ کو دیکھ کر ''خوشی'' محسوس کرتے تھے۔

ایسے جوان کی لاش پر جب امام حسینؑ پہنچے ہیں تو دیکھا کہ آپ کے شانے کٹے ہوئے ہیں۔ سر پر آہنی گرز اور ایک آنکھ میں تیر لگا ہوا ہے۔ امام حسینؑ کے متعلق بلاوجہ نہیں کہا گیا کہ لَمَّا قُتِلَ الْعَبَّاسُ بَانَ الْاِنْکِسَارُ فِیْ وَجْهِ الْحُسَیْنِ.[۳] جب حضرت عباسؑ کو قتل کیا گیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا امام حسینؑ کا چہرۂ اقدس بھی مرجھا گیا۔

خود امام حسینؑ نے فرمایا تھا: اَلْاٰنَ انْقَطَعَ ظَهْرِیْ وَقَلَّتْ حِیْلَتِیْ.[۴] بھیا عباسؑ! تمہاری شہادت سے میری کمر ٹوٹ گئی اور تدبیر کم ہوگئی۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۳۹۔ منتہی الآمال معرب ص ۶۸۷۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۳۹۔ العباسؑ مقرم ص ۷۶۔

۳۔ قصہ کربلا ص ۳۵۱ منقول از ذریعۃ النجاۃ ص ۱۲۵۔ ۴۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۴۱

مجلس ۲۳

امام حسینؑ کا شب عاشور مہلت مانگنا

''تاسوعا'' یعنی ۹ر محرم کو عصر کا ہنگام تھا کہ لشکر عمر سعد نے ابن زیاد کے حکم کے مطابق حملہ کر دیا۔ وہ اسی دن امام حسینؑ سے جنگ لڑنا چاہتے تھے۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کے ذریعے یہ پیغام بھیجا کہ ہمیں صرف آج رات کی مہلت دے دی جائے۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اے جان برادر! جا کر ان سے کہو کہ ہمیں صرف ایک رات کی مہلت دے دیں۔ اس کے بعد امام حسینؑ نے اُن کے اس گمان کو دور کرنے کے لئے کہ شاید وہ وقت ٹالنا چاہتے ہیں یہ جملہ بھی فرمایا: بھیا! خدا بہتر جانتا ہے کہ مجھے اُس کی بارگاہ میں مناجات کرنا کتنا پسند ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ آج کی رات دعا و مناجات میں گزاروں تاکہ یہ رات ہماری توبہ و استغفار کی رات قرار پائے۔

شب عاشور عشاق کی شب معراج تھی

اے کاش! ہم اور آپ جان لیں کہ وہ عاشور کی رات کتنی عظیم رات تھی۔ درحقیقت وہ معراج کی رات تھی۔ وہ سرور و انبساط اور خوشی و مسرت سے سرشار رات تھی۔ اُس رات شہدائے کربلا نے خود کو'' پاکیزہ تر'' بنایا۔ اُس رات انہوں نے اپنے وجود کے ایک ایک انگ کو سنوارا۔ ان کی آرائش

وجود کی جگہ کا نام تھا خیمہ۔

سب خیمے کے اندر تھے۔ صرف دو آدمی خیمے کے باہر تھے جو باری باری پہرہ دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک ظاہراً بریر ہمدانی تھے۔[۱] بریر نے اپنے ساتھی سے شاید کوئی مذاق کیا تو اس نے کہا کہ آج مزاح کرنے کی رات نہیں ہے۔ اس پر بریر بولے کہ اُصولی طور پر تو میں ''اہل مزاح'' میں سے نہیں ہوں لیکن آج کی رات۔ ہمارے لئے مزاح کی رات ہے۔

زمزمۂ عشاق

جب دشمن نے آ کر ان لوگوں کو توبہ و استغفار میں مشغول دیکھا تو آپ جانتے ہیں انہوں نے کیا کہا؟ جب وہ امام حسینؑ کے خیموں کے قریب سے گزرے تو کہنے لگے: لَهُمْ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ مَابَيْنَ رَاكِعٍ وَّسَاجِدٍ.[۲]
ان لوگوں کی آوازیں ایسے سنائی دے رہی ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے سے بھنبھناہٹ کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ایسی بلند تھیں امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کے ذکر، دعا، نماز اور استغفار کی آوازیں (کہ صف ملائکہ میں ایک اضطراب پیدا ہوگیا)۔

امام حسینؑ نے فرمایا تھا:

میں آج کی رات کو اپنے توبہ و استغفار کی رات قرار دینا چاہتا ہوں جسے میں یوں کہوں گا کہ اس رات کو مولا اپنی شب معراج قرار دینا چاہتے تھے۔ امام کا یہ قول لمحۂ فکریہ ہے۔ کیا اس قول کے بعد بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

۱۔ روایت میں ہے کہ حضرت بریر ہمدانی حضرت عبدالرحمٰن انصاری سے مزاح کر رہے تھے۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۱۶۔

۲۔ لہوف ص ۹۴۔

ہمیں توبہ کی کوئی ضرورت نہیں ؟ انہیں تو اس کی ضرورت تھی مگر ہم اس کے محتاج نہیں ہیں ؟ امام حسینؑ نے پوری شب عاشور تسبیح وتہلیل و تمجید الٰہی میں گزاری اور ساتھ ساتھ اپنے اور اپنے اہلبیتؑ کے معاملات کا جائزہ بھی لیتے رہے۔ نیز یہی وہ رات ہے جس میں امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے لئے ناقابل فراموش تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

مقبول توبہ

ارباب عزا!

میں یہاں صحرائے کربلا کے ایک توبہ کرنے والے کا ذکر کروں گا اور یہی بات میری اس تقریر کے حوالے سے عرض آخر ہوگی۔ کربلا میں ایک توبہ بہت اہم اور موثر توبہ تھی اور وہ حضرت حر بن یزید ریاحیؒ کی توبہ ہے۔

حر ایک بے حد بہادر اور دلیر شخص تھے۔ عبیداللہ ابن زیاد نے پہلی بار جب امام حسینؑ کے مقابلے کے لئے لشکر بھیجا تو اُس نے حضرت حر کا انتخاب کرکے ان کے ہمراہ ایک ہزار سوار سپاہیوں کو روانہ کیا۔ اِس حر نے اہلبیت رسولؐ پر ظلم وستم کیا تھا اور میں نے کسی تقریر میں کہا تھا کہ جب کوئی شخص کسی بڑے جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اگر اس کا ضمیر بیدار ہو تو وہ ضمیر ضرور اپنے ''ردعمل'' کا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا آپ سامعین ذرا اندازہ لگائیں کہ جن کی روحیں بلند درجات پر فائز ہوں ان کے مقابلے میں اس انسانی ضمیر کا ردعمل کیسا ہوتا ہے؟

حرؒ، روشن ضمیر کے مالک تھے

راوی کہتا ہے کہ میں نے لشکر ابن سعد میں حر کو دیکھا کہ وہ بہت بری

طرح کانپ رہا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد تعجب ہوا۔ میں نے آگے بڑھ کر کہا کہ حر میں تو تجھے بہت بہادر سمجھتا تھا اور اگر مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ کا بہادر ترین شخص کون ہے تو میں تیرے سوا کسی کا نام نہ لیتا؟ لیکن تو اِس وقت اتنی شدت کے ساتھ کیوں کانپ رہا ہے؟

حر نے جواب دیا کہ تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں جنگ کی وجہ سے نہیں کانپ رہا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میں خود کو ایک دوراہے پر کھڑا محسوس کر رہا ہوں۔ ایک راستا جنت کا راستا ہے اور دوسرا جہنم کا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟ کس طرف کو جاؤں؟ اِس راہ پر چلوں یا اُس راہ کی طرف قدم بڑھاؤں؟ لیکن آخر کار اُس حر نے اپنی راہ عاقبت کا انتخاب کیا اور آہستہ آہستہ اپنے راہوار کو لے کر آگے بڑھنے لگا۔ وہ بھی اس انداز سے کہ کوئی اس کے مقصود اور مقصد کو نہ سمجھ سکے؟ جونہی وہ اس مقام پر پہنچا جہاں کوئی اُس کا راستا نہیں روک سکتا تھا اس نے اپنے رہوار کو اچانک بڑی تیزی سے خیام حسینی کی طرف دوڑا دیا۔

لکھا ہے کہ اُس نے اپنی ڈھال الٹ دی تھی جو اِس امر کی علامت تھی کہ وہ جنگ کرنے نہیں آ رہا بلکہ پناہ حاصل کرنے کا خواہاں ہے۔ اُس نے خود کو امام عالی مقام تک پہنچایا۔ پہلے سلام کیا اور پھر کہنے لگا: هَلْ تَرىٰ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ۔[1] فرزند رسولؐ! کیا اس گنہگار کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ امام حسینؑ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ یقیناً تمہاری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔

حسینی لطف و کرم

اے ارباب عزا! اپنے کریم ابن کریم امام کا لطف و کرم ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ لہوف ص ۱۰۳۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۳۸۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیسی توبہ ہے؟ اب جبکہ تم نے ہمیں تمام خطرات سے دوچار کر دیا ہے توبہ کرنے آگئے ہو؟ اس لئے کہ امام عالی مقام اس طرح کی سوچ نہیں رکھتے۔ آپ نے ہمیشہ لوگوں کی ہدایت فرمائی ہے۔ اگر آپ کے تمام جوانوں کو قتل کر دینے بعد بھی ابن سعد کا لشکر توبہ کرنے کا اعلان کرتا تو اُس وقت بھی آپ یہی فرماتے: میں تم سب کی توبہ قبول کرتا ہوں اس لئے کہ جب یزید نے سانحہ کربلا کے بعد سید سجادؑ عالی مقام سے پوچھا تھا کہ اگر میں اب توبہ کرلوں تو کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے تو حضرت نے یہی فرمایا تھا کہ — ہاں !! — اگر تو سچے دل سے توبہ کرے تو تیری توبہ قبول ہوسکتی ہے لیکن اُس وقت یزید نے توبہ نہیں کی ...[۱]

حر نے کہا کہ مولا! مجھے اذن وغا عطا کیجئے تاکہ میں میدان میں جاکر خود کو آپ پر قربان کرسکوں۔

امام نے فرمایا کہ حر!

تم ہمارے مہمان ہو۔ گھوڑے سے نیچے اتر آؤ اور چند لمحوں کے لئے

۱۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے عیون اخبار الرضاؑ کی جلد۲ صفحہ ۴۷ پر تین معتبر حوالوں کے ساتھ امام رضا علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت موسیٰؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ بار الہا! میرا بھائی ہارونؑ فوت ہوگیا ہے اُسے بخش دے۔ چنانچہ خدا نے وحی فرمائی کہ اے موسیٰؑ! اگر تم اولین و آخرین کی مغفرت کے لئے دعا کرتے تو میں اُسے بھی قبول کر لیتا سوائے قاتلان حسینؑ بن علیؑ کے کیونکہ میں نے اُن سے قتل حسینؑ کا انتقام لینا ہے۔ اور علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار جلد۴۴ کے صفحہ ۳۰۸ پر یہ روایت نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے حضرت موسیٰؑ کو بڑی تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا، اس حال میں کہ اُن کا رنگ اُڑا ہوا تھا، جسم کانپ رہا تھا اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں تو میں سمجھ گیا کہ وہ مناجات کے لئے جارہے ہیں۔ تب میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں نے ایک

ہمارے پاس بیٹھو — مگر حر نے دوبارہ اصرار کیا کہ مولا مجھے نہ روکئے کیونکہ یہی بہتر ہے۔

حضرت حر زندہ رہ کر بہت شرمندہ تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کے دل میں یہ خیال ابھرتا تھا کہ بارالہا! میں ہی وہ گنہگار ہوں جس نے پہلی بار تیرے اولیاء کے دلوں کو دہلایا تھا اور اولادِ رسولؐ پر رعب جمایا تھا۔[۱]

انہوں نے کیوں امام حسینؑ کے پاس بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا؟ اس لئے کہ وہ سوچ رہے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں سید والا کے پاس بیٹھا ہوا ہوں اور ان کے کسی پیاسے بچے کی نظر مجھ پر پڑ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو میں شرم سے ہی مر جاؤں گا۔

بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ آپ اللہ سے میری مغفرت کے لئے دعا فرمائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے جب مناجات کی تو فرمایا: اے پروردگار! تو میرے تکلم کرنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تیرے فلاں بندے نے گناہ کیا ہے اور تجھ سے عفو کا طلبگار ہے۔ خدا نے جواب دیا کہ جو کوئی بھی مجھ سے مغفرت طلب کرے گا میں اُسے بخش دوں گا سوائے قاتلان حسینؑ کے ... اور کتاب الدمعة الساکبة کی جلد ۵، صفحہ ۱۹۴ - ۱۹۵ پر مرقوم ہے کہ یزید بن معاویہ نے امام سجاد علیہ السلام سے ملاقات کے وقت یہ کوشش کی کہ اپنے جرائم کو ابن زیاد کی گردن پر ڈال دے اور خود کو بری الذمہ قرار دے۔ اُس نے امام سجاد علیہ السلام سے کہا: فَوَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنْ تَتَصَرَّفَ عَنِّیْ وَاَنْتَ ذَامٌّ لِّشَیْءٍ مِنْ اَخْلَاقِیْ، فَقَالَ: مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ: اَمَّا مَا کَانَ مِنْکَ اِلَی الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ فَذَاکَ شَیْءٌ لَا یَسْتَدْرِکُ.

۱۔ لہوف ص ۱۰۳۔ ارشاد مفید ص ۲۳۵۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۔ موسوعة الکلمات الامام الحسینؑ ص ۳۳۷۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۳۶۔

مجلس ۲۴

زہیر بن قینؓ

سوگواران امام مظلومؑ !

کل میں نے حضرت حرؓ کی توبہ کا ذکر کیا تھا۔ اور آج آپ امام عالی مقام کے ایک اور صحابی زہیر بن قینؓ کا تذکرہ سنیں گے کیونکہ ان کا شمار بھی ''توابین'' میں ہوتا ہے لیکن ان کی توبہ کی کیفیت دوسری ہے۔ یہ حضرت زہیر عثمانی تھے یعنی حضرت عثمان بن عفانؓ کے طرفداروں میں سے تھے۔ اُن کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا تھا جن کا خیال تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں نعوذ باللہ امام علیؑ ملوث تھے اس لئے وہ امام علیؑ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

امام حسینؑ کا جب کسی دشمن کی ہٹ دھرمی سے سامنا ہوتا تو آپ خود کو اس طرح سر بلند رکھتے کہ کوئی طاقت آپ کے ابروئے مبارک میں خم پیدا کرنے کی جرأت نہیں کرسکتی تھی۔ آپ کے سر مبارک کو جھکانا تو بہت دور کی بات ہے لیکن بعض اوقات امام کو ایسی صورت حال سے بھی دوچار ہونا پڑتا جہاں کچھ افراد کی ہدایت ضروری ہوتی تو ایسے مواقع پر آپ اُن اشخاص کی لاپروائیوں سے بھی صرف نظر فرماتے تھے۔

زہیر اپنے قافلے کے ساتھ مکہ سے عراق واپس جا رہے تھے اور امام حسینؑ بھی اُسی راستے پر عراق آ رہے تھے۔ زہیر کی کوشش تھی کہ کسی طرح

اُن کا امام حسینؑ سے آمنا سامنا نہ ہو یعنی اگر وہ دیکھتے کہ امام حسینؑ کا قافلہ اُن سے نزدیک ہو رہا ہے تو وہ اپنے قافلے کو دور لے جاتے تھے۔ امام جانتے تھے کہ زہیر اُن سے اس لئے کترا رہے ہیں کہ وہ ''حقیقت سے غافل'' ہیں مگر اس کے باوجود امام چاہتے ہیں کہ اسے کچھ یاد دہانیاں کرائیں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ. (سورۂ غاشیہ: آیت ۲۱) امام اسے خواب غفلت سے جگانا چاہتے ہیں، مجبور کرنا نہیں چاہتے۔ اگرچہ زہیر امام سے بے اعتنائی برت رہے تھے مگر امام اُن کو ہدایت کرنا چاہتے تھے کیونکہ اُن کا دل نور ایمان سے لبریز تھا۔

زہیر جانتے تھے کہ حسینؑ محبوب الٰہی کے فرزند ہیں اور آپ کا امت پر کیا حق ہے؟ وہ اسی لئے اس بات سے ڈر رہے تھے کہ کہیں امام سے اُن کا سامنا ہو تو امام اُن سے کوئی ایسا تقاضا نہ کر بیٹھیں جسے وہ پورا نہ کرسکیں کیونکہ ایسا کرنا بُری بات تھی۔

راستے میں ایک منزل پر جہاں قافلے رکا کرتے تھے زہیر کو نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں رکنا پڑا جہاں امام پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے یعنی دونوں قافلوں نے ایک ہی کنویں کے پاس خیمے لگائے۔ امام نے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ جاکر زہیر کو بلا لائے۔ زہیر اور اس کے ساتھی ایک خیمے میں اکٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک خیمے کا پردہ اٹھا اور اُس شخص نے وہاں پہنچ کر کہا:

يَا زُهَيْرُ! اَجِبِ الْحُسَيْنَ يا اَجِبْ اَبَا عَبْدِ اللهِ الْحُسَيْنَ.[۱]

اے زہیر! حسینؑ آپ کو بلا رہے ہیں۔ یہ سن کر زہیر کے چہرے کا

۱۔ اِنَّ اَبَا عَبْدِ اللهِ الْحُسَيْنِ بَعَثَنِي اِلَيْكَ لِتَاْتِيَهُ. اے زہیر! امام حسینؑ نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں بتاؤں کہ آقا نے تمہیں بلایا ہے۔ لہوف ص ۴۷

رنگ اڑ گیا اور اُس نے زیر لب کہا وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ اس کے ساتھی بھی اصل معاملے سے باخبر تھے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ زہیر اور اُن کے ساتھیوں نے اپنے ہاتھ کھانے سے روک لئے۔ چونکہ زہیر امام حسینؑ کے مرتبے سے آشنا تھے اس لئے وہ نہ تو یہ کہہ سکے کہ میں نہیں آسکتا اور نہ ہی وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں آرہا ہوں۔ انہیں معلوم تھا کہ امام حسینؑ کے بلاوے کو رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ اس طرح بے حس و حرکت بیٹھے رہ گئے کہ عرب مثل کے مطابق کَاَنَّہٗ عَلٰی رَأْسِہِ الطَّیْرُ[۱] گویا اُن کے سر پر پرندہ بیٹھا ہو۔ المختصر پورے ماحول پر ایک سکوت طاری تھا۔

زہیر کی زوجہ کا مشورہ

جب زہیر کی زوجہ (دلہم بنت عمرو) کو پتا چلا کہ امام حسینؑ نے قاصد ذریعے زہیر کو بلایا ہے مگر زہیر جواب نہیں دیتے تو اُس مومنہ نے آگے بڑھ کر کہا: زہیر! فاطمہؑ کا دلبر تمہیں بلا رہا ہے اور تم اسے اپنے لئے اعزاز سمجھنے کی بجائے تردد سے کام لے رہے ہو؟ زہیر ضرور جاؤ! بے شک اُن کی بات سن کر چلے آنا۔ چنانچہ زہیر ناچار اٹھے اور امام سے ملاقات کے لئے روانہ ہوگئے۔ کبھی کبھی یاددہانی اس طرح بھی اپنا اثر دکھاتی ہے۔

حسینؑ کشش

مجھے نہیں معلوم یعنی کسی بھی تاریخ میں نہیں ملتا اور شاید کسی کو بھی نہیں

۱۔ کَاَنَّ عَلٰی رُءُوْسِنَا الطَّیْرُ یعنی ہم اس طرح ساکت بیٹھے تھے گویا ہمارے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے اور ہمارے ہلنے سے اڑ جائے گا۔ لہوف ص ۴۷

معلوم کہ زہیر نے جب امام حسینؑ سے ملاقات کی تو اس ملاقات میں دونوں کے درمیان کیا بات ہوئی اور دونوں پر کیا گزری۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ زہیر کا چہرہ ملاقات کے بعد وہ چہرہ نہیں تھا جو ملاقات سے پہلے دیکھا گیا تھا اس لئے کہ جاتے وقت زہیر کا چہرہ کملایا ہوا تھا لیکن ملاقات کے بعد جب وہ باہر آئے تو اُن کا چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا۔

امام حسینؑ نے زہیر کے وجود کو کیسے منقلب کر دیا مجھے نہیں معلوم۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ امام نے اُن کو کون سی بات یاد دلائی تھی لیکن اتنا مجھے ضرور معلوم ہے کہ زہیر کے وجود میں ایک انقلاب رونما ہوا تھا۔ وہ منقلب ہوگئے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ زہیر اب پہلے والے زہیر نہیں رہے۔ وہ واپس آئے تو فوراً حکم دیا کہ یہاں سے خیمے ہٹا دیئے جائیں اور میرا خیمہ امام کے خیمے کے ساتھ لگا دیا جائے۔ اب میرا مرنا جینا حضرت ابا عبداللہؑ کے ساتھ ہے اور واپس آتے ہی انہوں نے وصیتیں کرنا شروع کر دیں کہ میرے مال کو اِس اِس طرح بروئے کار لایا جائے اور میرے بیٹوں کے لئے یہ وصیت ہے۔ میری بیٹیوں کے لئے یہ وصیت ہے۔ زہیر نے وصیت کی کہ اُن کی زوجہ کو اُس کے میکے پہنچا دیا جائے۔

زہیر نے ایسی باتیں کیں کہ سب یہ سمجھ گئے کہ زہیر جس طرح خدا حافظی کر رہے ہیں اس کے بعد وہ واپس نہیں آئیں گے۔ جب زہیر اسلحہ سجا کر خیمے سے باہر نکلے تو اُن کی زوجہ نے آگے بڑھ کر اُن کا دامن تھام لیا اور رو کر بولی: زہیر! تم نے دلبر فاطمہؑ کی رکاب میں شہادت کا انتخاب کرلیا تاکہ قیامت کے دن وہ تمہاری شفاعت کریں۔ زہیر ایسا نہ کرو کہ قیامت کے دن ہم تم جدا ہو جائیں۔ میں نے تمہارا دامن اسی امید کے ساتھ پکڑا ہے کہ

قیامت کے دن تم حضرت زہرؑا سے میری شفاعت کراؤ۔ زہیر وعدہ کرو کہ تم میری شفاعت کے لئے سفارش کرو گے۔ میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن حضرت زہرؑا میری بھی شفاعت فرمائیں۔[1]

اس کے بعد بھی زہیر ہیں جو کربلا میں اصحاب حسینؑ کی صف اول میں نظر آئے اور امام نے میمنہ کی کمان ان ہی کو سونپی تھی۔ کتنی حیرت اور تعجب کی بات ہے؟

زہیر اصحاب حسینؑ میں سرفہرست آگئے

زہیر نے کردار کی ایسی آب و تاب حاصل کرلی تھی کہ روز عاشور جب امام حسینؑ یکا و تنہا ہوچکے تھے اور آپ کے اصحاب اور اہلبیتؑ میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچا تھا اُس وقت آپ نے میدان کارزار میں کھڑے ہو کر اپنے جن دوستوں کو پکارا تھا اُن میں جناب زہیر بھی شامل تھے۔

امام مظلوم نے فرمایا تھا: يَا اَصْحَابَ الصَّفَا وَ يَا فُرْسَانَ الْهَيْجَآءِ يَا مُسْلِمَ بْنَ عَقِيْلٍ يَا هَانِيَ بْنَ عُرْوَةَ وَ يَا زُهَيْرُ قُوْمُوْا عَنْ نَوْمَتِكُمْ بَنِي الْكِرَامِ وَادْفَعُوْا عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ الطُّغَاةَ اللِّئَامَ. یعنی اے میرے پیارو! اے میرے بہادرو! اے مسلم بن عقیل! اے ہانی بن عروہ! اور اے زہیر! تم سوئے ہوئے کیوں ہو؟ اٹھو! اور ان بے حیا باغیوں سے اپنے رسولؐ کے

۱۔ وَقَالَتْ كَانَ اللّٰهُ عَوْنًا وَمُعِيْنًا خَارَ اللّٰهُ لَكَ اَسْئَلُكَ اَنْ تَذْكُرَنِيْ فِي الْقِيَامَةِ عِنْدَ جَدِّ الْحُسَيْنِ. زوجہ زہیر نے کہا: خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔ جو کچھ تمہارے ساتھ پیش آیا ہے اُس میں خیر ہے۔ میری خواہش ہے کہ قیامت کے دن ''حسینؑ کے نانا'' شفاعت کے وقت مجھ ناچیز کو بھی یاد رکھیں۔ لہوف ص ۷۳۔ مقتل الحسینؑ ص ۱۷۸۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۷۲۔

حرم کا دفاع کرو۔[1]

جنگ ختم ہوئی تو زہیر کی زوجہ پریشان ہوئی۔ اُس نے سوچا کہ دوسروں کو تو شاید کفن مل گئے ہوں لیکن زہیر کی لاش بے کفن رہ گئی ہوگی کیونکہ کوئی اُس کے ساتھ نہ تھا۔ یہ سوچ کر زہیر کی زوجہ نے اپنے غلام کو بھیجا کہ جاؤ جا کر اپنے آقا کو کفن پہنا دو۔ جب وہ غلام آیا اور اُس نے شہداء کے بے کفن لاشے دیکھے تو اُسے شرم آئی کہ زہیر کو تو کفن سے ڈھانپ دے لیکن زہیر کے آقا — حسینؑ کا جسم بے کفن رہے۔[2]

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ.

۱۔ امام حسینؑ نے دائیں بائیں دیکھا کہ تمام اصحاب قتل ہو چکے ہیں۔ آپ کے بھائی اور بیٹے خاک وخون میں غلطاں ہیں تو اس موقع پر آپ نے باآواز بلند فرمایا: اے مسلم بن عقیل ! اے ہانی بن عروہ ! اے حبیب بن مظاہر اور اے زہیر بن قین ! اے میرے سچے اور دلیر ساتھیو! اے میری رکاب میں لڑنے والو! اے اہل شرف وکرامت جوانو! نیند سے اٹھو اور ان پست ذہنیت باغیوں سے اپنے رسولؐ کے اہل حرم کو بچاؤ۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۸۴۔

۲۔ لہوف ص ۱۷۔ مقتل الحسینؑ ص ۱۷۷۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۴۳۔ تاریخ عاشورا ص ۱۹۸ مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان۔

مجلس ۲۵

شہادت جون بن ابی مالکؒ

اربابِ عزا!

کربلا میں امام حسینؑ معدودے چند اصحاب کے سرہانے پہنچے تھے۔ اُن میں سے دو اصحاب کے بارے میں یہ امر مسلم ہے کہ وہ دونوں پہلے غلام تھے یعنی انہیں خرید کر آزاد کر دیا گیا تھا۔ اُن میں سے ایک رومی غلام تھا اور دوسرا ''جون حبشی'' تھا جو حضرت ابوذر غفاریؓ کا آزاد کردہ تھا۔

ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آزادی کے بعد بھی اہلبیتؑ سے دوری اختیار نہیں کی تھی بلکہ کاشانۂ نبوت کے خدمت گزار ہی تھے۔

روزِ عاشور جون امام حسینؑ کی بارگاہ میں شرفیاب ہوا اور کہنے لگا کہ مولا مجھے بھی میدان میں جانے کی اجازت عطا فرمائیں۔ امام نے فرمایا: نہیں، ابھی دنیا سے تمہارے جانے کا وقت نہیں آیا۔ تم کو اس جنگ کے بعد بھی زندہ رہنا چاہیے۔ تم نے ہمارے خاندان کی جو خدمت کی ہے وہی بہت ہے۔ ہم تم سے راضی ہیں۔ جون نے دوبارہ منت کی کہ مولا مجھے جانے دیجئے لیکن امام نے منع فرما دیا۔ چنانچہ اُس نے خود کو امام کے قدموں میں گرا دیا اور آپ کے پاؤں کے بوسے لیتے ہوئے کہنے لگا کہ مولا مجھے شہادت سے محروم نہ رکھئے۔ اس کے بعد جون نے ایک ایسا جملہ کہا کہ امام نے پھر اُسے روکنا مناسب نہ جانا۔

امام حسینؑ حبشی غلام کے سرہانے

جون نے کہا کہ مولا میں سمجھ گیا ہوں آپ کیوں مجھے اجازت نہیں دے رہے؟ کہاں میں اور کہاں یہ عظیم سعادت !! میں اپنے سیاہ رنگ، گندے خون اور بدبودار جسم کے ساتھ کیونکر مقام شہادت پر فائز ہوسکتا ہوں؟

امام نے فرمایا: نہیں جون — ہرگز نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے اگر تمہیں اجازت نہیں دی تو اس کی وجہ وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو جاؤ۔ تم کو اجازت ہے۔ یہ سن کر جون کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ وارفتگی سے جھومتا، رجز پڑھتا رزم گاہ کو چلا اور بے جگری سے لڑتا ہوا اپنے آقا پر قربان ہوگیا۔

امام حسینؑ جون کی جنگ دیکھ رہے تھے۔ جونہی جون زین سے زمین پر آیا امام دوڑ کر اُس کے سرہانے پہنچے اور بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوئے: پروردگار! دنیا اور آخرت میں اس کے چہرے کو روشن کر دے۔ اس کے جسم کی بدبو کو خوشبو سے بدل دے۔ اسے ابرار کے ساتھ محشور فرما (یاد رہے کہ ابرار کا درجہ متقین سے بڑھ کر ہے)۔ اِنَّ کِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ۔[1] بارالہا! آخرت میں اس کے اور آل محمدؐ کے درمیان دوستی برقرار رکھنا۔[2]

۱۔ سورۂ مطففین: آیت ۱۸۔

۲۔ اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھَهٗ وَطَیِّبْ رِیْحَهٗ وَاحْشُرْهُ مَعَ الْاَبْرَارِ وَعَرِّفْ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ. بحار الانوار ج ۴۵، ص ۲۳۔ مقتل الحسینؑ مقرم ص ۲۵۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۲۶۷۔

رومی غلام کی شہادت

جون کے علاوہ کربلا میں ایک اور غلام جو رومی تھا امام حسینؑ کی رکاب میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوا۔ جب وہ گھوڑے سے زمین پر گرا اور امام حسینؑ اُس کے سرہانے پہنچے تو ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔

یہ غلام یا تو بیہوش تھا یا پھر اُس کی آنکھوں میں خون جما ہوا تھا۔ لکھا ہے کہ امام عالی مقام نے اُس کا سر اپنے زانو پر رکھا اور اُس کے چہرے اور آنکھوں سے خون صاف کیا۔ اسی دوران غلام کو ہوش آ گیا۔ اُس نے ایک نظر امام حسینؑ کے چہرۂ مبارک پر ڈالی اور مسکرایا۔

امام حسینؑ نے اپنا رخسار اُس غلام کے رخسار پر رکھ دیا۔ اور یہ وہ عمل ہے جو صرف اِس غلام سے مخصوص ہے یا پھر شہزادۂ علی اکبرؑ سے۔ ان دونوں کے علاوہ تاریخ میں کسی اور کے لئے اس طرح کی کیفیت بیان نہیں ہوئی کہ وَوَضَعَ خدَّہٗ عَلٰی خدِّہٖ. یعنی اپنا رخسار اُس کے رُخسار پر رکھ دیا۔ امام کی یہ محبت دیکھ کر غلام بیحد خوش ہوا۔ فَتَبَسَّمَ ثُمَّ صَارَ اِلٰی رَبِّہٖ. بس اس نے تبسم کیا اور اپنے رب سے ملحق ہوگیا۔[۱]

گر طبیبانه بیایی به سر بالینم
به دو عالم ندهم لذت بیماری را

(مولا) اگر تو طبیب بن کر میرے سرہانے آجائے تو میں دو جہاں کے عوض ''لذت بیماری'' ہرگز نہ دوں۔

غلام کا سر امام کی آغوش میں تھا کہ اُس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۳۰۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۶۹۔
موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۵۷۔

مجلس ۲٦

حسینؑ کی مددگار خواتین

کربلا میں تمام اسلامی پہلو چاہے وہ اخلاقی، معاشرتی، توحیدی، عرفانی اور اعتقادی ہوں اور چاہے جدالی ہوں سب کے سب مجسم نظر آتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے کربلا میں اپنا اپنا کردار ادا کیا اُن میں شیر خوار بچے سے لے کر ستر بلکہ اسی سال کے بوڑھے مرد اور خواتین بھی شامل ہیں۔ ان بوڑھوں میں جناب عبد اللہ بن عمیر کلبی کی بیوی (ام وہب) بھی ہیں۔ کربلا میں تین اشخاص اپنے بیوی بچوں کے ساتھ امام حسینؑ کی نصرت کے لئے آئے تھے اور شہادت کے بعد اُن کے بیوی بچے امام حسینؑ کے اہل حرم کے ساتھ ساتھ رہے۔ باقی اصحاب وہ تھے جن کے بیوی اور بچے اُن کے ہمراہ نہ تھے۔ ان تین اشخاص میں سے ایک حضرت مسلم بن عوسجہ تھے، دوسرے حضرت عبد اللہ بن عمیر کلبی اور تیسرے حضرت جنادہ بن حرث انصاری تھے۔

مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو

جناب عبد اللہ بن عمیر اصحاب رسولؐ میں سے تھے۔ وہ اسلامی جنگوں میں شریک رہے تھے۔ لکھا ہے کہ اُن دنوں آپ کوفہ سے باہر تھے۔ جب آپ کو کوفہ میں رونما ہونے والے پرآشوب حالات کی خبر ملی اور پتا چلا کہ

وہاں امام حسینؑ سے جنگ لڑنے کے لئے لشکر تیار کیا جا رہا ہے تو آپ نے اپنے آپ سے کہا خدا کی قسم! میں اسلام کی خاطر طویل برسوں تک کفار اور مشرکین کے خلاف برسرِپیکار رہا ہوں مگر وہ جہاد مرتبے میں اس جہاد کے برابر نہیں ہو سکتے جس میں مجھے اہلبیت رسولؐ کے دفاع کی سعادت میسر ہوگی۔ چنانچہ آپ گھر پہنچے اور اپنی زوجہ سے کہا کہ میں نے اس طرح کا فیصلہ کیا ہے۔ زوجہ نے کہا: بارک اللہ! آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے۔ انہوں نے کہا: کون سی شرط؟ زوجہ نے کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ لہٰذا جب اُن کی زوجہ ساتھ جانے لگی تو انہوں نے اپنی والدہ کو بھی ساتھ لے لیا۔ اللہ اکبر! یہ کیسی عظیم خواتین تھیں۔

جناب عبداللہ بن عمیر ایک جسور سپاہی تھے۔ آپ نے عمر بن سعد اور ابن زیاد کے اُن دو غلاموں سے جنگ کی جنہوں نے خود اپنا مدِمقابل طلب کیا تھا اور جو بہت طاقتور تھے۔ آپ نے اُن دونوں کو واصلِ جہنم کیا۔

لکھا ہے کہ جب اُن غلاموں نے اپنا مقابل طلب کیا تو امام حسینؑ کی نگاہ انتخاب نے عبداللہ بن عمیر کے جسم اور بازوؤں پر نظر ڈالی اور اُن کو منتخب کرتے ہوئے فرمایا: اُن دونوں کے لئے ''مرد میدان'' تم ہو۔ چنانچہ عبداللہ میدان میں گئے اور ان دونوں کے لئے موزوں حریف قرار پائے۔

پہلے عمر بن سعد کا غلام ''یسار'' آگے بڑھا۔ عبداللہ بن عمیر نے ایک ہی وار میں اُسے پچھاڑ دیا لیکن اس سے پہلے ایک شخص نے پشت کی جانب سے اُن پر حملہ کر دیا۔ اصحاب امام پکارے کہ ہوشیار باش لیکن جب تک یہ سنبھلتے اُس نے اس زور سے تلوار ماری کہ جناب عبداللہ کا ہاتھ کلائی سے

کٹ گیا لیکن اس ''مرد جری'' نے دوسرے ہاتھ سے اُسے قتل کر ڈالا۔[1]

اسی حالت میں آپ ''رجز'' پڑھتے ہوئے امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی والدہ سے کہنے لگے کہ مادر گرامی اب تو آپ خوش ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں بیٹا میں تم سے اس وقت تک خوش نہیں ہونگی جب تک تم فاطمہؑ کے لال پر نثار نہیں ہو جاتے۔ جناب عبداللہ کی زوجہ بھی وہاں موجود تھیں۔ وہ آپ کے دامن سے لپٹ گئیں۔ آپ کی والدہ نے کہا خبردار! اپنی بیوی کی باتوں پر کان نہ دھرنا۔ یہ بیوی کی بات ماننے کا وقت نہیں ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تم سے راضی ہو جاؤں تو تمہارے لئے شہادت کے سوا کوئی راستا نہیں۔

یہ ''مرد جری'' واپس میدان میں گیا اور آخر کار شہید ہوگیا۔ اشقیاء نے اُس کا سر کاٹ کر اہل حرم کے خیموں کی طرف پھینکا (شہداء میں چند شہید ایسے تھے جن کے سر کاٹ کر خیام حسینی کی طرف پھینکے گئے ان ہی میں جناب عبداللہ بن عمیر بھی شامل ہیں)۔

اس شہید کی بوڑھی ماں نے اپنے بیٹے کا کٹا ہوا سر اٹھا لیا۔ اُسے سینے سے لگایا اور بوسے دے کر کہنے لگی:

اے میرے لال! اب میں تجھ سے خوش ہوں۔ تو نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ پھر یہ کہہ کر کہ ہم جو چیز خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے اپنے بیٹے کا سر واپس کم ظرف دشمن کے لشکر کی طرف پھینک دیا۔

۱۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۳۳ (یہاں تک مضمون صحابی رسولؐ جناب عبداللہ بن عمیر کلبی سے مربوط ہے جبکہ بقیہ مضمون جناب وہب بن عبداللہ بن حباب کلبی کے بارے میں ہے جو نوجوان تھے)۔ رضوانی

اس کے بعد عبداللہ بن عمیر کی ماں نے جو اہلبیتؑ کی محبت میں سرشار تھی خیمے کی لکڑی اٹھالی اور یہ کہتے ہوئے ناپاک دشمن حملہ کر دیا۔

اَنَا عَجُوْزٌ سَیِّدِیْ ضَعِیْفَةٌ.[1] اگر چہ میں ایک بوڑھی اور کمزور عورت ہوں لیکن جب تک میری ان بوڑھی ہڈیوں میں دم ہے میں خاندان فاطمہؑ کا دفاع کرتی رہوں گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

ا۔ یہ اشعار عبداللہ بن عمیر کلبی کی والدہ کے نہیں بلکہ اس بچے کی والدہ کے ہیں جس کے بارے میں لکھا ہے کہ شَابٌّ قُتِلَ اَبُوْهُ فِی الْمَعْرِکَةِ. مکمل بیت اس طرح ہے:

اَنَا عَجُوْزٌ سَیِّدِیْ ضَعِیْفَةٌ
خَاوِیَةٌ بَالِیَةٌ نَحِیْفَةٌ
اَضْرِبُکُمْ بِضَرْبَةٍ عَنِیْفَةٍ
دُوْنَ بَنِیْ فَاطِمَةَ الشَّرِیْفَةِ

بحار الانوار ج ۴۵، ص ۲۸۔ موسوعة الکلمات الامام الحسینؑ ص ۴۵۸۔

مجلس ۲۷

عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری کی شہادت

عَمرْو بن قرظہ بن کعب جو انصار مدینہ کی اولاد میں سے تھے کربلا میں ظہر تک امام حسینؑ کے ساتھ موجود تھے۔ آپ اُن لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے نماز ظہر کے وقت اپنے آپ کو امام حسینؑ کے لئے ''انسانی ڈھال'' بنالیا تھا تاکہ امام نماز ادا کرسکیں۔

جب تک امام نماز پڑھتے رہے عمرو اپنے جسم پر تیر روکتے رہے۔ اُن کے جسم پر اتنے تیر لگے تھے کہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ گر پڑے۔ جب امام حسینؑ نماز پڑھ کر اُن کے سرہانے پہنچے تو وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے۔ وہ ابھی تک یہی سوچ رہے تھے کہ آیا انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے یا نہیں؟ چنانچہ جب امام حسینؑ اُن کے سرہانے پہنچے تو انہوں نے امام کو دیکھ کر اتنا ہی پوچھا: اَوْفَیْتُ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ ؟

یا ابا عبداللہؑ! کیا میں نے وفا کا حق ادا کر دیا؟[۱]

۱۔ مقتل الحسینؑ از مقرم میں ص ۲۲۸ پر عبارت یہ ہے کہ اَوْفَیْتُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ. یعنی فرزند رسولؐ! کیا میں نے حق وفا ادا کر دیا؟

مجلس ۲۸

نوجوان شہید

اے اہل عزا!

کربلا کے میدان میں جہاں جوانوں اور بوڑھوں نے شجاعت کی داستانیں رقم کیں وہاں بچے بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ نو یا دس نابالغ بچے بھی اس معرکے میں جان فاطمہؑ پر جان سے کھیل گئے۔ تاریخ کہتی ہے: وَخَرَجَ شَابٌّ قُتِلَ اَبُوْهُ فِی الْمَعْرِکَةِ.[1] ایک بچہ جس کا باپ ابھی ابھی شہید ہوا تھا بڑے جوش سے جہاد کے لئے آگے بڑھا۔ (ہمیں نہیں معلوم کہ یہ بچہ کون تھا اور کس کا بیٹا تھا؟)[2] اُس بچے نے امام کی قدم بوسی کے بعد عرض کی کہ مولا مجھے بھی میدان میں جانے کی اجازت عطا ہو۔ امام نے اُس کی طرف دیکھا اور فرمایا نہیں۔ تم کو اجازت نہیں۔ تمہارے باپ کی شہادت کافی ہے۔ شاید تمہاری بیوہ ماں اس بات پر راضی نہ ہو۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۲۷۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۵۳ اور موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۵۷۔

۲۔ مقرم نے لکھا ہے کہ یہ گیارہ سالہ بچہ عمرو تھا۔ اس کے والد جنادہ انصاری حملۂ اولیٰ میں شہید ہو گئے تھے۔

یہ سن کر بچہ بولا: یا ابا عبد اللہؑ! سچی بات تو یہ ہے کہ یہ تلوار جو میری کمر میں حمائل ہے میری ماں نے ہی لٹکائی ہے۔ اُس نے مجھے یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ بیٹا جاؤ اور اپنے باپ کی طرح اپنی جان امام پر قربان کردو۔ بچے نے اتنا اصرار کیا کہ امام حسینؑ نے اُسے جانے کی اجازت دیدی۔

آخر کیا وجہ تھی جس کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مسلم بن عوسجہ کا بیٹا تھا یا حرث بن جنادہ انصاری کا کیونکہ یہی دو افراد تھے جو کربلا میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ آئے تھے۔ اگرچہ عبد اللہ بن عمیر بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ آئے تھے لیکن ان کے متعلق اتنا ضرور معلوم ہے کہ یہ ان کا بیٹا نہیں تھا۔

جب یہ بچہ میدان میں آیا تو اوروں کے برعکس جنھوں نے اپنے باپ دادا کا تعارف کرایا تھا اور رجز میں کہا تھا کہ میں فلان بن فلان ہوں اس بچے نے بالکل الگ انداز اختیار کیا۔ اُس نے اپنے انداز سے جداگانہ حیثیت حاصل کرلی۔ اُس نے میدان میں آکر بلند آواز سے کہا:

اَمِیْرِیْ حُسَیْنٌ وَنِعْمَ الْاَمِیْرُ
سُرُوْرُ فُؤَادِ الْبَشِیْرِ النَّذِیْرُ

میرا آقا حسینؑ کیا بہترین آقا ہے۔ یہ اس رسولؐ کے دل کا چین ہے جو بشیر و نذیر ہے۔[۱]

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵ ،ص ۲۷۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۵۳۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۵۷۔

مجلس ۲۹

پیامِ حسینؑ دلوں میں اُتر گیا

عزیزانِ گرامی!

تاریخ بتاتی ہے کہ کئی بادشاہوں نے یا اُن لوگوں نے جو تاریخ میں اپنا نام زندہ رکھنے کے آرزومند تھے اپنے نام کی تختیاں لگوائیں کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میرا تعلق فلاں شاہی خاندان سے ہے۔ فلاں نے میرے سامنے آکر گھٹنے ٹیکے اور میری اطاعت قبول کی۔ ہزاروں سال پہلے تختیوں پر یہ پیغام کیوں لکھوایا گیا؟ صرف اس لئے کہ اُن کا نام مٹ نہ جائے بلکہ باقی رہے۔ اُن افراد کے یہ آثار جیسا کہ ہم نے دیکھا ہزاروں سال منوں مٹی تلے دبے رہے اور اُن میں سے کسی ایک کی بھی کوئی خبر نہ تھی یہاں تک کہ عصرِ حاضر میں ''آثارِ قدیمہ'' کے یورپی ماہرین نے انہیں دریافت کیا۔ جو کچھ مٹی کے نیچے سے نکالا گیا ہے اُس میں کوئی اہم بات نہیں ہے۔ اس میں کوئی خاص یا غور طلب بات بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتبوں پر لکھے ان پیغامات کی اہمیت کا کوئی بھی قائل نہیں اور نہ اُن کی طرف مائل ہوتا ہے کیونکہ یہ باتیں پتھروں پر کندہ ہیں دلوں پر نقش نہیں ہوئیں جبکہ امام حسینؑ نے اپنا پیغام پتھروں پر کندہ نہیں کرایا بلکہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ہوا کی لرزتی لہروں سے گزر کر ''انسان'' کی سماعت میں اُترا اور دلوں پر نقش ہوگیا

وہ بھی اس طرح کہ اب اسے کبھی محو نہیں کیا جا سکے گا۔ بقول جوشؔ

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

خود امام عالی مقام اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے۔ آپ نے مستقبل کا بالکل صحیح اندازہ لگا لیا تھا کہ آج کے بعد ''یہ حسینؑ'' دوبارہ قتل نہیں ہو سکے گا، اُس کا نام مٹائے نہیں مٹ سکے گا اور حسینؑ ہمیشہ کے لئے ''زندہ باد'' ہو جائے گا۔ آپ ذرا غور تو فرمائیں کہ کیا یہ محض اتفاق ہو سکتا ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔

امام حسینؑ کا استغاثہ

امام حسینؑ ''روز عاشور'' آخری لمحات میں استغاثہ بلند فرماتے ہیں یعنی مدد طلب فرماتے ہیں۔ کیا واقعاً اُس وقت بھی امام کو کوئی مددگار چاہیے تھا؟ کیا اُس وقت امام یہ چاہتے تھے کہ ایسے مددگار آئیں جو آ کر قتل ہو جائیں؟ نہیں۔ امام حسینؑ کو ایسے مددگاروں کی کوئی ضرورت نہیں تھی جو آ کر دشمنوں سے آپ کا دفاع کرتے۔

امام حسینؑ اپنے ساتھیوں، بھائیوں اور بیٹوں کی شہادت کے بعد زندہ رہنا نہیں چاہتے تھے لیکن یہ ضرور چاہتے تھے کہ کوئی ایسا ناصر و یاور آئے جو شہید ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے استغاثہ هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنِیْ[1] بلند فرمایا اور آپ کی یہ آواز خیموں تک پہنچی تو خواتین میں شور و شین ہوا۔

۱۔ هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنِیْ کا مشہور جملہ تاریخی ماخذ میں مکمل طور پر اسی طرح نہیں بلکہ قدرے فرق کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ جملہ'' هَلْ مِنْ ذَابٍّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟ هَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ يَخَافُ اللّٰهَ فِيْنَا ؟ هَلْ مِنْ مُغِيْثٍ يَرْجُو اللّٰهَ فِيْ إِغَاثَتِنَا ؟ أَمَا مِنْ

جب اُن کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں [1] تو امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ اور اہلبیتؑ میں سے ایک فرد کو بھیجا کہ جاکر خواتین کو خاموش کرائیں۔ انہوں نے آکر خواتین کی ڈھارس بندھائی اور انہیں چپ کرایا۔ [2]

طفل شیر خوار کی شہادت

پھر خود امام حسینؑ بھی خیام حرم کی طرف پلٹے۔ اُس وقت حضرت زینب سلام اللہ علیہا ایک شیر خوار بچے کو اٹھائے امام حسینؑ کے پاس آئیں تو امام نے بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا اور یہ نہیں فرمایا کہ بہن اس بلوے اور اس ماحول میں جہاں مسلسل تیر برس رہے ہیں آپ بچے کو لے کر آئی ہیں؟ بلکہ آپ نے بچے کو اپنی گود میں لے لیا۔ اسی حالت میں دشمن کی طرف سے ایک تیر آیا اور بچے کا گلوئے نازنین چھید گیا۔ اب دیکھئے ایسے میں امام حسینؑ

طَالِبِ حَقٍ يَنْصُرُنَا ..." " هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟ اَمَا مِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا لِوَجْهِ اللّٰهِ ؟ " اور " هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُ ذُرِيَّةَ الْاَطْهَارَ ... ؟ " جیسی مختلف عبارتوں کے ساتھ نقل ہوا ہے۔ ہے کوئی جو حرم رسول اللہ کی حفاظت کرے؟ ہے کوئی ایسا موحد جو ہمارے معاملے میں اللہ سے ڈرے؟ ہے کوئی جو اللہ کی خاطر ہماری آواز پر لبیک کہے؟ کیا ایسا کوئی طالب حق ہے جو ہماری مدد کرے؟ ہے کوئی جو (اشرار سے) حرم رسول اللہؐ کی حفاظت کرے؟ ہے کوئی جو اللہ کی خاطر ہماری پکار سنے؟ ہے کوئی ایسا مددگار جو ذریت اطہار کی مدد کرے۔ (فرہنگ عاشورا، ص ۲۷۱)

۱۔ لہوف ص ۱۱۶۔

۲۔ یہ جو امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ کو بھیجا ہے کہ وہ جاکر خواتین کو حوصلہ دیں اُس وقت سے متعلق ہے جب امام حسینؑ روز عاشور جنگ سے قبل خطبہ دیتے ہوئے اپنی تلوار پر تکیہ کئے بلند آواز میں اپنا تعارف کرا رہے تھے۔

لہوف ص ۸۷۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۲۷۔

کیا کرتے ہیں؟ ذرا سوچئے یہ کیسی رنگ آمیزی ہے؟ جب یہ بچہ آغوش پدر میں شہید ہوا تو آپ نے اُس کے گلوئے مبارک کا خون اپنے چلّو میں لیکر آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: اے آسمان (یہ ستم) دیکھ اور گواہ رہنا۔[1]

امام نے خون اپنے چہرے پر مَل لیا

اُن آخری لحات میں جب امام حسینؑ زخموں سے چُور ہو کر یکدم زمین پر گر پڑے تھے آپ اپنے گھٹنوں کے بل کچھ دیر چلتے مگر گر پڑتے۔ دوبارہ چلتے اور پھر گر پڑتے۔ آپ کے گلوئے مبارک پر ایک ضرب لگی۔ لکھا ہے کہ آپ نے ایک دفعہ پھر اپنا چلّو خون سے بھرا اور اسے اپنے چہرے پر مَل لیا اور فرمایا: میں چاہتا ہوں اسی طرح اپنے پروردگار سے ملاقات کروں۔

کربلا کے ایسے ہی دلدوز اور روح فرسا مناظر نے امام حسینؑ کے پیغام کو تاابد زندہ و پائندہ کر دیا اور اب وہ رہتی دنیا تک باقی رہیں گے۔

عصر تاسوعا

تاسوعا کی عصر کو جب نابکار دشمن نے حملہ کیا تو امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو بھیجا اور اُن سے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ آج کی رات خدا سے راز و نیاز کروں، نماز پڑھوں، دعا و استغفار کروں (بھیا) تم جن الفاظ سے چاہو اُن کو کل صبح تک کے لئے واپس لوٹا دو۔ کل ہم یقیناً اُن سے جنگ کریں گے۔ گفت و شنید کے بعد پسر سعد کے لشکر نے لڑائی ملتوی کر دی۔ امام حسینؑ نے شب عاشور کچھ اہم کام کئے جو تاریخ میں درج ہیں۔

۱۔ لہوف ص ۱۱۷۔ موسوعۃ کلمات الامام حسینؑ ص ۴۷۶۔

شب عاشور

شب عاشور امام نے سب سے پہلے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے نیزے اور تلواریں چمکا لو۔ جون جو ہتھیار تیز کرنے کا ماہر تھا اصحاب کے اسلحے کو چمکا رہا تھا۔ امام خود اُس کے پاس جاکر اُس کے کام کا جائزہ لیتے رہے اور ہتھیاروں کا معائنہ کرتے رہے۔

دوسرا کام امام نے یہ کیا کہ جو خیمے فاصلے سے لگے ہوئے تھے انہیں ایک دوسرے سے قریب لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ خیمے اتنے قریب لگا دیئے گئے کہ خیموں کی طنابیں ایک دوسرے میں داخل ہوگئیں اور دو خیموں کے درمیان سے ایک آدمی کا گزرنا بھی مشکل ہوگیا۔ اس کے بعد امام نے حکم دیا کہ خیموں کو ''ہلال کی شکل'' میں نصب کیا جائے۔ پھر راتوں رات خیموں کے پیچھے اتنی چوڑی خندق کھودی گئی جسے گھوڑے بھی عبور نہیں کرسکتے تھے۔ اس طرح دشمن کے لئے پیچھے سے حملہ کرنے کا امکان ختم ہوگیا۔

آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ جھاڑ جھنکاڑ کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے تاکہ صبح عاشور اُسے خندق میں ڈال کر جلایا جاسکے اور جس کے باعث دشمن جب تک آپ زندہ رہیں خیموں کے عقب سے حملہ نہ کرسکے۔ یعنی صرف سامنے اور دائیں بائیں سے دشمن کے مقابل رہیں اور عقب سے انہیں اطمینان رہے۔

اُس شب میں امام نے تمام اصحاب کو ایک خیمے میں جمع کر کے آخری بار اُن کے سامنے اتمام حجت فرمایا۔ پہلے آپ نے سب کا شکریہ ادا کیا وہ بھی نہایت فصیح و بلیغ انداز سے۔ پھر اپنے خاندان والوں اور اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا: دنیا میں نہ میرے اہلبیتؑ سے بہتر کسی کے اہلبیتؑ ہیں اور نہ ہی میرے اصحاب سے بہتر کسی کے اصحاب ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے فرمایا: تم سب جانتے ہو کہ دشمن کو میرے سوا کسی اور سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کا نشانہ صرف میں ہوں۔ اگر یہ مجھ پر قابو پالیں تو پھر تم میں سے کسی سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ لہٰذا تم سب لوگ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر چلے جاؤ۔

آپ نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ سب بول اٹھے: یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ! کیا ہم یہ کام کرسکتے ہیں؟ بَدَأَھُمْ بِھٰذَا الْقَوْلِ الْعَبَّاسُ بْنُ عَلِيٍّ. سب سے پہلے جس نے بات کی وہ امام کے عظیم المرتبت بھائی عباسؑ بن علیؑ تھے۔

اس مقام پر ہم ایک بار پھر ایسی باتیں سنتے ہیں جو حقیقت میں تاریخی بھی ہیں اور متکلم کی نمائندگی اور ترجمانی کا بہترین مظہر بھی۔ ہر شخص اپنی اپنی سوچ کے مطابق بات کر رہا تھا۔ کسی نے کہا: مولا اگر مجھے قتل کر دیا جائے پھر میرے جسم کو جلا کر اُس کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے اور مجھے دوبارہ زندہ کیا جائے پھر ستر بار میرے ساتھ یہی سلوک ہو تب بھی میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ ہماری یہ حقیر جان آپ پر قربان ہونے کے لائق نہیں۔ ایک اور کہتا ہے کہ اگر مجھے ہزار بار قتل کیا جائے اور پھر زندہ کیا جائے تب بھی میں آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گا۔[1]

محمد بن بشیر حضرمی کی وفاداری

اتفاق سے محمد بن بشیر حضرمی کو جو امام کا صحابی تھا کربلا میں یہ خبر ملی کہ اُس کا جوان بیٹا فلاں جنگ میں دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہوگیا ہے۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ اُس کے بیٹے پر کیا گزرنے والی ہے؟ اُس نے کہا کہ میں پسند نہیں کرتا میں زندہ رہوں اور میرے بیٹے کا یہ حال ہو۔ امام حسینؑ کو

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۹۳۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۹۵ تا ۴۰۰۔

جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کے صحابی پر یہ افتاد آن پڑی ہے تو آپ نے اُسے بلایا اُس کا شکریہ ادا کیا اور اُس کی کافی تعریف کی کہ تم ایسے ہو اور ایسے ہو ... تمہارا بیٹا اسیر ہوگیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ کوئی جائے اور دشمن کو رقم دے کر تمہارے بیٹے کو چھڑا لائے۔ یہاں کچھ ایسا سامان اور لباس موجود ہے جسے بیچ کر رقم حاصل کی جاسکتی ہے لہٰذا تم یہ لیکر چلے جاؤ اور اسے بیچ کر جو رقم ملے اُس سے اپنے بیٹے کو چھڑا لو۔ جب امام حسینؑ نے یہ جملہ فرمایا تو محمد بن بشیر نے عرض کی اَکَلَتْنِی السِّبَاعُ حَیًّا اِنْ فَارَقْتُکَ.[۱] اگر میں آپ کو چھوڑ کر ایسا کام کروں تو بیابان کے درندے مجھے زندہ کھا جائیں۔ میرا بیٹا قید ہوا ہے تو ہوا کرے۔ کیا میرا بیٹا آپ سے عزیز تر ہے؟

حضرت قاسمؑ بن حسنؑ

اُسی رات جب آپ اتمام حجت کرچکے اور سب نے یک زبان ہوکر صاف صاف الفاظ میں اپنی اپنی وفاداری کا اعلان کر دیا اور کہا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جائیں گے تو منظر ایک دم بدل جاتا ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ صورتحال آپ کے سامنے ہے۔ آپ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں اور جان لیں کہ ہم سب مارے جائیں گے۔ سب نے کہا ہمارے لئے یہ خبر مسرت و شادمانی کا سبب ہے۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں یہ سعادت بخشی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک بچہ جو خیمے کے کونے میں بیٹھا ہوا تھا اور جس کی عمر ۱۳ سال سے

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۹۴۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۰۳۔

زیادہ نہیں تھی اُسے یہ شک گزرا کہ نہ جانے وہ بھی ان قتل ہونے والوں میں شامل ہے یا نہیں ؟ کیونکہ امام نے تو یہ فرمایا تھا کہ یہاں جتنے افراد موجود ہیں وہ سب کل قتل ہو جائیں گے لیکن میں چونکہ ابھی نابالغ ہوں اس لئے شاید اس قول امام سے مراد صرف بڑے ہوں چنانچہ اُس نے امام سے کہا: چچا جان ! وَاَنَا فِیْ مَنْ قُتِلَ ؟ کل جو لوگ قتل کیے جائیں گے اُس محضر نامے میں میرا نام بھی ہے ؟

لکھا ہے کہ بچے کا سوال سن کر امام حسینؑ پر رقت طاری ہوگئی اور آپ نے اُس بچے کو جو حضرت قاسمؑ تھے کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے قاسمؑ سے کہا کہ بیٹا پہلے تم میرے سوال کا جواب دو پھر میں تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔ اچھا بتاؤ کَیْفَ الْمَوْتُ عِنْدَکَ ؟ تمہارے نزدیک موت کیسی ہے ؟

قاسمؑ نے عرض کی: یَا عَمَّاهُ ! اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ چچا جان ! میرے نزدیک موت شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اگر آپ فرمائیں گے کہ کل میں بھی شہید ہو جاؤں گا تو گویا آپ نے مجھے بہت بڑی خوشخبری دی ہے۔

امام نے فرمایا: ہاں بیٹا ! اَمَّا بَعْدَ اَنْ تَبْلُوَ بِبَلَاءٍ عَظِیْمٍ لیکن بہت بڑی مصیبت برداشت کرنے کے بعد۔ حضرت قاسمؑ نے فرمایا کہ الحمد للہ ایسا عظیم سانحہ ہونے والا ہے۔

عزاداران مظلوم کربلا !

ذرا دل تھام کر غور تو کریں کہ امام حسینؑ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اُس کے پیش نظر کل صبح عاشور کیسے کیسے دل ہلا دینے والے مناظر سامنے آنے والے ہیں۔ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد یہی ۱۳ سالہ قاسمؑ خدمت امام میں آتا ہے اس کیفیت کے ساتھ کہ ابھی اُس کا جسم چھوٹا ہے۔ جسم پر ہتھیار

سجائے نہیں جاسکتے۔ زرہ بھی بڑے افراد کے لئے بنائی گئی ہے اور خود بھی چھوٹے بچوں کے سروں پر مناسب نہیں لگتا۔ بچے نے عرض کی چچا جان ! اب میری باری ہے۔ مجھے اذن عطا ہو۔ یاد رہے کہ عاشور کے دن کوئی سپاہی امام حسینؑ سے اجازت لئے بغیر میدان کی طرف نہیں گیا۔ جو بھی جاتا تھا پہلے سلام کرتا — السلام علیک یا ابا عبد اللہ — اس کے بعد کہتا مولا مجھے اجازت عطا کیجئے۔

امام حسینؑ نے شہزادہ قاسمؑ کو اتنی جلدی اجازت نہیں دی بلکہ اُسے دیکھ کر رونے لگے۔ قاسمؑ اور امام حسینؑ ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگے۔ لکھا ہے کہ فَجَعَلَ یُقَبِّلُ یَدَیْہِ وَ رِجْلَیْہِ[1] یعنی قاسمؑ امام حسینؑ کے ہاتھوں اور پاؤں کو چومنے لگے۔ کیا یہ بات ایسی نہیں جسے پیش نظر رکھ کر تاریخ بہتر طور پر سانحہ کربلا کے بارے میں فیصلہ کر سکے؟ وہ بچہ اصرار کر رہا ہے مگر امام حسینؑ انکار کر رہے ہیں اگرچہ قلبی طور پر امام چاہتے ہیں کہ قاسمؑ کو جانے کی اجازت دیں مگر آپ کی زبان آپ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی یہاں تک کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور فرمایا:

اے میرے بھائی کی نشانی آ میں تجھے گلے لگا کر خدا حافظ کہوں۔ حضرت قاسمؑ نے امام حسینؑ کی گردن میں بانہیں ڈال دیں اور چچا نے بھتیجے کی گردن میں۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد دونوں اس قدر روئے کہ بے حال ہوگئے۔ (امام حسینؑ کے اصحاب اور اہلبیتؑ اس جاں گداز منظر کو دیکھ رہے تھے)۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور جناب قاسمؑ فوراً گھوڑے پر

۱۔ یہ عبارت مقاتل میں اس طرح ہے کہ فَلَمْ یَزَلِ الْغُلَامُ یُقَبِّلُ یَدَیْہِ وَرِجْلَیْہِ حَتّٰی اَذِنَ لَہٗ. یعنی بچہ اُس وقت تک آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو چومتا رہا جب تک آپ نے اُسے اجازت نہیں دیدی۔

سوار ہوکر میدان کو سدھارے۔

میں حسنؑ کا فرزند ہوں

عمر سعد کے لشکر کا راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے یکا یک ایک بچے کو دیکھا جو گھوڑے پر سوار چلا آتا تھا اور جس کے سر پر خود کی بجائے عمامہ تھا۔ جس کے پیروں میں تسمے والا جنگی جوتا نہیں بلکہ عام جوتا تھا اور مجھے یاد ہے کہ وہ بایاں پاؤں تھا اور یہ کہ کَاَنَّہٗ فَلْقَۃُ الْقَمَرِ. وہ بچہ گویا چاند کا ٹکڑا نظر آتا تھا یعنی اس قدر خوبصورت تھا۔ پھر راوی کہتا ہے کہ حضرت قاسمؑ جب میدان کی طرف آ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

حسب دستور ہر آنے والا اپنا تعارف کراتا تھا مگر اُس وقت سب حیران تھے کہ یہ بچہ کون ہے؟ اُس بچے نے لشکر میں پہنچ کر بلند آواز سے کہا:

اِنْ تَنْکُرُوْنِیْ فَاَنَا ابْنُ الْحَسَنِ   سِبْطُ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی الْمُؤْتَمَنِ

لوگو! اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو پہچان لو میں سبط نبی حسنؑ کا بیٹا ہوں۔

ھٰذَا الْحُسَیْنُ کَالْاَسِیْرِ الْمُرْتَھَنِ   بَیْنَ اُنَاسٍ لَا سُقُوْا صَوْبَ الْمُزْنِ

یہ حسینؑ ہیں جنہیں تم نے گھیر رکھا ہے اور بہتی فرات سے ایک گھونٹ پانی تک نہیں دیا۔

حضرت قاسمؑ کا سر چچا کی آغوش میں

حضرت قاسمؑ جب میدان کی طرف گئے تو امام حسینؑ اپنے گھوڑے کی لگام تھام کر کھڑے ہوگئے۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ اُس وقت کے انتظار میں ہیں جب انہیں اپنا کوئی فرض ادا کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اُس وقت

امام حسینؑ کے دل کی کیا حالت تھی؟ بہرحال آپ انتظار فرما رہے تھے۔ شاید قاسمؑ کی آواز کے منتظر تھے۔ اچانک قاسمؑ نے پکارا یا عَمّاهُ! چچا جان! میری خبر لیجئے۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نہیں سمجھ سکے کہ امام حسینؑ کس تیزی سے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر پر جھپٹے۔ راوی نے آپ کی کیفیت کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ گویا آپ نے شکاری باز کی مانند خود کو میدان جنگ میں پہنچایا۔ ارباب مقاتل بیان کرتے ہیں کہ حضرت قاسمؑ کے گھوڑے سے گرنے کے بعد تقریباً دو سو سواروں نے شہزادے کو گھیر لیا تھا اور ایک شخص اُن کا سر تن سے جدا کرنا چاہتا تھا لیکن جونہی لشکر والوں نے دیکھا کہ امام حسینؑ میدان میں آپہنچے ہیں اُن میں بھگدڑ مچ گئی اور وہی شخص جو قاسمؑ کا سر کاٹنے کے مذموم ارادے سے آگے بڑھا تھا لشکر والوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل گیا۔ اشقیاء اس قدر خوفزدہ تھے کہ انہوں نے بدحواسی کے عالم میں اپنے ہی ایک ساتھی کو زندہ پامال کر دیا تھا۔ مجمع بہت زیادہ تھا، گھوڑے سرپٹ دوڑ رہے تھے اور شدید گرد و غبار کی وجہ سے کچھ بھائی نہیں دیتا تھا بقول فردوسی

زسمِ ستوران در آن پہنِ دشت زمین شد شش و آسمان گشت ہشت

دشت کی اُس پہنائی میں گھوڑوں کے سموں سے زمین کی تعداد چھ اور آسمان کی آٹھ ہو گئی تھی۔

ایسے میں کسی کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اصل ماجرا کیا ہے؟ لیکن جیسے ہی غبار چھٹا وَانجَلَتِ الْغَبَرَةُ. تو لوگوں نے دیکھا کہ قاسمؑ کا سر چچا کی آغوش میں ہے۔[1]

۱۔ جو اہل منبر یہ پڑھتے ہیں کہ حضرت قاسمؑ کا جسم نازنین پامال ہوا تھا اُن سے گزارش ہے کہ کتب مقاتل اور تاریخ کربلا کا مطالعہ دیکھیں۔ (رضوانی)

... مصائب قاسمؑ کا یہ حصہ نہ پڑھنا

(میں یہ بات کبھی نہیں بھول سکتا کہ قم کے مشہور ذاکر آقائے اشراقی مرحوم بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ آیت اللہ حائری کے سامنے مجلس میں تاریخ اور مقتل کی عبارت کے عین مطابق ایک لفظ کی کمی بیشی کے بغیر مصائب بیان کئے جنہیں سننے کے بعد حضرت آیت اللہ نے اس قدر گریہ کیا کہ اُن کی حالت غیر ہونے لگی۔ بعد میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم جس مجلس میں مجھے بیٹھا دیکھو وہاں مصائب کا یہ حصہ نہ پڑھنا کیونکہ مجھ میں اُس کے سننے کی تاب نہیں ہے)۔

اِدھر حضرت قاسمؑ کا یہ حال ہے کہ چچا کے سامنے آخری لحات میں تکلیف کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ وَالْغُلَامُ يَفْحَصُ بِرِجْلَيْهِ. اُس وقت لوگوں نے سنا کہ امام حسینؑ نے فرمایا: يَعِزُّ وَاللّٰهِ عَلٰى عَمِّكَ اَنْ تَدْعُوَهُ فَلَا يَنْفَعُكَ صَوْتُهُ. خدا کی قسم! تیرے چچا پر یہ بات کس قدر گراں ہے کہ تو چچا کو بلائے اور وہ تیرے سرہانے پہنچ کر تیرے کسی کام نہ آسکے۔[1]

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۳۹۔ لہوف ص ۱۱۴۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۳۴۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۶۴۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۸۰۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۶۴۔

مجلس ۳۰

عبداللہ بن حسنؑ

اربابِ عزا!

آج میں فرزندانِ امام حسنؑ میں سے ایک فرزند کے مصائب بیان کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت قاسمؑ کا ایک اور بھائی بھی تھا جس کا نام عبداللہ تھا۔ (واقعۂ کربلا سے دس سال قبل امام حسنؑ زہرِ دغا سے شہید کئے گئے تھے۔ اُس بچے کی عمر بھی دس سال لکھی گئی ہے یعنی یہ بچہ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد پیدا ہوا تھا یا ہوسکتا ہے کہ اُس سے بھی کچھ عرصے بعد پیدا ہوا ہو۔ بہرحال اُسے اپنے والد یاد نہیں تھے۔ وہ امام حسینؑ ہی کے گھر میں پلا بڑھا تھا جو اُس کے چچا بھی تھے اور سرپرست بھی)۔

امام حسینؑ نے اُس بچے کو (جس کا نام عبداللہ تھا) اُس کی پھوپھی جناب زینب سلام اللہ علیہا کے سپرد کر دیا تھا جو بچوں کی خصوصی نگران تھیں۔ عبداللہ بن امام حسنؑ اُن بچوں میں شامل تھے جو بار بار کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح میدان میں جائیں لیکن انہیں کسی نہ کسی طرح روک لیا جاتا تھا۔

خدا کی قسم! میں چچا سے جدا نہیں ہوں گا

مجھے نہیں معلوم کہ ان آخری لمحات میں جب امام حسینؑ اپنی قتل گاہ میں گرے ہوئے تھے دس سال کا یہ بچہ کس طرح خیمے سے نکل کر میدان میں

پہنچ گیا۔ جب بچہ خیمے سے نکلا تو جناب زینب سلام اللہ علیہا اُسے پکڑنے کو دوڑیں مگر وہ یہ کہتے ہوئے اُن کے ہاتھ سے بھی نکل گیا وَاللّٰهِ لَا اُفَارِقُ عَمِّيْ. خدا کی قسم! میں اپنے چچا کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔

یہ بچہ نہایت پھرتی سے امام حسینؑ کی قتل گاہ میں پہنچ گیا اور اُس نے خود کو اپنے چچا پر گرا دیا۔ امام حسینؑ نے اُسے آغوش میں لیا تو بچے نے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اُسی وقت ایک ظالم امام حسینؑ پر وار کرنے کے لئے قریب آیا تو بچے نے اُسے لعنت ملامت کی کہ کیا تو میرے چچا کا خون بہانے آیا ہے؟ خدا کی قسم! میں تجھے ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ اُس جفا کار نے جیسے ہی تلوار کھینچی کہ ابا عبداللہ الحسینؑ کا سرتن سے جدا کرے بچے نے اپنے دونوں ہاتھ سپر بنا دیئے جس سے اُس کے ہاتھ کٹ کر کھال سے لٹک گئے۔ اُس وقت بچے نے فریاد بلند کی کہ چچا جان دیکھئے اس ظالم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟[1]

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ.

---

[1] ارشاد مفید ص ۲۴۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۵۳۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۵۰۷۔

مجلس ۳۱

حسینی تحریک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کربلا میں امام حسینؑ کا جہاد ہر لحاظ سے نفس کی کرامت و شہامت اور شرافت و نفاست کا آئینہ دار ہے۔ آپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذے داریوں کا بھی بھرپور احساس رہا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا تھا اَلا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِهٖ وَاَنَّ الْبَاطِلَ لَا یُتَنَاهٰی عَنْهُ لِیَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِیْ لِقَآءِ اللّٰهِ مُحِقًّا.[1] اے لوگو! کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ حق کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے روکا نہیں جا رہا بلکہ اُس کو رواج دیا جا رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اچھے کاموں کو چھوڑ دیا گیا ہے اور برائیوں کا زہر معاشرے کی رگوں میں اتارا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ایک مومن اور شریف النفس انسان کے لئے مناسب ہے کہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دے لِیَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِیْ لِقَآءِ اللّٰهِ مُحِقًّا اور سچ مچ ایسا ہی ہونا چاہیے کہ مومن ایسے حالات میں اللہ سے ملاقات کی تمنا کرے یعنی دنیا سے بیزاری کا اظہار کرے۔ بالفاظ دیگر امام کا یہ فرمان کہ اِنِّیْ لَا اَرَی الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَةً وَالْحَیَاةَ مَعَ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا بَرَمًا.[2] یقیناً میں ان حالات میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور زچ ہوکر ظالموں کے

۱۔ تاریخ طبری ج ۴، ص ۳۰۵۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۸۱۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۸۱۔

ساتھ رہنا زندگی کی توہین ہے۔

برادران عزیز!

ذرا سوچیں کہ انسان میں یہ کس قسم کا احساس ہے کہ وہ ظالموں اور ستمگروں کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ ایسی زندگی جس میں اُس کی آنکھ کے سامنے ظالم اور ستمگر دندناتے نظر آئیں۔ امام حسینؑ کہہ رہے ہیں کہ کیا میں ایسے لوگوں کے ساتھ رہوں اور اُن کا ساتھی بنوں ؟ نہیں۔ ایسی زندگی میرے لئے زندگی نہیں موت ہے۔ باعث ذلت ہے۔ میری سعادت یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں میں موت کی تمنا کروں کیونکہ ایسے میں میرا مر جانا ہی میری سعادت ہے۔

طفل شیر خوار سے امام حسینؑ کا الوداع ہونا

عاشور کے دن امام حسینؑ خیمے میں تشریف لائے اور حضرت زینبؑ سے فرمایا یَا اُخْتَاهُ! اِیْتِینِیْ بِوَلَدِیَ الرَّضِیعِ. بہن! طفل شیر خوار کو میرے پاس لے آو حَتّٰی اُوَدِّعَهُ [۱] تاکہ میں اُس کو الوداع کہہ لوں۔ اگرچہ اُس بچے کی ماں کربلا میں موجود تھی لیکن امام حسینؑ اپنی بہن کو مخاطب کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ میرے بعد زینبؑ قافلہ سالار ہیں۔ حضرت زینبؑ گئیں اور بھابی سے طفل شیر خوار کو لا کر بھائی کی خدمت میں پیش کیا۔ امام حسینؑ نے اُس گل بدن کے چہرے پر اِک نظر ڈالی تو دیکھا کہ بچہ کملائے ہوئے پھول

۱۔ بعض مقاتل میں حضرت زینبؑ سے امام حسینؑ کے خطاب کی عبارت اس طرح تحریر ہے قَالَ لِزَیْنَبَ: نَاوِلِیْنِیْ وَلَدِیَ الصَّغِیْرَ حَتّٰی اُوَدِّعَهُ. آپ نے حضرت زینبؑ سے کہا مجھے میرا شیر خوار بیٹا لا کر دو تاکہ میں اُسے الوداع کہوں۔ لہوف ص ۱۱۷۔ منتہی الآمال معرب ج ۱ ص ۶۹۳۔

کی طرح لگ رہا ہے کیونکہ بچے کو چند روز سے دودھ نہیں ملا تھا۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے اُس کی ماں کا دودھ خشک ہوگیا تھا۔

امام حسینؑ نے جو سراپا محبت ہیں بچے کو بہن سے لے لیا۔ آپ چاہتے تھے کہ بچے کا بوسہ لیں اور اُسے شفقت پدر نصیب ہو کہ امیر نے اپنے ایک سپاہی سے کہا دیکھو تمہیں کتنا اچھا ہدف ملا ہے۔ اگر تم اپنی مہارت کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہو تو اُسے نشانہ بناؤ۔ سپاہی نے پوچھا کسے نشانہ بناؤں ؟ اُس نے کہا کہ اُس بچے کو جو حسینؑ کے ہاتھوں میں ہے۔

بچہ امام کے ہاتھوں پر تھا۔ اُدھر سے تیر چلا، بچے کا منکا ڈھلا اور وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپا لیکن کیا کہنا صبر حسینؑ کا۔

ہمارا منہ ہے کہ دیں اُس کے حسن صبر کی داد
مگر نبیؐ و علیؑ مرحبا کہیں اُس کو

غالبؔ

آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہیں ہوئی اور آپ نے اپنے چلّو میں اُس معصوم کا خون لے کر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا هَوَّنَ عَلَيَّ اَنَّهُ بِعَيْنِ اللّٰهِ[1] پروردگار تو اس خون ناحق کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تیری رضا کے لئے ہے اس لئے حسینؑ کو ناگوار نہیں۔[2]

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ اصل عبارت اس طرح ہے کہ هَوَّنَ عَلَيَّ مَانَزَلَ بِيْ اَنَّهُ بِعَيْنِ اللّٰهِ. لہوف ص ۱۱۷ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۷۷۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۸۱۔

مجلس ۳۲

حسینی جذبات و احساسات

میرے عزیزو اور دوستو!

ہم اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں تو کیا امام حسینؑ اپنے بچوں سے پیار نہیں کرتے تھے۔ یقیناً وہ ہم سے زیادہ اپنے بچوں سے محبت کرتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ بھی ایسے نہیں تھے جو ہم سے کم اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو چاہتے ہوں۔ وہ اُن سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہم سے بدرجہا بہتر انسان تھے اور یہ وہ جذبات ہیں جو انسانی جذبات کہلاتے ہیں لہٰذا جب وہ ہم سے بہتر انسان تھے تو پھر اُن کے انسانی جذبات بھی ہم سے زیادہ بہتر تھے۔ امام حسینؑ بھی ہم سے زیادہ اپنے بچوں سے پیار کرتے تھے لیکن وہ خدا کو ہر چیز سے زیادہ چاہتے تھے اور خدا کے سامنے کسی کو شمار قطار میں نہیں لاتے تھے۔

لکھا ہے کہ جن دنوں امام حسینؑ کربلا کی طرف سفر کر رہے تھے آپ کا پورا خاندان آپ کے ہمراہ تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ جب انسان سفر میں ہوتا ہے اور اُس کے بچے بھی اُس کے ساتھ ہوتے ہیں اُس وقت اُس انسان میں ایک احساس ذمے داری بیدار ہوتا ہے اور وہ اُن بچوں کے لئے مسلسل فکرمند رہتا ہے کہ میرے بعد اُن پر کیا گزرے گی؟

علی اکبرؑ کی معرفت

لکھا ہے کہ سفر کے دوران فرس زین پر امام حسینؑ کی آنکھ لگ گئی۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آپ نے سر اٹھا کر کلمۂ استرجاع اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. پڑھا تو سب نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ امام نے یہ جملہ کیوں ارشاد فرمایا ہے؟ کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ امام حسینؑ اپنے فرزند علی اکبرؑ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اکثر اس محبت کا اظہار بھی فرماتے تھے کیونکہ وہ ان کے نانا حضرت رسول خداؐ کی شبیہ تھے۔ (اب آپ غور کریں کہ جب ایسا محبوب فرزند خطرات میں گھرا ہوا ہو تو باپ کے دل پر کیا گزرتی ہے) یعنی حضرت علی اکبرؑ سامنے آکر پوچھتے ہیں کہ یَا اَبَتَاهُ! لِمَ اسْتَرْجَعْتَ ؟ بابا جان! آپ نے کلمہ استرجاع کیوں پڑھا؟ امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ہاتف غیبی کی آواز سنی ہے جو کہہ رہا تھا اَلْقَوْمُ یَسِیْرُوْنَ وَالْمَوْتُ تَسِیْرُ بِهِمْ.[1] یہ قافلہ جو سفر کر رہا ہے موت اسے آگے بڑھائے لئے جا رہی ہے۔ میں اس آواز کو سن کر سمجھ گیا کہ ہمارا انجام موت ہے۔ ہم اپنی موت کے یقینی انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہاں بالکل وہی بات ہے جو حضرت اسماعیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہی تھی۔[2]

حضرت علی اکبرؑ نے بھی امام حسینؑ سے یہی پوچھا کہ اَوَ لَسْنَا عَلَى الْحَقِّ ؟ بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا بیٹا تم نے یہ کیوں پوچھا؟

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۲۶ پر یہ عبارت اس طرح ہے کہ اَلْقَوْمُ یَسِیْرُوْنَ وَالْمَنَايَا تَسِیْرُ بِهِمْ. (مطلب وہی ہے)۔

۲۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ سے کہا تھا کہ بیٹا میں ایک خواب مسلسل دیکھ رہا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ وحی الٰہی ہے۔ اللہ کی طرف سے مجھے حکم ملا ہے کہ

بات تو صرف اتنی سی ہے کہ ہمیں ہمارا مقصد جس طرف لے جا رہا ہے ہم جا رہے ہیں۔ ہم موت کی طرف جا رہے ہیں یا زندگی کی طرف اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ علی اکبرؑ نے عرض کی وہ ٹھیک ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ کیا ہم راہ حق پر گامزن ہیں یا نہیں؟ امام حسینؑ یہ بات سن کر وجد میں آ گئے۔ خوشی و مسرت سے آپ کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس امر کا اندازہ آپ کی اُس دعا سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے فرمائی۔ آپ نے فرمایا: بیٹا! میں اس وقت

تمہیں ذبح کردوں (حضرت ابراہیمؑ اگرچہ اُس فلسفۂ قربانی سے واقف نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں یقین ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ یہ خدا کی مشیت ہے) تو اس وقت بیٹا کیا کہتا ہے۔ کیا بیٹے نے یہ کہا کہ بابا یہ محض خواب ہے۔ اگر کوئی مرنے کا خواب دیکھے تو اُس کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ انشاء اللہ میری عمر بھی دراز ہوگی۔ نہیں بلکہ بیٹا کہتا ہے یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○ بابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے اُسے بجا لائیں آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ (سورۂ صافات: آیت ۱۰۲) یعنی بابا یہ بات چونکہ اللہ کی وحی ہے اس لئے اُس سے کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہی کرنا ہے جو اُس کا حکم ہے۔ پھر جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کا سر کاٹنا چاہا تو آپ پر وحی نازل ہوئی کہ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ○ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ... ''جب دونوں تسلیم کی منزل پر آئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے کہا: اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔'' یعنی ابراہیمؑ ہم نہیں چاہتے تھے کہ تم اپنے بیٹے کا سر کاٹ ڈالو۔ ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کیونکہ اس کام کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اصل مقصد یہ دیکھنا تھا کہ تم باپ اور بیٹے خدا کے سامنے کتنے اطاعت گزار ہو؟ تم دونوں خدا کا حکم بجا لانے کے لئے کتنے آمادہ ہو؟ اس اطاعت کا ثبوت تم دونوں نے دیدیا ہے۔ باپ نے قربانی دینے کی حد تک اور بیٹے نے قربان ہونے کی حد تک اور ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے اپنے بیٹے کا سر تن سے جدا نہ کرو۔

اس قابل نہیں ہوں کہ تجھ جیسے لائق فرزند کے شایان شان کوئی انعام دے سکوں لیکن میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تجھ کو میری جگہ وہ جزا عطا فرمائے جو تیرے لائق ہو۔ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنِّیْ خَیْرَ الْجَزَاءِ.[1]

شہادت علی اکبرؑ

ارباب عزا!

اُس منظر کا تصور کیجئے جب عاشور کے دن ظہر کے بعد علی اکبرؑ داد شجاعت دینے اور دشمنوں کے وار سہنے کے بعد میدان سے پلٹے تو اُن کی زبان اتنی خشک ہو چکی تھی کہ اب جنگ کا یارا نہیں تھا۔ جب حسینؑ کا یہ شیر بیٹا باپ کی خدمت میں آیا تو کہنے لگا یَا اَبَتَاهُ اَلْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِیْ وَثِقْلُ الْحَدِیْدِ اَجْهَدَنِیْ فَهَلْ اِلٰی شَرْبَةٍ مِّنَ الْمَآءِ سَبِیْلٌ.[2] بابا جان! پیاس مجھے مارے ڈال رہی ہے اور زرہ کی گرانی بے چین کر رہی ہے۔ کیا پینے کو کچھ پانی مل سکتا ہے؟ (گویا کہہ رہے ہوں کہ بابا اگر تھوڑا سا پانی مل جاتا تو آپ دیکھ لیتے کہ میں کس طرح ان نابکاروں کو دور دھکیل دیتا ہوں)۔

ایسے محبوب بیٹے کو حسینؑ نے جو جواب دیا وہ یہ ہے کہ میرے لال مجھے یقین ہے کہ تم جتنی جلدی درجۂ شہادت پر فائز ہو گے اتنی ہی جلدی ساقی کوثر تمہیں اپنے ہاتھوں سے سیراب کریں گے۔

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۲۶ کی پر عبارت یوں ہے۔ جَزَاکَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ خَیْرَ مَا جَزٰی وَلَدًا عَنْ وَّالِدِہٖ.

۲۔ لہوف ص ۱۱۳۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۶۱۔

مجلس ۳۳

ہاشمی جوانوں کا الوداع ہونا

ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ روز عاشور اصحاب حسینؑ کا ولولہ دیدنی تھا۔ جب تک امام حسینؑ کے اعوان و انصار زندہ رہے یا اُن میں کا ایک فرد بھی موجود تھا انہوں نے نہ صرف یہ کہ موقع ہی نہیں دیا بلکہ اس بات کو قبول ہی نہیں کیا کہ آل رسولؐ میں سے کسی کو چاہے وہ امام حسینؑ کے بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا ابن عم ہوں میدان جنگ میں جانے دیں۔ وہ اصحاب کہتے تھے کہ مولا پہلے ہمیں اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنا فرض ادا کریں۔ جب ہم قتل ہو جائیں تب آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔

اہلبیت رسولؐ انتظار میں تھے کہ اُن کی باری آئے۔ جیسے ہی امام حسینؑ کے اصحاب کا آخری فرد شہید ہوا اہلبیتؑ کے ہاشمی جوانوں میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا۔ سب اپنی اپنی جگہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ لکھا ہے کہ فَجَعَلَ يُوَدِّعُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا[1] انہوں نے ایک دوسرے کو الوداع کرنا شروع کردیا۔ وہ ایک دوسرے کے گلے ملے اور ایک دوسرے کو بوسہ دے کر خدا حافظ کہنے لگے۔

علی اکبرؑ ہم شکل پیمبرؐ

اہلبیت رسولؐ میں سب سے پہلے امام حسینؑ کے کڑیل جوان بیٹے حضرت

۱۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۵۵ ۔ نفس المہموم ص ۳۱۲ ۔ بحار الانوار ج ۴۵ ص ۳۲۔

علی اکبرؑ کو میدان میں جانے کی اجازت ملی۔ یہ وہ جوان ہے جس کے متعلق خود امام حسینؑ نے گواہی دی تھی کہ وہ صورت و سیرت اور گفتار و رفتار میں رسول خداؐ کی تصویر تھے یعنی سب سے زیادہ رسول خداؐ سے مشابہ تھے۔ جب علی اکبرؑ بات کرتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے جناب رسول خداؐ بول رہے ہوں۔ وہ شکل و شباہت اور چال ڈھال میں اس قدر رسول خداؐ سے مشابہ تھے کہ امام حسینؑ نے خود فرمایا: ''اے خدا تو جانتا ہے کہ میں جب اپنے جد بزرگوارؐ کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس جوان کو دیکھ لیا کرتا تھا۔''

علی اکبرؑ کا میدان کی طرف جانا

علی اکبرؑ اپنے پدر گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ باباجان! مجھے اذن جہاد دیجئے۔ متعدد اصحاب خصوصاً جوانوں کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب وہ اجازت لینے کے لئے امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ کسی نہ کسی طرح عذر یا تاخیر فرما دیا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے حضرت قاسمؑ کے سلسلے میں بارہا سنا ہوگا لیکن جس وقت علی اکبرؑ آتے ہیں اور اجازت طلب کرتے ہیں تو آپ نے صرف اپنا سر جھکا دیا اور جوان بیٹا میدان کی طرف روانہ ہوگیا۔

لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے اپنی نیم باز آنکھوں سے جو کہ عموماً غنودگی کے وقت ہوا کرتی ہیں اس جوان پر ایک نظر ڈالی۔ پھر آپ نے حسرت و یاس سے اُسے دیکھا ثُمَّ نَظَرَ اِلَیْهِ نَظَرَ ایِسٍ.[1]

پھر جب علی اکبرؑ نے اپنے رہوار کو میدان کی طرف بڑھایا تو امام حسینؑ چند قدم اُن کے پیچھے پیچھے چلے اور فرمایا: ''اے خدا تو گواہ رہنا کہ ان

۱۔ لہوف ص۱۱۳۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص۴۶۰۔

ظالموں کی طرف وہ جوان جا رہا ہے جو تمام لوگوں میں تیرے رسولؐ سے زیادہ مشابہ ہے۔"

امام حسینؑ کی بد دعا

پھر آپ نے عمر سعد کے لئے بھی ایک جملہ فرمایا وہ بھی اتنی بلند آواز میں کہ اُس نے بھی وہ آواز سن لی۔ یَا ابْنَ سَعْدٍ قَطَعَ اللّٰہُ رَحِمَکَ.[۱] اے ابن سعد اللہ تیری نسل کو قطع کرے کیونکہ تو اس فرزند سے میری نسل کو قطع کر رہا ہے۔

امام حسینؑ کی اس بد دعا کو ابھی دو تین سال ہی گزرے تھے کہ مختار نے عمر بن سعد کو قتل کر دیا۔ جب عمر سعد کا بیٹا اپنے باپ کی جاں بخشی کی سفارش کے لئے مختار کے پاس پہنچا تو دربار میں عمر سعد کا سر کپڑے سے ڈھانک کر مختار کے سامنے لایا گیا۔ باپ کی جاں بخشی کے لئے آنے والے بیٹے سے کہا گیا کہ کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟ اُس نے آگے بڑھ کر جب کپڑا ہٹایا تو دیکھا کہ طشت میں اُس کے باپ کا سر ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بھاگنے لگا تو مختار نے کہا کہ اسے بھی اس کے باپ کے پاس پہنچا دو۔[۲]

علی اکبرؑ کی پیاس

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ علی اکبرؑ بڑی بہادری سے جنگ کرنے کے بعد اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں واپس آئے۔ اب یہ ایک تاریخی معمہ ہے کہ آپ کا مقصد کیا تھا اور آپ واپس کیوں آئے تھے؟

۱۔ لہوف ص ۱۱۳۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۶۰۔

۲۔ دمع السجوم ص ۳۶۵۔

بہرحال انہوں نے واپس آکر کہا بابا جان! پیاس مجھے مارے ڈالتی ہے۔ اگر تھوڑا سا پانی مل جائے تو جان میں جان آجائے گی اور میں پھر جا کر لڑ سکوں گا۔ بیٹے کی اس بات نے باپ کو تڑپا دیا۔ امام فرماتے ہیں بیٹا دیکھ لو میرا منہ تمہارے منہ سے بھی زیادہ خشک ہے البتہ میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد تمہارے نانا رسول خداؐ تمہیں (جام کوثر سے) سیراب کریں گے۔ یہ سن کر علی اکبرؑ دوبارہ میدان کی طرف گئے اور جہاد کرنے لگے۔

حمید بن مسلم جسے اصطلاح میں راوی کہا جاتا ہے کربلا میں ایک خبر نگار کے طور پر موجود تھا۔ وہ جنگ میں شریک نہیں تھا لیکن اُس نے متعدد واقعات تحریر کئے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میرے قریب ہی ایک شخص کھڑا تھا۔ جس وقت علی اکبرؑ حملہ کرتے تھے لوگ اُن کے سامنے سے بھاگ جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ شخص ناراض ہو جاتا تھا کیونکہ وہ ایک بہادر آدمی تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ بخدا اگر یہ جوان میرے پاس سے گزرا تو میں اُس کے باپ کے دل پر اس کا داغ ضرور لگاؤں گا۔ حمید نے اُس سے کہا کہ تجھے اس جوان سے کیا مطلب؟ آخر کار یہ لوگ اُسے مار ہی ڈالیں گے۔ اُس نے کہا نہیں۔ جیسے ہی علی اکبرؑ حملہ کرنے کے لئے اُس کے نزدیک سے گزرے تو اُس نے اچانک اُن کو اتنی زور کا نیزہ مارا کہ علی اکبرؑ سنبھل نہ سکے اور انہوں نے گھوڑے کی گردن میں اپنی بانہیں ڈال دیں اور فریاد بلند کی یَا اَبَتَاهُ هٰذَا جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔[1] بابا جان! نانا رسول اللہؐ مجھے لینے آئے ہیں۔

ارباب مقاتل نے یہاں ایک عجیب جملہ لکھا ہے:

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۴۴۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۶۲۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۵۹۔

فَاحْتَمَلَهُ الْفَرَسُ اِلٰی عَسْکَرِ الْاَعْدَاءِ فَقَطَّعُوْهُ بِسُيُوْفِهِمْ اِرْبًا اِرْبًا[1] یعنی گھوڑا اُن کو لشکر اعداء میں لے گیا اور انہوں نے اپنی تلواروں سے اس پیکر نازنین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ.

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۴۴۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۶۲۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۵۹۔

مجلس ۳۴

کامل انسانوں کے جذبات

حضرت رسول خداؐ بھی انسان کامل ہیں، امام علیؑ بھی انسان کامل ہیں۔ امام حسینؑ بھی انسان کامل ہیں اور جناب زہراؑ بھی انسان کامل ہیں یعنی ان سب میں ''بشر'' کی خصوصیات موجود ہیں۔ وہ بھی اُس نقطۂ کمال کے ساتھ جو ''ملک'' سے بھی بڑھ کر ہے۔ دوسرے لفظوں میں انہیں بھی ہر بشر کی طرح بھوک لگتی ہے اور وہ کھانا کھاتے ہیں۔ انہیں بھی پیاس لگتی ہے اور وہ پانی پیتے ہیں۔ انہیں بھی نیند آتی ہے اور وہ آرام کرتے ہیں۔ وہ بھی اپنے بچوں سے پیار دُلار کرتے ہیں۔ اُن میں بھی جنسی جبلت پائی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ مقتدا بن سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ پیشوا نہ بنائے گئے ہوتے۔

خاکم بدہن اگر امام حسینؑ میں انسانی جذبات و احساسات نہ ہوتے یعنی ایک بیٹے پر پڑنے والے مصائب کی وجہ سے اُس کے باپ کے دل پر جو گزرتی ہے یا امام حسینؑ اپنے بیٹے پر پڑنے والے مصائب کا کرب محسوس نہ فرماتے اور آپ کی نظروں کے سامنے آپ کے بیٹے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا اور آپ کے دل پر اُس کا کوئی اثر نہ ہوتا تو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی پتھر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ یہ سنگ دلی تو کوئی کمال نہیں۔ اگر میں بھی اس طرح کا کوئی بشر ہوتا تو میں بھی یہ کام کر سکتا تھا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام میں پایا جانے والا بشری اور جذباتی پہلو

ہماری نسبت بہت مضبوط ہوتا ہے اور امام کمال انسانی کے لحاظ سے فرشتوں سے بھی بلند تر ہوتا ہے۔ حسینؑ اسی بنا پر امام بنائے گئے تھے کہ اُن میں تمام انسانی خصوصیات (بدرجۂ اتم) پائی جاتی تھیں۔ جب آپ کا کڑیل جوان بیٹا جنگ کی اجازت لینے کے لئے آیا تو آپ کے دل پر بھی سخت چوٹ لگی کیونکہ ہماری اور آپ کی نسبت امام کو اپنے بیٹے سے کہیں زیادہ محبت ہوتی ہے اور جذبات کمالات بشر کا پر تو ہوتے ہیں. یہ الگ بات ہے کہ جب بات رضائے حق کی ہو تو امام ان جذبات واحساسات کو کچل ڈالتے ہیں۔

علی اکبرؑ کی کشش

فَاسْتَاْذَنَ اَبَاهُ فَاَذِنَ لَهُ. علی اکبرؑ امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے بابا جان! مجھے اجازت دیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا جاؤ بیٹا جاؤ۔ یہاں مؤرخین نے چند نہایت عمدہ نکات پیش کیے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے فَنظَرَ اِلَيْهِ نَظَرَ اٰيِسٍ مِنْهُ وَاَرْخٰى عَيْنَيْهِ.[1] انہوں نے ایک نظر بھر کر بیٹے کو حسرت و یاس سے دیکھا۔ ایسے شخص کی نظر سے جو دوسرے کی زندگی سے نا اُمید ہو چکا ہو۔

نفسیاتی اور باطنی لحاظ سے انسان پر مرتب ہونے والے اثرات ایک مسلمہ حقیقت ہیں چنانچہ جب کسی انسان کو کوئی خوشخبری ملتی ہے تو بے اختیار اُس کا چہرہ دمکنے لگتا ہے اور اُس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں لیکن اگر کوئی انسان اپنے کسی عزیز کے سرہانے بیٹھا ہوا ہو اور اُسے یقین ہو کہ اُس کا عزیز عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والا ہے تو جب بھی اُس کی نظر مرنے والے

۱۔ لہوف ص ۱۱۳۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۲۶۰۔

پر پڑتی ہے تو اُس کی آنکھیں ادھ کھلی ہوتی ہیں یعنی اُس کی آنکھیں اس طرح بند ہو جاتی ہیں جس طرح نیند کے عالم میں ہوتی ہیں کیونکہ اُس کا دل نہیں چاہتا کہ وہ اپنے عزیز کو مرتے ہوئے دیکھے لیکن اس کے برعکس مثال کے طور پر اگر اُس کے بیٹے نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہو یا اُس کے بیٹے کی شادی کا موقع ہو تو وہ اُسے مکمل کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ نے علی اکبرؑ پر نظر ڈالی فَنظَرَ اِلَیْهِ نَظَرَ اٰیِسٍ مِنْهُ تو آپ کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ پھر جب علی اکبرؑ چلے تو یہ جوان بیٹے کی کشش تھی کہ امام حسینؑ اپنے لخت جگر کے پیچھے پیچھے چلے۔ (گویا زبان حال سے کہہ رہے ہوں کہ بیٹا تم نہیں جا رہے بلکہ باپ کی جان جا رہی ہے)۔

در رفتن جان از بدن　　گویند ہر نوعی از سخن
من خود بہ چشم خویشتن　　دیدم کہ جانم می رود

بدن سے جان نکلنے کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں مگر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ میری جان جا رہی ہے۔

ادھر علی اکبرؑ آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اُدھر امام حسینؑ بھی بیٹے کے پیچھے چلتے ہوئے کافی آگے آ گئے اور ایک دفعہ زور سے پکارے:

اے عمر سعد! خدا اُسی طرح تیری نسل کو غارت کرے جس طرح تو نے میری نسل کو قطع کر دیا ہے۔ قَطَعَ اللّٰهُ رَحِمَکَ کَمَا قَطَعْتَ رَحِمِی۔[1]

۱۔ لہوف ص ۱۱۳۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۲۶۰۔

مجلس ۳۵

ایثار کے پیکر قمر بنی ہاشمؑ

ایثار کے لئے قمر بنی ہاشم حضرت عباسؑ سے بہتر نہ کوئی مثال ہے اور نہ کوئی نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ میں زمانہ صدر اسلام کی ایک مثال آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جب ایک نہیں بہت سارے ہیروز تھے۔ ایک شخص بیان کرتا ہے کہ ایک غزوہ میں جب میرا گزر زخمیوں کے قریب سے ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک زخمی زمین پر پڑا آخری سانسیں لے رہا ہے۔ میں جانتا تھا کہ جب زخمی کے جسم سے زیادہ خون بہہ جاتا ہے تو وہ بہت زیادہ پیاسا ہو جاتا ہے چنانچہ جب اُس زخمی نے مجھے دیکھ کر کچھ کہا تو میں فوراً سمجھ گیا کہ وہ پانی مانگ رہا ہے۔ میں گیا اور ایک پیالے میں پانی بھر لایا تاکہ اُسے پلاؤں۔ اُس نے اشارے سے کہا کہ میرا وہ بھائی میری ہی طرح پیاسا ہے پہلے اُسے پانی دو۔ میں اُس کے پاس گیا تو اُس نے بھی ایک اور شخص کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے اُسے پانی پلاؤ چنانچہ میں اُس کے پاس پہنچ گیا (بعض نے لکھا ہے کہ وہ زخمی تین افراد تھے جبکہ بعض نے اُن کی تعداد دس لکھی ہے) بہرحال جب میں آخری زخمی تک پہنچا تو وہ شہید ہو چکا تھا۔ میں اُس سے پہلے والے کی طرف پلٹا تو دیکھا کہ وہ بھی جاں بحق ہو چکا ہے۔ اسی طرح جب میں پہلے والے کی طرف واپس پہنچا تو دیکھا کہ اُس کی روح بھی پرواز کر گئی ہے۔ اسی طرح میں

اُن میں سے کسی کو بھی پانی نہ پلا سکا کیونکہ میں جس کے پاس بھی گیا اُس نے یہی کہا کہ دوسرے کو پہلے پانی پلاؤ۔ اسے کہتے ہیں ایثار جو انسان کی ''روحانی محبت'' کا بہترین اور پُرشکوہ مظہر ہے۔

آپ نے کبھی سوچا ہے کہ سورۂ ھَلۡ اَتٰی کیوں نازل ہوئی تھی جس میں کہا گیا ہے وَیُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّیَتِیۡمًا وَّاَسِیۡرًا ○ اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّلَا شُکُوۡرًا ○ (یہ سورہ درحقیقت ایثار کی اہمیت بتانے کے لئے نازل ہوا تھا)۔

انسانی اور اسلامی جذبۂ ایثار کو نکھار کر پیش کرنا سانحۂ کربلا کا فریضہ رہا ہے اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس جذبے کو مجسم بنانے کی ذمے داری حضرت عباسؑ کو سونپی گئی تھی۔

عزیزو!

عباسؑ زبردست حملہ کر کے فرات سے چار ہزار پہرے داروں کو بھگا چکے ہیں۔ اب فرات پر عباسؑ کا قبضہ ہے۔ عباسؑ اپنے گھوڑے کو اس حد تک دریا میں لے گئے ہیں کہ پانی گھوڑے کے پیٹ سے آلگا ہے اور آپ گھوڑے سے اُترے بغیر مشک کو بھر لیتے ہیں۔ مشک کو بھر لینے کے بعد آپ نے چلو میں پانی لیا اور منہ کے قریب لائے ... اُدھر دشمن دور سے دیکھ رہا ہے۔ دشمن نے صرف یہی کہا ہے کہ ہم نے دیکھا انہوں نے چلو میں پانی لیا اور پھر پھینک دیا لیکن کوئی یہ نہ سمجھ سکا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تاریخ کہتی ہے کہ فَذَکَرَ عَطَشَ الۡحُسَیۡنِ[1] انہیں یاد آگیا کہ حسینؑ پیاسے ہیں۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۴۱۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۷۲۔ منتہی الآمال ج ۱، ص ۶۸۸ پر ذَکَرَ عَطَشَ الۡحُسَیۡنِ وَاَھۡلِ بَیۡتِہٖ کی عبارت درج ہے۔

(دل میں کہا عباسؑ) مناسب نہیں ہے کہ حسینؑ خیمے میں پیاسے ہوں اور تم پانی پی لو۔ (لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ) تاریخ نے کہاں سے یہ بات کہی ؟ یہ بات حضرت ابو الفضل العباسؑ کے اشعار سے پتا چلی تھی۔ جس وقت آپ فرات سے باہر آئے تو آپ نے ایک رجز پڑھا[۱] جس سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ آپ نے پانی کیوں نہیں پیا تھا۔

يَا نَفْسُ مِنْ بَعْدِ الْحُسَيْنِ هُوْنِيْ

فَبَعْدَهُ لَا كُنْتِ اَنْ تَكُوْنِيْ

عباسؑ اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے عباسؑ کے نفس ! حسینؑ کے بعد جینے میں کیا رکھا ہے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ پانی پیو اور زندہ رہو؟ تم چاہتے ہو کہ مولا حسینؑ خیمے میں پیاسے ہوں اور تم ٹھنڈا پانی پیو؟ خدا کی قسم ! غلام کا یہ طریقہ نہیں۔ بھائی ہونے کا یہ دستور نہیں۔ امام کے پیروکار کی یہ رسم نہیں۔ وفا کا یہ انداز نہیں۔ واقعاً عباسؑ وفا کے پیکر تھے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

۱۔ ینابیع المودۃ ج ۲، ص ۴۰۸۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۴۱۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۶۸۔

مجلس ۳۶

عباسؑ کی وفاداری

جس وقت شمر بن ذی الجوشن کوفہ سے کربلا روانہ ہونے لگا تو ابن زیاد کے دربار میں موجود ایک شخص نے ابن زیاد سے کہا کہ میرے بعض ننھیال والے حسینؑ بن علیؑ کے ہمراہ ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تو اُن کے لئے ایک معافی نامہ لکھ دے چنانچہ ابن زیاد نے اُن کے لئے امان نامہ لکھ دیا۔

شمر کے قبیلے کی جناب اُم البنین کے قبیلے سے دور کی رشتے داری تھی۔
وہ نومحرم کو عصر کے وقت یہ امان نامہ لے کر کربلا پہنچا۔

یہ پلید شخص امام حسینؑ کے خیمے کے قریب پہنچا تو اُس نے چلا کر کہا اَیْنَ بَنُوْ اُخْتِنَا ؟[1] میری بہن کے بیٹے کہاں ہیں ؟ حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے دیگر بھائی بھی وہاں موجود تھے مگر کسی نے اُسے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ امام حسینؑ نے فرمایا اَجِیْبُوْهُ وَاِنْ کَانَ فَاسِقًا.[2] اگرچہ وہ فاسق ہی سہی مگر اُسے جواب دو۔

امام حسینؑ نے جب اجازت دی تو سب نے جواب میں کہا مَا تَقُوْلُ ؟ تو کیا کہنا چاہتا ہے ؟ اُس نے کہا کہ میں تمہارے لئے خوشخبری لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے امیر عبید اللہ ابن زیاد سے امان نامہ لایا ہوں۔ تم آزاد

۱و۲۔ لہوف ص ۸۸ ۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۹۱ ۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۸۹۔

ہو۔ اگر ابھی چلے جاؤ گے تو تمہاری جان بچ جائے گی۔

سب نے مل کر کہا خدا تجھ پر اور تیرے امیر ابن زیاد پر اور اس امان نامے پر جو تو لایا ہے لعنت کرے۔ کیا ہم اپنے امام اور بھائی کو صرف اس لئے چھوڑ دیں کہ ہم بچ جائیں؟

حضرت عباسؑ کی شجاعت

شب عاشور جس نے سب سے پہلے امام حسینؑ کی حمایت کا اعلان کیا وہ آپ کے ستودہ صفات بھائی حضرت عباسؑ تھے۔ اگر ان مبالغہ آرائیوں کو نظر انداز کر دیجئے جو آپ کے حوالے سے کی گئی ہیں تب بھی یہ بات تاریخ میں ایک حقیقت ہے کہ حضرت عباسؑ بڑے نیک سیرت، بے حد شجاع، بلند قامت اور نہایت خوبصورت جوان تھے۔ وَكَانَ يُدْعٰى قَمَرُ بَنِىْ هَاشِمٍ۔[1] یعنی آپ کو قمر بنی ہاشم کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور یہ حقیقت ہے کیونکہ اس میں مبالغہ آرائی کا شائبہ تک نہیں۔ بلاشبہ وہ شجاعت علیؑ کے وارث تھے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی والدہ گرامی کے بارے میں امام علیؑ نے اپنے بھائی عقیل سے فرمایا تھا کہ میرے لئے ایسی بیوی تلاش کرو جو بہادروں کی نسل سے ہو وَلَدَتْهَا الْفُحُوْلَةُ۔[2] عقیل نے ام البنین کا انتخاب فرمایا۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ویسی ہی ثابت ہوئیں جیسی آپ چاہتے تھے لِتَلِدَلِىْ فَارِسًا شُجَاعًا۔ یعنی میرا دل چاہتا ہے کہ ان سے میرا ایک نہایت

۱۔ قِيْلَ لَهُ قَمَرُ بَنِىْ هَاشِمٍ لِجَمَالِهِ وَحُسْنِ طَلْعَتِهِ الشَّرِيْفَةِ۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۸۷ العباس از مقرم ص ۸۱۔ دمع السجوم ص ۱۷۶۔

۲۔ ابصار العین ص ۱۲۶۔ دمع السجوم ص ۱۷۶۔

بہادر بیٹا پیدا ہو۔[1] یہاں تک جو کچھ کہا گیا سب حقیقت ہے اور امام علیؑ کی آرزو حضرت عباسؑ کی صورت میں پوری ہوگئی۔

قمر بنی ہاشمؑ اور مؤاسات

ایک دو روایات کے مطابق روز عاشور حضرت عباسؑ امام حسینؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں کہ بھائی جان مجھے بھی اِذن جہاد عطا کیجئے۔ میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ اب مجھ سے زیادہ برداشت نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں جلد از جلد آپ پر قربان ہو جاؤں۔ مجھے نہیں معلوم کہ امام نے کس مصلحت کی بنا پر یہ کہا کہ بھائی جانا چاہتے ہو تو جاؤ لیکن اگر ہو سکے تو بچوں کے لئے پانی کی کچھ سبیل کرو۔ اس مصلحت کو خود امام ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضرت عباسؑ کو ''سقائے حرم'' کا لقب پہلے ہی مل چکا تھا کیونکہ گزشتہ راتوں میں آپ ایک دو مرتبہ دشمن کی صفیں چیر کر بچوں کے لئے پانی لائے تھے (اسی لئے آپ کو غازی بھی کہا جاتا ہے)۔

ساتویں محرم سے اس نبی کی آل پر جس کا وہ کلمہ پڑھتے تھے پانی بند کر دیا گیا تھا۔ بہرحال امام حسینؑ کے جواب میں حضرت عباسؑ نے فرمایا: مولا! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔

اب ذرا دیکھئے کتنا پُرشکوہ منظر ہے۔ کیا شجاعت ہے؟ کیا دلاوری ہے؟ کیا انسانیت ہے؟ کیا شرف ہے؟ معرفت و فداکاری کا کیا عالم ہے؟

شیر خدا کے شیر نے تن تنہا ایک بڑے لشکر پر یلغار کی اور چار ہزار پہرے داروں کو دریا سے بھگا دیا۔ (اُن سب کو بھگانے کے بعد) ترائی میں

۱۔ ابصار العین ص ۲۶ پر درج ہے کہ فتلد لی غلاما فارسا۔

اُترے (یہ بھی کتب میں لکھا ہے کہ) پہلے آپ نے مشک کو بھرا اور کاندھے پر لٹکایا۔ بدستور گھوڑے پر سوار ہیں۔ پانی گھوڑے کے پیٹ سے لگا ہوا ہے۔ پیاسے ہیں۔ شدید گرمی ہے۔ جنگ کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ ایک دفعہ چلو میں پانی بھر کر اپنے ہونٹوں تک لے جاتے ہیں۔ دشمن نے دور سے دیکھا کہ تھوڑی دیر رکے پھر چلو کا پانی فرات میں پھینک دیا اور پیاسے نہر سے نکل آئے۔ کوئی نہیں سمجھ سکا کہ آپ نے پانی کیوں نہیں پیا لیکن جب دریا سے باہر آئے اور یہ رجز پڑھا تب لوگوں کو سمجھ میں آیا کہ آپ نے پانی کیوں نہیں پیا تھا۔

يَا نَفْسُ مِنْ بَعْدِ الْحُسَيْنِ هُوْنِيْ   فَبَعْدَهُ لَا كُنْتِ اَنْ تَكُوْنِيْ
هٰذَا الْحُسَيْنُ شَارِبُ الْمَنُوْنِ   وَتَشْرِبِيْنَ بَارِدَ الْمَعِيْنِ
وَاللّٰهِ مَا هٰذَا فِعَالَ دِيْنِيْ   وَلَا فِعَالَ صَادِقِ الْيَقِيْنِ

اے عباسؑ کے نفس! میں چاہتا ہوں کہ تو حسینؑ کے بعد زندہ نہ رہے۔ حسینؑ پیاسے موت کا جام پینے کی تیاری کر رہے ہیں اور تو ٹھنڈا پانی پینا چاہتا ہے؟ یہ کیسی مردانگی ہے؟ یہ کیسی محبت اور ہمدردی ہے؟ کیا حسینؑ تیرے امام نہیں ہیں؟ کیا تو حسینؑ کا پیرو نہیں ہے؟ کیا تو اُن کا تابعدار نہیں ہے؟ خدا کی قسم! میرا دین مجھے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا نہ ہی میری وفا یہ گوارا کرتی ہے کہ حسینؑ پیاسے ہوں اور میں پانی پی لوں۔[1]

حرم امام کے پاسبان عباسؑ

دریا سے پلٹے تو عباسؑ نے راستا بدل دیا۔ پہلے آپ سیدھی راہ سے

۱۔ ینابیع المودة ج ۲، ص ۳۰۸۔

آئے تھے لیکن اب آپ نخلستانوں سے گزر کر آرہے تھے کیونکہ ایک قیمتی امانت آپ کے ساتھ تھی اور آپ کی کوشش تھی کہ کسی طرح پانی خیموں تک پہنچ جائے اور کوئی تیر آکر مشک کو چھید نہ ڈالے اور پانی بہہ نہ جائے۔ عباسؑ احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے مگر نہ جانے کیا ہوا کہ آپ کی فریاد بلند ہوئی۔

وَاللّٰهِ اِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِي اِنِّيْ اُحَامِيْ اَبَدًا عَنْ دِيْنِي
وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقِ الْيَقِيْنِ نَجْلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْاَمِيْنِ

خدا کی قسم! اگرچہ تم نے میرا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے مگر میں ہر حال میں اپنے دین کی اور اُس سچے امام کی حمایت جاری رکھوں گا جو طاہر اور امین نبیؐ کے نواسے ہیں۔[1]

زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ آپ کا رجز بدل گیا۔

يَا نَفْسُ لَا تَخْشَىْ مِنَ الْكُفَّارِ وَ اَبْشِرِيْ بِرَحْمَةِ الْجَبَّارِ
مَعَ النَّبِيِّ السَّيِّدِ الْمُخْتَارِ قَدْ قَطَعُوْا بِبَغْيِهِمْ يَسَارِىْ

اے نفس! کافروں سے خوف نہ کھانا۔ خوش ہوجا کہ خدائے جبار کی رحمت اور نبی مختارؐ کی ہمسائیگی تیرے لئے ہے۔ کیا ہوا جو انہوں نے اپنی سرکشی کی بنا پر میرا بایاں ہاتھ بھی قلم کر دیا ہے۔[2]

اس رجز میں حضرت عباسؑ نے بتایا ہے کہ آپ کا بایاں ہاتھ بھی کٹ چکا ہے۔ لکھا ہے کہ سقاء نے مشک کو بچانے کے لئے بڑے جتن کئے۔ انہوں نے بڑی مہارت سے مشک کو گھمایا اور اُس پر جھک گئے تاکہ مشک چھد نہ جائے۔ میری زبان میں اتنی طاقت نہیں کہ میں اس دردناک منظر کو بیان کرسکوں۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۴۰۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۸۸۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۱۶۹۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۴۰۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۸۸۔

یہ بہت ہی دل ہلا دینے والا اور خون کے آنسو رلانے والا منظر ہے۔
شب تاسوعا عموماً مولا عباسؑ ہی کے مصائب بیان کئے جاتے ہیں۔

بقیع میں اُم البنین کا نوحہ

میں یہ بھی عرض کردوں کہ حضرت عباسؑ کی مادر گرامی جناب اُم البنین سانحہ کربلا کے وقت بقید حیات تھیں لیکن مدینے میں تھیں۔ جب آپ کو یہ خبر ملی کہ آپ کے چاروں جوان بیٹے کربلا میں شہید ہوگئے ہیں تو آپ جنت البقیع میں جاکر رویا کرتی تھیں۔ لکھا ہے کہ آپ کے ''بین'' اس قدر دلخراش ہوتے کہ وہاں سے جو کوئی گزرتا وہ بھی رو پڑتا تھا حتیٰ کہ مروان بن حکم جیسا سنگ دل دشمن اہلبیتؑ بھی آبدیدہ ہوجایا کرتا۔ جناب اُم البنین کبھی کبھی اپنے تمام بیٹوں کو اور کبھی سب سے بڑے بیٹے کو یاد کرکے رویا کرتی تھیں۔

حضرت عباسؑ عمر میں بھی اور روحانی و جسمانی کمالات میں بھی اپنے بھائیوں میں سب سے افضل تھے۔ اس بی بی کے دو مرثیوں میں سے جو مجھے یاد ہیں ایک مرثیہ میں آپ کو سناتا ہوں جسے یہ دکھیاری ماں (عرب عام طور پر بڑے دل سوز مرثیے پڑھتے ہیں) خود اس طرح پڑھتی تھی۔

يَا مَنْ رَأَى الْعَبَّاسَ كَرَّ عَلٰى جَمَاهِيرِ النَّقَدِ
وَ وَرَاهُ مِنْ اَبْنَاءِ حَيْدَرَ كُلُّ لَيْثٍ ذِىْ لَبَدٍ
اُنْبِئْتُ اَنَّ ابْنِىْ اُصِيْبَ بِرَاْسِهٖ مَقْطُوْعَ يَدٍ
وَيْلِىْ عَلٰى شِبْلِىْ اَمَالَ بِرَاْسِهٖ ضَرْبُ الْعَمَدِ
لَوْ كَانَ سَيْفُكَ فِىْ يَدَيْكَ لَمَادَنٰى مِنْهُ اَحَدٌ

اے چشم ناظر جو کربلا کے مناظر کو دیکھ رہی تھی اُس وقت کا حال تو بتا

جب میرے عباس دلاورؑ نے اور اُس سے پہلے میرے (تین) شیر دل بیٹوں نے کم ظرف لشکر پر حملہ کیا تھا۔ کیا لوگوں کی یہ بات سچ ہے کہ جب میرے بیٹے کے ہاتھ سلامت نہیں رہے تو ایک جفا کار نے اُس کے سر پر آہنی گرز مارا تھا۔ وَيْلِیْ عَلٰی شِبْلِیْ اَمَالَ بِرَأسِهٖ ضَرْبُ الْعَمَدِ.

واحسرتا! وا مصیبتا! میرے شیر جری عباسؑ کے سر پر گرز مارا گیا۔

پھر بی بی کہتی ہیں اے میرے لال عباسؑ! اے میرے کلیجے کے ٹکڑے! میں جانتی ہوں کہ اگر تیرے ہاتھ سلامت ہوتے تو نابکار دشمن تیرے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ ناپاک دشمن کو یہ مجال اس لئے ہوئی کہ تیرے ہاتھ تیرے جسم سے جدا ہو گئے تھے۔[1]

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۸۹۔

مجلس ۳۷

یزید پلید کے کرتوت

آج شب تاسوعا ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ راہ حق کے اُس مجاہد کا ذکر خیر کروں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دینے والے عظیم مجاہد ہیں۔ میرا اشارہ حضرت عباسؑ کی طرف ہے جن سے امام حسینؑ نے اپنی انتہائی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔

جس زمانے میں کربلا کا واقعہ ہوا اُس وقت آج کی طرح رسل و رسائل کے ذرائع نہیں تھے۔ شام میں جو واقعات رونما ہوتے اُن کی کوفہ یا مدینہ کے رہنے والوں کو بہت دیر کے بعد خبر ہوا کرتی تھی بلکہ بعض اوقات تو انہیں خبر ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس حقیقت کا بہترین ثبوت یہی واقعہ کربلا ہے۔ امام حسینؑ بیعت یزید سے انکار کر کے مدینہ سے مکہ چلے جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد متعدد واقعات رونما ہوتے ہیں یہاں تک کہ آپ شہید ہو جاتے ہیں اور جب اہل مدینہ کو اس بات کی خبر ملتی ہے تو وہ خواب سے جاگنے والوں کی طرح اپنی آنکھیں مل مل کے حیرت سے یہ پوچھتے نظر آتے ہیں کہ کیا امام حسینؑ واقعی شہید ہو گئے ہیں؟ آپ کو کیوں شہید کیا گیا؟ یہ جاننے کے لئے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ شام کے دارالخلافہ دمشق جا کر تحقیق کی جائے کہ اصل ماجرا کیا تھا؟ اس کام کے لئے سات یا آٹھ آدمی شام جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ وہاں تحقیق

کے بعد خلیفہ سے ملاقات کرتے ہیں اور تمام تر صورتحال کو دیکھنے کے بعد واپس آجاتے ہیں۔ جس وقت اہل مدینہ اُن لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ اصل ماجرا کیا تھا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ نہ پوچھو۔ ہم جتنے دن شام میں رہے ہمیں یہی خوف لگا رہا کہ ابھی آسمان سے پتھر برسیں گے اور ہم نیست و نابود ہو جائیں گے (خود امام حسینؑ نے جو یہ فرمایا تھا کہ وَعَلَی الْاِسْلَامِ السَّلَامُ اِذْ قَدْ بُلِیَتِ الْاُمَّۃُ بِرَاعٍ مِثْلَ یَزِیْدَ۔[1] وہ لوگ امام حسینؑ کے اس قول کی صداقت کا اعتراف کر رہے تھے کہ ایسے اسلام کو دور ہی سے ہمارا سلام ہے جس میں یزید پلید جیسے حاکم کے ذریعے امت کو سخت آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے)۔ جب مزید پوچھا گیا کہ ہمیں بتاؤ اصل ماجرا کیا ہے تو انہوں نے کہا بس ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہم اُس شخص کے پاس سے ہو کر آئے ہیں جو علانیہ شراب پیتا ہے، کھلے عام کتوں سے کھیلتا ہے، بندر پالتا ہے بلکہ ہر گناہ کرتا ہے (حنظلہ غسیل الملائکہ کا بیٹا عبداللہ کہا کرتا تھا کہ یزید اپنی ماں کو بھی نہیں بخشتا تھا) اپنی محرم عورتوں سے بھی زنا کرتا ہے۔[2] یعنی اُن لوگوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ امام حسینؑ کی پیش گوئی بالکل درست تھی کیونکہ امام حسینؑ پہلے دن سے ہی ان باتوں کو جانتے تھے۔

بنو امیہ کی حکومت ہل گئی

عاشور کے دن امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے لیکن میرے قتل کے بعد یہ لوگ بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔ صرف آل سفیان کی ہی نہیں بلکہ بنو امیہ کی حکومت باقی نہیں بچے گی اور ایسا

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۲۶۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۲۸۵۔

۲۔ تاریخ خلفاء، سیوطی ص ۲۰۵۔

ہی ہو کر رہا۔ آگے چل کر بنو عباس نے اسی بنیاد پر بنو امیہ سے حکومت چھین لی اور پانچ سو برس تک برسرِ اقتدار رہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ کربلا کے واقعے سے بنو امیہ کی حکومت ہمیشہ کے لئے ہل گئی تھی۔

حسینی تحریک کا دشمن کے گھر کے اندر اثر و رسوخ

سانحہ کربلا کے اس سے زیادہ مؤثر اثرات اور کیا ہو سکتے ہیں کہ خود بنو امیہ کے اندر اس سانحہ نے مخالفین پیدا کر دیئے اور تحریک کربلا کو روحانی اور معنوی تقویت بخشی۔ اسی ابن زیاد کو لے لیجیے جو اپنی سنگدلی میں مشہور تھا اس کا ایک بھائی جس کا نام عثمان بن زیاد تھا عبید اللہ ابن زیاد سے کہتا ہے:

میرا جی چاہتا ہے کہ زیاد کی تمام اولاد مفلسی، ذلت، نحوست اور بدبختی میں مبتلا ہو جاتی مگر ایسے جرم سے ہمارا خاندان بدنام نہ ہوتا۔[1]

ابن زیاد کی ماں مرجانہ ایک بدکار عورت تھی لیکن جب اُس کے بیٹے نے یہ کام کیا تو اُس نے کہا:

بیٹا! یہ تو نے کیا کیا؟ یاد رکھ تو بہشت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔[2]

ازلی و ابدی شقی مروان بن حکم کا بھائی جس کا نام یحییٰ بن حکم بتایا گیا ہے دربار یزید میں اپنی نشست سے اٹھ کر یزید پر تنقید کرتا ہے اور کہتا ہے:

واہ یزید! اولاد سمیہ (یعنی زیاد کی ماں کی اولاد) اور دختران سمیہ تو تیری نظر میں قابل احترام سمجھی جائیں لیکن تو بھرے دربار میں آل رسولؐ کے ساتھ یہ سلوک کرے اور اس طرح اُن کو کھڑا رکھے۔[3] ہاں حسینؑ کی آواز اس طرح خود اُن کے گھروں کے اندر سے بلند ہو رہی تھی۔

---

۱ دمع السجوم ص ۲۳۰۔

۲۔ ایضاً ص ۳۷۲۔

۳۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۵۴۔

عزیزان من !

آپ نے یزید کی بیوی ہندہ کا واقعہ تو سنا ہوگا کہ کس طرح وہ گھر سے نکل کر دربار میں آئی اور یزید کو اس قدر ملامت کرنے لگی کہ وہ قتل حسینؑ سے انکار کرنے اور یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ اس کام میں اُس کی رضامندی شامل نہیں تھی۔ یہ کام عبید اللہ ابن زیاد نے اپنی مرضی سے کیا ہے؟[1]

پسر یزید کا یزید سے اظہار بیزاری

امام حسینؑ کی آخری پیش گوئی یہ تھی کہ یزید بہت جلد مر جائے گا۔ چنانچہ یزید نے بعد کے دو تین سال جیسے تیسے حکومت کی اور بالآخر جہنم واصل ہوگیا۔ اُس کا بیٹا معاویہ بن یزید جو اُس کا ولی عہد تھا—اور اس تمام تر صورتحال کے لئے معاویہ بن ابی سفیان نے لاکھوں جتن کئے تھے— مرگ یزید کے چالیس دن بعد منبر پر گیا اور بولا:

ایھا الناس ! میرے دادا معاویہ نے علیؑ بن ابی طالبؑ سے جنگ کی حالانکہ وہ حق پر نہیں تھے بلکہ علیؑ حق پر تھے۔ پھر میرے باپ یزید نے حسینؑ بن علیؑ سے جنگ کی حالانکہ حق میرے باپ کے ساتھ نہیں حسینؑ کے ساتھ تھا اس لئے میں اپنے باپ سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں اور تم کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں خود کو اس خلافت کا اہل نہیں سمجھتا۔ میں اپنے باپ دادا کی طرح گناہوں میں ملوث نہ ہونے کے لئے خلافت چھوڑنے کا اعلان کرتا ہوں۔[2] یہ کہہ کر وہ منبر سے اتر آیا۔

لہٰذا اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ خون حسینؑ کی قوت اور حق کی طاقت تھی جس نے دوست اور دشمن سب پر اپنا اثر مرتب کیا تھا۔

۱۔ مقتل الحسینؑ مقرم ص ۳۵۵۔

۲۔ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ج ۱، ص ۱۶۔

مقام عباسؑ پر شہداء کا رشک کرنا

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی کہ رَحِمَ اللّٰهُ عَمِّیَ الْعَبَّاسَ لَقَدْ اٰثَرَ وَاَبْلٰی بَلَآءً حَسَنًا۔[1] ''خدا ہمارے چچا عباسؑ پر رحمت فرمائے۔ انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے مصیبتوں کو برداشت کیا۔ ہمارے چچا عباسؑ کو خدا کے نزدیک وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے جس پر تمام شہداء رشک کرتے ہیں۔''
اللہ اللہ اس قدر جوانمردی، اس قدر خلوص نیت، اس قدر فداکاری! ان سب کو ہم پیکر عمل کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہم نے کبھی حضرت عباسؑ کی روح عمل کا جائزہ ہی نہیں لیا کہ ہمیں اُس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

اُم البنین کے بیٹوں کے لئے امان نامہ

عاشور کی رات ہے۔ حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے پاس خیمے میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ اچانک دشمن کا ایک سالار آ کر پکارنے لگا۔ عباسؑ بن علیؑ اور اُن کے بھائیوں سے کہو کہ وہ میرے پاس آئیں۔ باوجودیکہ حضرت عباسؑ نے یہ آواز سن لی تھی لیکن آپ نے سنی اَن سنی کر دی اور بدستور امام کے حضور مؤدب بیٹھے رہے۔ یہ دیکھ کر امام نے فرمایا: ''اگرچہ یہ شخص فاسق ہے

۱۔ سفینۃ البحار ج ۲، ص ۱۵۵۔ العباسؑ از مقرم ص ۶۹۔ (یہ روایت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے نہ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے)۔ متن روایت یہ ہے:
عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِؑ قَالَ: رَحِمَ اللّٰهُ الْعَبَّاسَ فَلَقَدْ اٰثَرَ وَاَبْلٰی وَفَدٰی اَخَاهُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰی قُطِعَتْ یَدَاهُ، فَاَبْدَلَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهِمَا جَنَاحَیْنِ یَطِیْرُ بِهِمَا مَعَ الْمَلَآئِکَةِ فِی الْجَنَّةِ کَمَا جَعَلَ لِجَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَاَنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَنْزِلَةً یَغْبِطُهٗ بِهَا جَمِیْعُ الشُّهَدَآءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.
قَالَ الصَّادِقُ: کَانَ عَمُّنَا الْعَبَّاسُ نَافِذَ الْبَصِیْرَةِ. نفس المہموم ص ۲۰۴۔

تاہم تمہیں چاہیے کہ اسے جواب دو۔''

حضرت عباسؑ خیمے سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ شمر بن ذی الجوشن کھڑا ہوا ہے۔ وہ حضرت عباسؑ کی والدہ کا دور کا رشتے دار تھا اور اُس کا تعلق حضرت عباسؑ کی والدہ کے قبیلے سے تھا۔

کہتے ہیں کہ جب وہ کوفہ سے چلا تھا تو حضرت عباسؑ اور اُن کے مادری بھائیوں کے لئے ایک امان نامہ لیتا آیا تھا۔ گویا بخیال خویش اُس نے بڑا تیر مارا تھا۔ جس وقت اُس نے حضرت عباسؑ کو امان نامے کی خبر دی تو آپ نے اُسے جھڑک کر فرمایا:

خدا کی لعنت ہو تجھ پر اور اُس پر جس نے یہ امان نامہ تیرے ہاتھ بھیجا ہے۔ تو نے مجھے کیا سمجھا ہے؟ تو نے میرے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے؟ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں ایسا شخص ہوں جو اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے امام اور اپنے بھائی حسینؑ بن علیؑ کو تنہا چھوڑ کر تیرے ساتھ چلا جائے گا؟ ہم نے جس ماں کا دودھ پیا ہے اور جس آغوش میں پرورش پائی ہے اُس نے ہماری ایسی تربیت نہیں کی۔[1]

اُم البنین کے دلگداز مرثیے

جناب اُم البنین سے امام علیؑ کے چار فرزند تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ امام علیؑ نے خاص طور پر اپنے بھائی عقیل سے کہا تھا کہ میرے لئے ایسی بیوی کا انتخاب کرو وَلَدَتْهَا الْفُحُوْلَةُ.[2] جو بہادروں کی نسل سے ہو اور جسے شجاعت ورثے میں ملی ہو کیونکہ میں چاہتا ہوں لِتَلِدَلِیْ وَلَدًا شُجَاعًا.[3]

۱۔ لہوف ص ۸۸۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۹۱۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۸۹۔

۲۔ ابصار العین ص ۲۶۔ دمع السجوم ص ۱۷۶۔

۳۔ ابصار العین ص ۲۶ پر عبارت اس طرح ہے کہ فَتَلِدَلِیْ غُلَامًا فَارِسًا.

اس سے میرا ایک بہادر بیٹا پیدا ہو۔

اگرچہ تاریخی مضمون میں نہیں ملتا کہ امام علیؑ نے کہا ہو کہ میرا مقصد اور مطلوب یہ ہے تاہم جو لوگ علیؑ کی پیشگوئی کے معترف ہیں اور اُس پر ایمان بھی رکھتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ امام علیؑ اس کام کے انجام پر پہلے سے نظر رکھتے تھے۔ جناب عقیل نے اُم البنین کا انتخاب کرنے کے بعد حضرت امیرؑ کی خدمت میں عرض کی یہ خاتون ویسی ہی ہیں جیسی آپ چاہتے ہیں۔ ان خاتون سے چار بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑے حضرت ابوالفضل العباسؑ تھے۔ ان کے چاروں بیٹے کربلا میں امام حسینؑ کی رکاب میں شہید ہوئے۔ جس وقت بنو ہاشم کی باری آئی تو حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اے میرے بھائیو! میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھ سے پہلے میدان میں جاؤ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ بھائیوں کی شہادت کا داغ اٹھاؤں۔ وہ بولے آپ کا جو حکم ہو ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ چنانچہ تینوں بھائی گئے اور شہید ہوگئے۔[۱] اس کے بعد حضرت ابوالفضل العباسؑ نکلے۔

اُم البنین کو جب مدینہ میں خبر ملی کہ ان کے چاروں بیٹے امام حسینؑ کی رکاب میں کربلا میں شہید ہوگئے ہیں تو وہ ان کے سوگ میں بیٹھ گئیں۔ اس خبر کے بعد وہ کبھی جنت البقیع میں جاکر اور کبھی عراق جانے والے راستے پر بیٹھ کر اپنے فرزندوں کو یاد کر کے بین کیا کرتی تھیں۔ ان کے دل سوز بین سن کر دوسری عورتیں بھی ان کے گرد جمع ہوجایا کرتی تھیں۔

مروان بن حکم جو حاکم مدینہ تھا اور اہلبیتؑ کا جانی دشمن تھا وہ بھی اپنی شقاوت اور سنگدلی کے باوجود جب کبھی بقیع کے قبرستان سے گزرتا تو بی بی کا

۱۔ برادران عباسؑ کے نام عثمانؑ، جعفرؑ اور عبداللہؑ تھے۔ معالم المدرستین ج ۳، ص ۱۹۰۔

نوحہ سن کر رو دیا کرتا تھا۔ ان کا ایک نوحہ یہ تھا:

لَا تَدْعُوَنِّیْ وَیْکِ اُمَّ الْبَنِیْنَ تُذَکِّرِیْنِیْ بِلُیُوْثِ الْعَرِیْنِ
کَانَتْ بَنُوْنَ لِیْ اُدْعٰی بِھِمْ وَالْیَوْمَ اَصْبَحْتُ وَلَا مِنْ بَنِیْنِ

اے بی بیو! اب مجھے اُم البنین نہ کہا کرو۔ اُم البنین کہتے ہیں بیٹوں کی ماں کو، شیر بیٹوں کی ماں کو۔ جب تم مجھے اس نام سے پکارتی ہو تو مجھے میرے شیر بیٹے یاد آجاتے ہیں اور میرا جگر چھلنی ہو جاتا ہے۔ ہاں ہاں میں کبھی اُم البنین کہلاتی تھی لیکن اب میں بیٹوں کی ماں نہیں رہی۔[1]

حضرت عباسؑ سے مخصوص ایک نوحہ میں آپ فرماتی ہیں:

اے چشم ناظر جو کربلا کے مناظر کو دیکھ رہی تھی اُس وقت کا حال تو بتا جب میرے عباس دلاورؑ نے اور اُس سے پہلے میرے (تین) شیر دل بیٹوں نے کم ظرف دشمن پر حملہ کیا تھا۔ کیا لوگوں کی یہ بات سچ ہے کہ جب میرے بیٹے کے ہاتھ سلامت نہیں رہے تو ایک شقی نے اُس کے سر پر آہنی گرز مارا تھا۔ وَیْلِیْ عَلٰی شِبْلِیْ اَمَالَ بِرَأْسِہٖ ضَرْبُ الْعَمَدِ۔

واحسرتا! وامصیبتا! میرے شیر جری عباسؑ کے سر پر گرز مارا گیا۔

پھر بی بی کہتی ہیں اے میرے لال عباسؑ! اے میرے کلیجے کے ٹکڑے! میں جانتی ہوں کہ اگر تیرے ہاتھ سلامت ہوتے تو نابکار دشمن تیرے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ ناپاک دشمن کو یہ مجال اس لئے ہوئی کہ تیرے ہاتھ تیرے جسم سے جدا ہو گئے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۸۹۔

مجلس ۳۸

''عاشورا'' یوم شہداء

آج ہم سب یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں ؟ آج کون سی رات ہے ؟ آج کی رات شہیدوں کی رات ہے۔ ہماری آج کی دنیا میں یہ رواج عام ہے کہ لوگ ہر سال عقیدت و احترام کے اظہار کے لئے کچھ خاص دن مناتے ہیں۔ مثال کے طور پر ماؤں کا دن ، اساتذہ کا دن ، مزدوروں کا دن وغیرہ لیکن ہم نے آج تک یہ نہیں دیکھا کہ کوئی قوم شہیدوں کا دن مناتی ہو البتہ مسلمان ''یوم شہداء'' مناتے ہیں اور وہ عاشور کا دن ہے۔ اس نسبت سے آج کی رات جو کہ شب عاشور ہے دراصل شہیدوں کی رات ہے۔

شہید کی منطق

میں نے کسی تقریر میں عرض کیا تھا کہ شہید کی منطق ایک طرف ''عشق الٰہی'' کی منطق ہے تو دوسری طرف معاشرتی اصلاح کی منطق بھی ہے۔ اگر مصلح اور عارف کی شخصیتوں کو ایک شخص میں ، ایک انسان میں جمع کر دیا جائے تو ان سے وجود میں آنے والا شخص ''شہید'' کہلائے گا۔ ان میں کوئی مسلم بن عوسجہؓ ہوگا ، کوئی حبیب بن مظاہرؓ ہوگا اور کوئی زہیر بن قینؓ کیونکہ بہر حال تمام شہداء کا ایک درجہ نہیں بلکہ ان کے درجات مختلف ہیں۔

شب عاشور

امام حسینؑ نے شب گزشتہ ''شہدائے عاشوراء'' کے لئے ایک گواہی دی تھی جو ان شہداء کے مقام و مرتبے کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔ شہداء تمام صلحاء اور سعداء کے درمیان چمکتے نظر آتے ہیں اور اصحاب حسینؑ وہ ہیں جو تمام شہداء میں رخشاں اور درخشاں ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ امام حسینؑ نے کیا فرمایا تھا؟ اور آپ نے اپنے اصحاب کے بارے میں کیا گواہی دی تھی؟ جو لوگ لائق شہادت نہ تھے وہ سفر کربلا کے دوران امام کو چھوڑ کر چلے گئے اور جو اس منصب کے اہل تھے وہ آخر دم تک امام کے دامن سے وابستہ رہے لیکن امام نے آخری بار انہیں پھر آزمایا۔ اس بار ان میں سے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو مسترد ہوا ہو۔

پانی سے خالی مشکیزے

شب عاشور امام نے کیا کیا؟ فَجَمَعَ اَصْحَابَهُ عِنْدَ قُرْبِ الْمَآءِ یا فَجَمَعَ اَصْحَابَهُ عِنْدَ قُرْبِ الْمَسَآءِ[1] جنہوں نے عِنْدَ قُرْبِ الْمَآءِ والی روایت لکھی ہے ان کی مراد یہ ہے کہ خیام حسینی میں ایک خیمہ ایسا بھی تھا جس میں خالی مشکیزے پڑے ہوئے تھے۔ اُس خیمے میں پہلے دن سے ہی پانی کے مشکیزے رکھے جاتے تھے اور اسے قُرْبِ الْمَآءِ والا خیمہ کہا جاتا تھا۔ امام نے اپنے سب اصحاب و انصار کو اُس خیمے میں شب عاشور جمع کیا مگر آپ نے ایسا کیوں کیا اس بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ شاید اس لئے کہ اُس رات خیمے میں پانی سے بھرے مشکیزے موجود نہیں تھے۔

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۲۵ ۔موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۹۵۔

اگر روایت کا دوسرا جملہ فَجَمَعَ اَصْحَابَہٗ عِنْدَ قُرْبِ الْمَسَآءِ مراد ہے تو اس کا مطلب ہے کہ امام حسینؑ نے شام ڈھلے اپنے اصحاب کو خیمے میں جمع کیا تھا۔ بہر حال یہ روایت دونوں طرح سے ملتی ہے۔[۱]

شب عاشور امام حسینؑ کا خطاب

بہر حال امام حسینؑ نے اپنے اصحاب باوفا کو خیمے میں جمع کر کے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ درحقیقت یہ خطبہ اسی روز عصر تاسوعا کو پیش آنے والے واقعات کا ردعمل تھا۔

دشمن نے نو محرم کی عصر کو ایک دن کی جو مہلت دی تھی وہ کل — عاشور کا سورج طلوع پر ختم ہونے والی تھی اس لئے امام حسینؑ نے صورت حال سے آگاہ کرنے اور آخری بار آزمانے کے لئے اپنے اصحاب کو جمع کیا تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جس خیمے میں جمع کیا وہ میرے خیمے کے ساتھ تھا۔ میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ جب تمام اصحاب جمع ہوگئے تو میرے بابا نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی: اُثْنِیَ عَلَی اللّٰہِ اَحْسَنَ الثَّنَاءِ وَاَحْمَدُہٗ عَلَی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیَ اَحْمَدُکَ عَلٰی اَنْ اَکْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّۃِ وَعَلَّمْتَنَا الْقُرْآنَ وَفَقَّھْتَنَا فِی الدِّیْنِ.[۲] میں اللہ کی بہترین ثنا کرتا ہوں اور راحت اور مصیبت کی ہر گھڑی میں اُس کا سپاس گزار ہوں۔ اے اللہ! میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت سے سرفراز فرمایا، ہمیں قرآن سکھایا اور دین کا فہم عطا فرمایا۔

۱۔ استاد شہید کے چند جملے جو فلسفہ شہادت مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان میں چھپ چکے ہیں تکرار سے بچنے کے لئے یہاں نقل نہیں کیے گئے۔

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۲۵۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۹۵۔

وہ جو حق اور حقیقت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے وہ چاہے کسی بھی حالت اور کیفیت میں ہو اُس کے لئے صرف خیر ہی ہوتی ہے۔ مردِ حق ہر قسم کے حالات میں اپنی ذمے داری کو بخوبی پہچانتا ہے اور اس راہ میں جو کچھ بھی پیش آئے وہ برا نہیں ہوتا۔

فرزدقؔ کو امام حسینؑ کا جواب

جس وقت امام حسینؑ کربلا کی طرف گامزن تھے اُس وقت آپ نے مشہور شاعر فرزدقؔ کے جواب میں جو جملہ ارشاد فرمایا تھا وہ بے حد قابل توجہ ہے۔ جب فرزدقؔ نے عراق کی خراب صورتحال کے بارے میں آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اِنْ نَزَلَ الْقَضَآءُ بِمَا نُحِبُّ فَنَحْمَدُ اللّٰهَ عَلٰی نَعْمَائِهٖ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی اَدَاءِ الشُّكْرِ ، وَاِنْ حَالَ الْقَضَآءُ دُوْنَ الرَّجَآءِ فَلَمْ يَتَعَدَّ (فَلَمْ يَبْعُدْ) مَنْ كَانَ الْحَقُّ نِيَّتَهٗ وَالتَّقْوٰی سَرِيْرَتَهٗ۔[1]

یعنی اگر حالات نے ہماری خواہش کے مطابق رخ اختیار کیا تو ہم اس نعمت پر اُس کے شکر گزار ہوں گے اور اُس کا شکر ادا کرنے کے لئے اُس سے مدد چاہیں گے اور اگر حالات ہماری خواہش کے موافق نہ ہوئے تب بھی ہم گھاٹے میں نہیں رہیں گے کیونکہ ہماری نیت نیک ہے اور ہمارا ضمیر صاف ہے ہمارا مقصد سوائے حق اور حقیقت کے کچھ اور نہیں ہوتا اور اس کا انجام کار تقویٰ ہی ہے۔ پس جو کچھ بھی اس راہ میں پیش آئے وہ خیر ہے، شر نہیں۔ ہم تمام حالات میں خواہ اچھے ہوں یا برے اللہ کے شکر گزار ہیں۔

وَاَحْمَدُهٗ عَلَى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ. میں اُس کا سپاس گزار رہا اُن

۱۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۳۶۔

دنوں میں بھی جو راحت کے دن تھے اور اِن دنوں میں بھی جو مصیبت کے دن ہیں۔ یعنی امام یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں خوشی اور آرام کے دن بھی دیکھے ہیں جیسے وہ دن جب بچپن میں جناب رسول خداؐ کے زانوئے مبارک پر بیٹھا کرتا تھا۔ جب آنحضرتؐ کے دوش مبارک پر سوار ہوا کرتا تھا۔ مجھ پر وہ وقت بھی گزرا ہے جب میں دنیائے اسلام کے عزیز ترین بچوں میں شمار ہوتا تھا چنانچہ میں اللہ تعالیٰ کا اُن دنوں کے لئے شکر گزار ہوں اور آج جب میں مصائب میں گھرا ہوا ہوں تب بھی اُسی معبود کا سپاس گزار ہوں۔ مجھے جس صورتحال کا سامنا ہے اُسے میں اپنے لئے برا نہیں سمجھتا بلکہ خیر سمجھتا ہوں۔ بار الٰہا! ہم تیرے شکر گزار ہیں کہ تو نے ہمارے خاندان کو منصب نبوت کے لئے چنا اور تو نے ہمیں قرآن کے علم سے مالا مال فرمایا۔ یہ ہم ہی ہیں جو قرآن کا کما حقہٗ ادراک رکھتے ہیں۔ بار الٰہا! ہم تیرے سپاس گزار ہیں کہ تو نے ہمیں دین کی بصیرت عطا فرمائی اور ہمیں دین کا فہم عطا فرمایا یعنی اُس کی گہرائیوں تک رسائی بخشی تاکہ ہم اُس کی روح اور اُس کے باطن کو سمجھ سکیں جو اصل حقیقت ہے۔

اصحاب اور اہلبیتؑ کے بارے میں امام حسینؑ کی گواہی

آپ جانتے ہیں کہ اس کے بعد امام نے کیا کہا؟ اس کے بعد امام نے اپنے اصحاب اور اہلبیتؑ کے بارے میں تاریخی گواہی دیتے ہوئے فرمایا:

اِنِّی لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا خَیْرًا وَلَا اَوْفٰی مِنْ اَصْحَابِیْ وَلَا اَهْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَلَا اَوْصَلَ وَلَا اَفْضَلَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ.[1] بلاشبہ میرے اصحاب سے بہتر اور وفادار اصحاب کا مجھے علم نہیں۔

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۳۱۔ لہوف ص ۹۰۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۹۵۔

اس جملے میں امام حسینؑ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اے میرے اصحاب ! تم میرے نانا رسول خداؐ کے اصحاب سے جو اُن کی رکاب میں شہید ہوئے افضل ہو۔ تم میرے بابا علی مرتضیٰؑ کے اصحاب سے بھی افضل ہو چاہے وہ جمل وصفین میں شہید ہوئے ہوں یا نہروان میں کیونکہ جن خاص حالات کا تمہیں سامنا ہے وہ اُن کو پیش آنے والے حالات سے یکسر مختلف ہیں۔

پھر امام نے اپنے اہلبیت کے بارے میں گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنے اہلبیت سے بہتر، نیک اور صلہ رحمی کرنے والے اہلبیت بھی نہیں دیکھے۔ میرے اہلبیت کو جو مقام اور مرتبہ حاصل ہے وہ کسی اور کے اہلبیت کو حاصل نہیں۔ گویا امام نے اپنے جاں نثار اصحاب اور اہلبیت کے مقام ومرتبے کا اعتراف بھی فرمایا اور اُن کا شکریہ بھی ادا کیا۔

جو جانا چاہے آزاد ہے

اس کے بعد امام نے مجمع پر نظر ڈالی اور فرمایا: ایھا الناس ! میں تم سب کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس لشکر کو میرے سوا کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ لوگ صرف حسینؑ سے بیعت کے خواہاں ہیں اور میں ہرگز بیعت نہیں کروں گا۔ یہ لوگ صرف مجھے اپنے مقاصد کے لئے رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اگر انہوں نے مجھے پالیا تو وہ تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ اس لئے میں تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت اٹھا رہا ہوں۔ اب تم پر نہ دشمن کی طرف سے کوئی دباؤ ہے نہ میری طرف سے کوئی دباؤ ہے۔ تم ہر طرح سے آزاد ہو۔ تم جہاں جانا چاہو خوشی سے جا سکتے ہو۔

اس کے بعد امام نے اپنے اصحاب سے اصرار کیا کہ تم میں سے ہر ایک

میرے خاندان کے ایک بچے کا ہاتھ پکڑ لے اور اس جھمیلے سے نکل جائے۔

یہ وہ موقع ہے جہاں اصحاب حسینؑ کے مقام اور مرتبے کا پتا چلتا ہے اس وقت اُن پر دشمن کی طرف سے کوئی زبردستی نہیں تھی جس کی وجہ سے ہم یہ کہہ سکیں کہ وہ دشمن کے چنگل میں پھنس چکے تھے اور امام حسینؑ نے بھی جن کی انہوں نے بیعت کر رکھی تھی اُن کو اپنی بیعت سے آزاد کر دیا تھا۔

امام حسینؑ کی خوشی دوچند ہوگئی

شب عاشور اور روز عاشور امام حسینؑ کی خوشی دوچند ہوگئی تھی۔ آپ کی خوشی کی پہلی وجہ یہ تھی کہ کمسن بچے سے لے کر بوڑھے تک ہر ایک آپ کے شانہ بشانہ نظر آرہا تھا اور دوسری وجہ آپ کی خوشی کی یہ تھی کہ آپ کے اصحاب میں کمزوری کا شائبہ تک نظر نہیں آرہا تھا۔ عاشور کے دن آپ کے اصحاب میں سے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جو آپ کو چھوڑ کر چلا گیا ہو یا دشمن سے جا ملا ہو۔ اس کے برعکس آپ نے اپنی کشش ایمانی سے دشمن کے کئی افراد کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ حضرت حرؑ انہی افراد میں سے ایک تھے۔ لکھا ہے کہ تقریباً ۳۰ افراد شب عاشور امام حسینؑ سے آملے تھے اور یہ بات امام حسینؑ کی خوشی کو دوچند کیے دے رہی تھی۔

اصحاب کا اظہار وفاداری

امام حسینؑ کی باتیں سن کر سب نے یکے بعد دیگرے امام کی خدمت میں عرض کی: مولا! کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم آپ کو اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں۔ نہیں۔ خدا کی قسم! یہ ایک جان تو آپ کے کسی قابل ہی نہیں۔ آپ پر ایک بار قربان ہو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

دوسرے نے کہا: میں پسند کرتا ہوں کہ مجھے مسلسل ہزار بار قتل کیا جائے اور ہزار بار مجھے دوبارہ زندگی ملے تاکہ میں ہر زندگی آپ پر قربان کردوں۔

سب سے پہلے جس نے گفتگو شروع کی اور ان خیالات کا اظہار فرمایا وہ مولا عباسؑ تھے۔ بَدَأَهُمْ بِذَالِکَ اَخُوْهُ الْعَبَّاسُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبِ. آپ کے بعد دوسروں نے بھی آپ کی بات یا اس سے ملتے جلتے جملے دہرائے۔ یہ وہ آخری امتحان تھا جس سے اصحاب اور اہلبیتؑ کو گزرنا تھا۔

جب اُن لوگوں نے اپنے عزم اور اپنی حمایت کا اعلان کر دیا تو امام حسینؑ نے بھی کل پیش آنے والے حقائق سے پردہ اٹھانا شروع کیا اور فرمایا: میں تم سب کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم سب کل شہید کردیئے جاؤ گے۔ یہ سن کر سب نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.[1] خدا کا شکر ہے کہ کل ہم اپنی جانیں فاطمہؑ کی جان پر قربان کر دیں گے۔

امام حسینؑ نے اصحاب کو کیوں رکنے دیا؟

یہاں ایک نکتہ غور کے قابل ہے۔ اگر شہید کی منطق کو نہ سمجھا جائے تو کہنے والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب امام حسینؑ نے ہر حال میں شہید ہونا ہی تھا تو پھر اصحاب کے ساتھ رہنے کا کیا فائدہ تھا سوائے اس کے کہ وہ بھی شہید ہو جائیں؟ آخر امام حسینؑ نے اصحاب کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت ہی کیوں دی؟ آپ نے انہیں مجبور کیوں نہیں کیا کہ وہ واپس چلے جائیں؟ امام نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ دشمن کو تم سے کوئی سروکار نہیں ہے اور تمہارے ساتھ رہنے سے مجھے ذرہ برابر فائدہ نہیں ہوگا۔ تمہارا میرے ساتھ رہنا سوائے اس کے اور کوئی اثر نہیں رکھتا کہ تم اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

۱۔ لہوف ص ۹۱۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۰۰۔ منتہی الآمال معرب ج ۱ ص ۶۲۶

اس لئے تمہیں واپس چلے جانا چاہیے۔ تمہارے لئے چلے جانا واجب ہے اور ٹھہرنا حرام ہے؟

اگر امام حسینؑ کی جگہ ہم جیسا کوئی فرد ہوتا تو ''مسند شریعت'' پر بیٹھ کر قلم اٹھاتا اور لکھ دیتا کہ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس وقت کے بعد تمہارا یہاں رکنا حرام ہے اور یہاں سے جانا تم پر واجب ہے۔ اس وقت کے بعد اگر تم یہاں رکے تو تمہارا یہ سفر، سفر گناہ قرار پائے گا اور تمہارے لئے ضروری ہوجائے گا کہ تم پوری نماز پڑھو نہ کہ قصر نماز۔ لیکن امام حسینؑ نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپ نے اصحاب و اہلبیتؑ سے کہا کہ وہ شہادت کی تیاری کریں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ شہید کی منطق کوئی اور ہی منطق ہوتی ہے۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

بعض اوقات ایک خوابیدہ قوم میں جذبۂ جہاد جگانے، خون کا نذرانہ دینے، اُسے نور ایمان عطا کرنے اور حیات بخشنے کے لئے کچھ افراد کو جام شہادت نوش کرنا پڑتا ہے اور کربلا میں بھی کچھ یہی کیفیت تھی۔

شہادت محض اس لئے نہیں ہوتی کہ دشمن پر غلبہ حاصل کرلیا جائے، شہادت میں جذبۂ جہاد کو ابھارنا بھی شامل ہے۔ اگر اُس دن حسینؑ کے اصحاب و اہلبیتؑ شہید نہ ہوتے تو شوق شہادت کی یہ دنیا کیسے آباد ہوتی؟

اگرچہ شہادت کا محور امام حسینؑ کی ذات گرامی ہے تاہم اصحاب نے امام حسینؑ کی شہادت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اگر وہ اس شہادت کا ضمیمہ نہ بنتے تو امام حسینؑ کی شہادت کو وہ عظمت حاصل نہ ہوتی جو اُسے قیامت تک حاصل ہوگئی ہے۔ لوگ آتے رہیں گے اور اس سے الہام اور روح تازہ حاصل

کرتے رہیں گے جس کے سائے میں وہ بھی اس راہ پر چل سکیں ۔[1]

اے دوستو! فرات کے پانی کا واسطہ آلِ نبیؐ کی تشنہ دہانی کا واسطہ
شبیرؑ کے لہو کی روانی کا واسطہ اکبرؑ کی ناتمام جوانی کا واسطہ
بڑھتی ہوئی جوان امنگوں سے کام لو
ہاں تھام لو، حسینؑ کے دامن کو تھام لو

آئینِ کشمکش سے ہے دنیا کی زیب و زین ہر گام ایک بدر ہو ہر سانس اک حنین
بڑھتے رہو یونہیں پے تسخیر مشرقین سینوں میں بجلیاں ہوں زبانوں پہ یا حسینؑ
تم حیدری ہو، سینۂ اژدر کو پھاڑ دو
اس خیبرِ جدید کا در بھی اُکھاڑ دو

جاری رہے کچھ اور یونہیں کاوشِ ستیز ہر وار بے پناہ ہو ہر ضرب لرزہ خیز
وہ فوجِ ظلم و جور ہوئی مائلِ گریز اے خون اور گرم ہوائے نبض اور تیز
عفریتِ ظلم کانپ رہا ہے اماں نہ پائے
دیو فساد کانپ رہا ہے اماں نہ پائے

تاخیر کا یہ وقت نہیں ہے دلاورو آواز دے رہا ہے زمانہ بڑھو بڑھو
ایسے میں باڑھ پر ہے جوانی بڑھے چلو گرجو مثالِ رعد گرج کر برس پڑو
ہاں زخم خوردہ شیر کی ڈھکار دوستو
جھنکار ذوالفقار کی جھنکار دوستو

اے حاملانِ آتشِ سوزاں بڑھے چلو اے پیروانِ شاہِ شہیداں بڑھے چلو
اے فاتحانِ صرصر و طوفاں بڑھے چلو اے صاحبانِ ہمتِ یزداں بڑھے چلو
تلوار شمرِ عصر کے سینے میں بھونک دو
ہاں جھونک دو یزید کو دوزخ میں جھونک دو

جوش ملیح آبادی

۱۔ قیام و انقلاب مہدیؑ از دیدگاہ فلسفۂ تاریخ ص ۱۲۳ تا ۱۳۳۔

مجلس ۳۹

تاسوعائے حسینؑ

ارباب عزا!

نو محرم کا دن اہلبیتؑ کے لئے بڑا غمناک دن تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اِنَّ تَاسُوْعَا یَوْمٌ حُوْصِرَ فِیْهِ الْحُسَیْنُ[۱] یعنی نو محرم کو ہمارے جد بزرگوار حسینؑ ہر طرف سے گھر گئے تھے۔ یہی وہ دن تھا جب عمر سعد کی مدد کو کربلا میں لشکر پر لشکر چلا آتا تھا لیکن اہلبیت رسولؐ کی مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

نو محرم ہی کی عصر تھی جب لعین ازل و ابد شمر بن ذی الجوشن کربلا پہنچا۔ اس نے عمر سعد کو ابن زیاد کا کھلا خط دیا۔ اُسے توقع تھی کہ ابن سعد یہی کہے گا کہ وہ حسینؑ سے جنگ نہیں کرے گا اور وہ ابن زیاد کے فرمان کے مطابق ابن سعد کو قتل کر کے خود لشکر کا سردار بن جائے گا لیکن اس کی آرزو کے برخلاف ابن سعد نے خط پر نظر ڈالی اور کہا: میرا اندازہ ہے کہ میرے خط کا ابن زیاد پر اثر ہوا تھا لیکن تیری موجودگی نے رکاوٹ پیدا کر دی تھی۔ شمر نے کہا اب کیا ارادہ ہے؟ جنگ کرو گے یا نہیں؟ عمر سعد نے کہا: خدا کی قسم! میں اس

۱۔ کافی ج ۴ص ۱۴۷۔ وسائل الشیعہ ج ۷ص ۳۳۹۔ مرآۃ العقول ج ۱۶ص ۳۶۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱ص ۶۲۳۔

طرح جنگ کروں گا کہ سر اور ہاتھ کٹ کٹ کر آسمان کی طرف اڑیں گے۔

شمر نے پوچھا: میری ذمے داری کیا ہے؟

عمر سعد جانتا تھا کہ شمر کو بھی عبید اللہ ابن زیاد کے نزدیک اہم مقام حاصل ہے کیونکہ دونوں ہی ایک قماش کے تھے۔ جو زیادہ سنگدل ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں۔ عمر سعد نے کہا تو پیادہ دستے کی کمان سنبھال لے۔ فرمان بہت سخت تھا۔ لکھا تھا کہ میرا خط ملتے ہی حسینؑ پر سختی شروع کردو۔ حسینؑ دو باتوں میں سے کوئی ایک بات قبول کرسکتے ہیں یا بیعت یا جنگ۔ تیسری کوئی بات قابل قبول نہیں۔[1]

عصر تاسوعا کیا گزری؟

لکھا ہے کہ نویں محرم کا آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ امام حسینؑ ایک خیمے کے باہر اپنے زانوؤں پر ہاتھ اور سر رکھے بیٹھے ہوئے تھے کہ اونگھ گئے۔ اسی وقت عمر سعد نے اس حکم نامے کو پڑھا اور یکدم فیصلہ کن لہجے میں باآواز بلند کہا: یا خَیلَ اللّٰہِ اِرْکَبِیْ وَبِالْجَنَّةِ اَبْشِرِیْ۔[2] (یہ جملہ ایک غزوہ میں رسول اکرمؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا)۔ ذرا اُس کی فریب کاری کا اندازہ لگائیں کہ وہ ملعون کہہ رہا ہے اے لشکر خدا! سوار ہو جاؤ، میں تمہیں جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ لکھا ہے کہ ۳۰ ہزار کے لشکر نابکار نے امام حسینؑ کے خیموں کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ طوفان کی آمد سے جس طرح ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں جوش پیدا ہو جاتا ہے اُسی طرح لشکر عمر سعد میں غل مچ گیا۔ یکایک پورا میدان گھوڑوں کی ٹاپوں، لوگوں کے نعروں اور ہتھیاروں کی جھنکار سے گونج اٹھا۔

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۲۹۔

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۳۰۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۹۱۔

شب عاشور حضرت زینبؑ کی حالت

جناب زینب سلام اللہ علیہا ایک خیمے میں امام سجادؑ کی تیمارداری میں مصروف تھیں۔ جونہی آپ نے میدان میں غل سنا سراسیمہ دوڑی ہوئی امام حسینؑ کے پاس آئیں اور امام کا شانہ ہلا کر بولیں کہ بھیا! کیا آپ یہ غل سن رہے ہیں؟ ذرا دیکھیں تو سہی کہ کیا ماجرا ہے؟ امام حسینؑ نے زانو سے سر اٹھایا اور لشکر پر توجہ دیئے بغیر فرمایا: بہن! ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔ ابھی ابھی میں نے خواب میں نانا رسول اللہؐ کو دیکھا ہے۔ کہہ رہے تھے حسینؑ! تم بہت جلد ہمارے پاس آرہے ہو[1] خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سن کر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے دل پر کیا گزری ہوگی؟

جی ہاں! آج عاشور کی شب ہے۔ یہ ایسی شب ہے جس میں اگر ہم شہدائے کربلا کے احوال کا بغور جائزہ لیں تو ایک طرف اُن کا جذبۂ جہاد دیکھ کر ہماری روح میں ہیجان برپا ہو جائے گا اور ہمارا کلیجہ منہ کو آنے لگے گا تو دوسری طرف ہم قلزم غم میں ڈوب جائیں گے۔ اس بات کے کئی دلائل موجود ہیں کہ شب عاشور حضرت زینب سلام اللہ علیہا پر جس قدر سخت گزری ہے اتنی سخت کوئی اور رات آپ پر نہیں گزری۔ اس لئے کہ عاشور کے دن حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی روحانی اور معنوی شخصیت انتہائی مضبوط ہو چکی تھی اور واقعات کے رونما ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مزید مضبوط ہوتی چلی گئی۔

شب عاشور دو ایسے دلدوز سانحے پیش آئے جنہوں نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی حالت غیر کر دی تھی یعنی آپ بہت زیادہ بے چین اور بے قرار ہوگئی تھیں۔ ایک سانحہ نویں محرم کی عصر کو پیش آیا تھا اور دوسرا عاشور

۱۔ معالم المدرستین ج ۳، ص ۱۰۹۔

کی شب رونما ہوا تھا۔ شب عاشور کے لئے امام حسینؑ کا مفصل پروگرام تھا اور اسی پروگرام میں ایک کام یہ بھی تھا کہ آپ نے کل کے لئے اپنے اصحاب کو اسلحہ تیار کر کے فراہم کرنا تھا۔

جون (یا ہون) جو حضرت ابوذر غفاریؓ کا آزاد کردہ غلام تھا ایک ماہر اسلحہ ساز تھا۔ وہ ہتھیاروں کے لئے مخصوص خیمے میں اسلحہ درست کر رہا تھا۔ امام حسینؑ جون کا کام دیکھنے اُس خیمے میں آئے ہوئے تھے۔ اُس خیمے کے ساتھ والے خیمے میں امام سجادؑ بستر علالت پر لیٹے ہوئے تھے اور ان کی پھوپی حضرت زینب سلام اللہ علیہا اُن کی تیمارداری میں مصروف تھیں۔ یہ دونوں خیمے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کیونکہ امام حسینؑ کے حکم سے خیمے ایک دوسرے سے اس قدر قریب کردیئے گئے تھے کہ ایک خیمے کی طنابیں دوسرے خیمے میں داخل ہوگئی تھیں۔ ایسا کیوں کیا گیا تھا اس کی وجہ میں بعد میں عرض کروں گا۔

اس واقعے کے راوی خود سید سجادؑ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میری پھوپی زینبؑ میری تیمارداری میں مشغول تھیں کہ میرے والد اسلحے کے خیمے میں تشریف لائے تاکہ دیکھیں کہ جون کیا کر رہا ہے؟ اچانک میں نے اپنے بابا کو یہ شعر گنگناتے سنا۔ انہوں نے اسے دو تین بار دہرایا۔

يَا دَهْرُ اُفٍّ لَّکَ مِنْ خَلِيْلٖ   کَمْ لَکَ بِالْاِشْرَاقِ وَالْاَصِيْلٖ

وَصَاحِبٍ وَّ طَالِبٍ قَتِيْلٖ   وَالدَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيْلٖ

وَاِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَى الْجَلِيْلٖ [1]

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۳۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۔

وَاِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَى الْجَلِيْلٖ   وَ کُلُّ حَيٍّ سَالِکَ سَبِيْلِیْ

ان اشعار میں امام حسینؑ کا اشارہ دنیا کی بیوفائی اور بے مہری کی طرف تھا کہ کبھی مہربان دوست کی طرح مسکراتی ہے۔ آدمی اس کی ہمدردانہ صورت پر فریفتہ ہوکر سمجھنے لگتا ہے کہ زمانہ ہمیشہ موافق ہی رہے گا مگر دنیا یکا یک آنکھیں پھیر کر بے مروتی دکھانے لگتی ہے۔ زندگی جو کبھی شہد کی طرح شیریں تھی تلخ ہو جاتی ہے۔ وہ دوست جن پر تکیہ ہوتا ہے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں بلکہ بہت سے دوست تو خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ عزت، طاقت اور صحت سب آنی جانی چیزیں ہیں۔ کون ہے جس نے زندگی میں بازی نہیں ہاری اور کسے باد حوادث کے تھپیڑے سہنے نہیں پڑے۔

ان اشعار کے پردے میں امام فرما رہے تھے کہ کل کیسے کیسے کڑیل جوان شہید ہو جائیں گے۔

سید سجادؑ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد بزرگوار کا مقصد سمجھ گیا۔ آپ اپنی شہادت کی خبر دے رہے تھے۔ پھوپی زینبؑ نے بھی یہ اشعار سنے لیکن ہم دونوں کے درمیان ایک معنی خیز خاموشی قائم تھی۔ میرا گلا رندھ گیا لیکن میں نے ضبط سے کام لیا اور خاموش رہا۔ پھوپی زینبؑ کا دل بھی بھر آیا تھا لیکن وہ اس لئے نہیں روئیں کہ میں بیمار تھا۔ ہم دونوں آنسوؤں کو ضبط کئے ہوئے تھے لیکن آخر کار پھوپی زینبؑ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔ چونکہ وہ عورت تھیں اور عورتیں طبعاً رقیق القلب ہوتی ہیں وہ کہنے لگیں: اے کاش! مجھے یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ اسی حالت میں وہ امام حسینؑ کے پاس چلی گئیں اور کہنے لگیں: ہائے! میرے بھیا! کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی۔ تم ہی جانے والوں کی یادگار تھے اور تم سے ہی

ہمیں آسرا تھا۔ امام نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: یا اُخَیَّه ! لا یَذْهَبَنَّ بِحِلْمِکَ الشَّیْطَانُ[1] اے بہن ! صبر کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان ضبط کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھڑا دے۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کس بات پر افسوس کر رہی ہو؟ مرنا تو برحق ہے۔ نانا رسول خداؐ مجھ سے افضل تھے۔ بابا علیؑ، ماں فاطمہؑ اور بھائی حسنؑ سب مجھ سے بہتر تھے مگر یہ سب چلے گئے۔ میں بھی جا رہا ہوں مگر بہن تم دھیان رکھو کہ میرے بعد اس قافلے کی سرپرستی تم نے کرنی ہے۔ اس قافلے کے ساتھ تم ہوگی۔ میرے بچوں کی دیکھ بھال تم نے ہی کرنی ہے۔

جناب زینبؑ بھرائی ہوئی آواز میں فرمانے لگیں:

بھیا! یہ ساری باتیں ٹھیک ہیں لیکن اُن بزرگوں میں سے جب بھی کوئی دنیا سے گیا تو میرے پاس اُن میں سے کوئی نہ کوئی موجود تھا۔ بھائی حسنؑ کے بعد میرا دل آپ کو دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ اگر آپ بھی زینبؑ کو چھوڑ کر چلے گئے تو اس دنیا میں زینبؑ کی خوشی کا کیا سامان ہے؟

امام حسینؑ کی طرف سے طلب مہلت کا راز

تاسوعا کی عصر امام حسینؑ نے وہ جملہ جو خواب سے متعلق تھا حضرت زینبؑ کو بتانے کے بعد عباسؑ کو پکارا اور کہا بھائی عباسؑ ! فوراً چند آدمیوں کو لے کر جاؤ اور ان سے پوچھو کہ کیا کوئی نئی خبر آئی ہے؟ اگر وہ ہم سے لڑنا چاہتے ہیں تو انہیں بتاؤ کہ غروب آفتاب کا وقت جنگی قانون کے مطابق لڑائی کا وقت نہیں ہے (عام طور پر اہل عرب صبح سے غروب آفتاب تک

۱۔ ارشاد ص ۲۳۲۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۰۳ اور معالم المدرستین ج ۳ ص ۱۱۴

لڑتے اور آفتاب غروب ہوتے ہی اپنے اپنے کیمپ میں واپس چلے جاتے) یقیناً کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ چند سن رسیدہ اصحاب کو جن میں زہیر بن قینؒ اور حبیب ابن مظاہرؒ شامل تھے اپنے ساتھ لے کر دشمن کے لشکر کے سامنے گئے اور فرمایا: میں اپنے بھائی کی طرف سے پوچھنے آیا ہوں کہ اس اچانک حملہ کی کیا وجہ ہے؟ عمر سعد نے کہا کہ امیر عبید اللہ ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ آپ کے بھائی غیر مشروط اطاعت قبول کریں ورنہ ہم جنگ کریں گے۔[۱] حضرت عباسؑ نے فرمایا کہ جلدی نہ کرو۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں ابھی ابوعبداللہؑ کی خدمت میں پہنچ کر اطلاع دیتا ہوں اور ان سے جواب لے کر آتا ہوں۔

حضرت عباسؑ واپس آئے اور واقعہ امام کے گوش گزار کیا تو امام نے فرمایا ہم اطاعت ہرگز نہیں کریں گے بلکہ جنگ کریں گے۔ میں اپنے خون کے آخری قطرے تک اُن سے لڑوں گا۔ تم واپس جاؤ اور اگر ہو سکے تو ان سے کل صبح تک کی مہلت مانگ لو۔[۲] پھر اس خیال سے کہ کہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ حسینؑ ایک رات اور زندہ رہنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا: خدا بہتر جانتا ہے کہ میں یہ مہلت اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کی آخری رات خدا سے راز و نیاز کروں۔ مناجات و عبادت میں مشغول رہوں اور قرآن کی تلاوت کروں۔[۳]

حضرت عباسؑ نے آکر اُن کو امام کا پیغام پہنچایا۔ وہ لوگ اس بات کو منظور نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن بعد میں اُن کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا۔

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۱۰۹۔

۲۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۱۱۰۔

۳۔ ارشاد مفید ص ۲۳۰۔ منتہی الآمال معرب ج ۱ ص ۶۲۳۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۱۱۵۔

اُن میں سے ایک نے کہا تم بڑے بے حیا لوگ ہو کیونکہ اگر ہم کفار سے لڑتے اور وہ کہتے تو ہم انہیں بھی اتنی مہلت دے دیتے ؟ پھر کیا بات ہے کہ ہم آلِ رسولؐ کو اتنی سی مہلت بھی نہ دیں ؟ عمر سعد اپنے لشکر میں اختلاف فرو کرنے کے لئے مجبور ہوگیا۔ اُس نے لوگوں سے کہہ دیا ٹھیک ہے کل صبح ہوتے ہی جنگ شروع کر دی جائے گی۔[1]

یہ رات امام حسینؑ کے لئے غیر معمولی طور پر روشن اور نورانی رات تھی یہ رات آپ نے والہانہ جوش عبادت میں بسر کی۔ جن لوگوں نے اس رات کو امام حسینؑ کی معراج کی رات سے تعبیر کیا ہے ان کی تعبیر بالکل صحیح ہے۔ اُس رات آپ نے اپنے اصحاب اور اہلبیتؑ کے لئے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ یہی وہ رات تھی جس میں سب آپ سے رخصت ہوئے اور آپ سب کو رخصت فرماتے رہے۔ امام نے فرمایا:

اے میرے اصحاب اور اے میرے اہلبیتؑ ! میں اپنے اصحاب سے بہتر اور اپنے اہلبیتؑ سے بہتر کسی کے اہلبیتؑ سے واقف نہیں۔ میں تم سب کا شکر گزار ہوں لیکن تم سب کو یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ یہ لوگ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔ یہ میرے سوا کسی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ تم نے جو میری بیعت کی ہے وہ میں نے تم سے اٹھالی ہے۔ اب تم سب آزاد ہو۔ جو جانا چاہے چلا جائے۔ آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے جس جس سے ہو سکے میرے اہلبیتؑ میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ لے اور اُسے بھی اپنے ساتھ لے جائے مگر اصحاب حسینؑ میں سے کوئی نہیں گیا۔ دستِ غیب نے نامردوں کو حریم امام سے پہلے ہی نکال باہر کیا تھا۔

لکھا ہے کہ سب نے ایک آواز ہو کر کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم آپ

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۲۵۔

کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ خدا وہ دن نہ لائے کہ آپ قتل ہو جائیں اور ہم زندہ رہیں۔ لکھا ہے کہ حضرت ابو الفضل العباسؑ اُن سب میں پیش پیش تھے۔ (مسلم بن عوسجہؓ اٹھے اور کہا کہ اگر ہم آپ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیں اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں تو خدا کو کیا جواب دیں گے۔ بخدا میں ہرگز آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں اپنا نیزہ آپ کے دشمنوں کے کلیجے میں اُتار دوں گا اور جب تک ہو سکے گا اُن کے خون سے اپنی تلوار کی پیاس بجھاؤں گا اور جب میرے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں رہے گا تو اُن پر پتھر برساؤں گا۔ خدا کی قسم! ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے تاکہ خدا دیکھ لے کہ ہم نے اُس کے پیغمبرؐ کی غیر موجودگی میں اُن کے فرزند کے حقوق کا لحاظ رکھا ہے۔ بخدا اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا، پھر آگ میں جلا کر میری راکھ ہوا میں بکھیر دی جائے گی۔ ستر دفعہ مجھے اسی طرح مارا اور جلایا جائے تب بھی میں آپ کی نصرت سے ہاتھ نہیں کھینچوں گا اور آپ پر اپنی جان قربان کرتا رہوں گا۔ اب تو مجھے معلوم ہے کہ صرف ایک دفعہ قتل ہونے کے بعد ہمیشہ کے لئے سرخرو ہو جاؤں گا۔

مسلمؓ کے بعد زہیر بن قینؓ اٹھے اور کہنے لگے: بخدا میں چاہتا ہوں کہ مارا جاؤں اور پھر زندہ ہوں اور پھر مارا جاؤں۔ ستر دفعہ ایسا ہی ہو تاکہ آپ اور آپ کے اہلبیتؑ زندہ سلامت رہیں۔

دوسروں نے بھی کچھ ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔ امام نے اُن کے لئے دعائے خیر کی اور اپنے خیمے میں لوٹ گئے) توسین والے جملے ڈاکٹر ابراہیم آیتی کی کتاب تاریخ عاشورا مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی سے لئے گئے ہیں۔

معرفت حضرت قاسمؑ

آج کی رات ہم محمدؐ و آل محمدؐ سے متوسل ہونے کے لئے یتیم حسنؑ حضرت قاسمؑ کے مصائب بیان کریں گے جو عموماً شب عاشور بیان کئے جاتے ہیں۔ جب سب اپنی اپنی وفاداری کا اعلان کر چکے تو امام حسینؑ نے اپنی گفتگو کا رخ بدلا اور حقائق سے پردہ اٹھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا: میں تم سب کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ کل تم سب شہید کر دیئے جاؤ گے۔ ہم میں سے جو اس خیمے میں موجود ہیں کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ سب نے مل کر کہا کہ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں شہادت کی سعادت بخشی ہے۔

(ایک دوست نے برمحل یاد دہانی کرائی ہے کہ آیت اللہ العظمیٰ آقائے حکیم اور آیت اللہ علامہ مجاہد ''صاحب الغدیر'' علامہ امینی جو آج کل بیمار ہیں اور بیرون ملک زیر علاج ہیں اُن کے لئے اور تمام مومنین و مومنات کے لئے دعا کی جائے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے مایہ ناز رہبروں کے لئے خصوصی دعا کریں کہ بار الہا! تجھے واسطہ ہے حسینؑ بن علیؑ کے حق کا اور تجھے واسطہ ہے حضرت قاسمؑ کی پاک روح کا ان بزرگواروں کو اور دیگر تمام بیماروں کو جن کے نام ہمارے دلوں میں ہیں جلد از جلد شفا عطا فرما)۔

اسی خیمے میں ایک تیرہ سالہ بچہ بھی ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ جس وقت امام حسینؑ نے یہ خبر سنائی کہ کل سب شہید ہو جائیں گے تو اُس بچے نے اپنے دل میں سوچا کہ اس قول سے شاید مراد سن رسیدہ افراد ہوں اور ہم جیسے کم سن بچے اس سے مراد نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ تیرہ سال کے بچے کو ایسا سوچنے کا حق حاصل ہے۔ بچے نے پریشان ہو کر سر اٹھایا اور عرض کی: یَا عَمَّاہُ! وَاَنَا فِیْمَنْ یُقْتَل؟ چچا جان کیا میں بھی کل قتل ہونے والوں میں شامل ہوں یا نہیں؟ امام حسینؑ نے رقت آمیز نگاہ سے بچے کو دیکھ کر فرمایا:

بیٹا ! پہلے میرے سوال کا جواب دو پھر میں تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔ بچے نے عرض کی: چچا جان فرمایئے ! آپ نے فرمایا: بیٹا تمہارے نزدیک موت کا ذائقہ کیسا ہے؟ بچے نے فوراً عرض کی: چچا جان ! اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ. ایسی موت میرے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے (یعنی بچے نے وضاحت کی کہ چچا میں نے اس لئے آپ سے سوال کیا ہے کہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں میں اس سعادت سے محروم نہ رہ جاؤں) امام نے فرمایا: ہاں ! بیٹا تم بھی کل شہید کر دیے جاؤ گے لیکن ایک بہت بڑی مصیبت سے گزرنے کے بعد۔ اس موقع پر امام نے اُس مصیبت کی وضاحت نہیں فرمائی کہ وہ کیا ہے؟ لیکن عاشور کے دن لوگوں کو پتا چل گیا کہ امام نے جس مصیبت کا ذکر کیا تھا وہ کیا تھی ؟[1]

چچا جان میری خبر لیجئے

جب حضرت قاسمؑ میدان کی طرف روانہ ہوئے تو چھوٹا ہونے کی وجہ سے اُن کے جسم پر کوئی زرہ یا سپر نہیں تھی۔ پھر بھی شیر خدا کا پوتا دادِ شجاعت لیتا رہا۔ اچانک حضرت قاسمؑ کے سر پر تلوار لگی جس سے آپ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر گر پڑے۔ اِدھر امام حسینؑ خیمے کے پاس اس انداز میں کھڑے ہیں کہ گھوڑے کی لگام آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے آپ انتظار فرما رہے ہیں۔ اچانک یَا عَمَّاہُ کی آواز فضا میں بلند ہوئی۔ چچا جان میری خبر لیجئے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جس طرح باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اُسی تیزی سے امام حسینؑ حضرت قاسمؑ کی طرف لپکے۔ کوئی سمجھ ہی نہیں پایا کہ کس تیزی

۱۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص۴۰۲۔

سے امام حضرت قاسمؑ کے سرہانے پہنچے۔ لکھا ہے کہ حضرت قاسمؑ کے زمین پر گرنے کے بعد دشمن کے تقریباً دو سو سپاہیوں نے چھوٹے سے بچے کو گھیر لیا۔ اُن میں سے ایک شخص حضرت قاسمؑ کا سرتن سے جدا کرنے کے لئے آگے بڑھا کہ اچانک پتا چلا کہ حسینؑ نے حملہ کر دیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ لومڑیوں کے اُس گلہ کی طرح جو شیر کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے میدان سے بھاگنے لگے اور وہ ملعون جو حضرت قاسمؑ کا سر کاٹنے کے لئے گھوڑے سے اُترا تھا اپنے ہی ساتھیوں کے گھوڑوں تلے روندا گیا اور واصل جہنم ہوا۔ اُس وقت اتنی شدید دھول اٹھی تھی کہ کسی کو یہ معلوم ہی نہ ہوسکا کہ معاملہ کیا ہے؟ دور سے دوست اور دشمن دونوں دیکھ رہے تھے فَاِذَنْ جَلَسَ الْغُبْرَۃُ یہاں تک کہ دھول بیٹھ گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ قاسمؑ کا سر حسینؑ کی گود میں ہے۔ لوگوں نے حسینؑ کی آواز سنی۔ آپ بلند آواز سے فرما رہے تھے: عَزِیْزٌ عَلٰی عَمِّکَ اَنْ تَدْعُوَہٗ فَلَا یُجِیْبُکَ اَوْ یُجِیْبُکَ فَلَا یَنْفَعُکَ. میری جان! تیرے چچا پر یہ بات بے حد شاق ہے کہ تو چچا کو مدد کے لئے پکارے اور تیرا چچا تیرے کام نہ آسکے۔[1]

---

[1] استاد شہید مرتضیٰ مطہری کہتے ہیں کہ قم مقدسہ کے ایک معروف ذاکر نے مرحوم آیت اللہ حاج شیخ عبدالکریم حائری رضوان اللہ علیہ کے سامنے یہی مصائب پڑھے تھے۔ (موصوف بہت مخلص انسان تھے۔ یہ بات مجھے تواتر سے معلوم ہوئی ہے کہ اُن کا شمار اہلبیتؑ کے عاشقوں میں ہوتا تھا۔ میں خود تو اُن کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا اس لئے کہ اُن کی وفات کے دس ماہ بعد میں قم پہنچا تھا۔ البتہ جن لوگوں نے انہیں دیکھا تھا وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ جب بھی امام حسینؑ کا نام سنتے تو اُن کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوجاتے)۔ انہوں نے اتنا گریہ کیا اور اس قدر سر پیٹا کہ بے حال ہوگئے۔ پھر انہوں نے ذاکر سے کہا کہ میری آپ سے درخواست ہے کہ جب میں مجلس میں موجود ہوا کروں تو آپ یہ مصائب نہ پڑھا کریں کیونکہ مجھ میں انہیں سننے کی تاب نہیں ہے۔

ارباب عزا!

راوی کہتا ہے کہ قاسمؑ کا سر امام کی گود میں تھا اور قاسمؑ جاں کنی کے عالم میں زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ اسی حالت میں فَشَهِقَ شَهْقَةً فَمَاتَ.[۱] قاسمؑ نے ایک آہ بھری اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ امام حسینؑ نے حضرت قاسمؑ کی لاش اٹھا کر بغل میں لے لی اور اُن کو گھسیٹتے ہوئے خیمہ گاہ کی طرف لے جانے لگے۔ یہ بات کتنی عجیب اور دردناک ہے کہ جب قاسمؑ میدان میں جانا چاہتے تھے اور امام حسینؑ سے اذن جہاد طلب کر رہے تھے تو امام حسینؑ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ انہیں اجازت دیں۔ پھر جب آپ نے اجازت دی تو اس سے پہلے دونوں چچا بھتیجے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر رونے لگے اور اتنا روئے کہ بے حال ہوگئے تھے۔ لیکن اب منظر بالکل بدل گیا ہے یعنی تھوڑی دیر قبل چچا بھتیجے کے گلے میں بانہیں ڈالے دیکھا گیا تھا لیکن اب لوگوں نے دیکھا کہ امام حسینؑ اُسی بھتیجے کی لاش کو بغل میں لئے ہوئے ہیں لیکن قاسمؑ کے ہاتھ نیچے لٹکے ہوئے ہیں کیونکہ اب اُن کے جسم میں جان نہیں ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ.

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۳۹۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۸۰۔ موسوعة كلمات الامام الحسينؑ ص ۴۶۳ قدرے تفاوت کے ساتھ۔

مجلس ۴۰

امام حسینؑ مہاجر اور مجاہد

منطق قرآن کی رو سے امام حسینؑ ''مہاجر'' بھی ہیں اور ''مجاہد'' بھی۔ آپ نے اپنے شہر اور وطن سے اُسی طرح ہجرت کی جس طرح حضرت موسیٰؑ نے کی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کا وطن مصر تھا جسے چھوڑ کر وہ مدین آ گئے تھے[۱]۔ لیکن حضرت موسیٰؑ صرف مہاجر تھے مجاہد نہیں تھے۔

حضرت ابراہیمؑ بھی مہاجر تھے اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ۔[۲] انہوں نے بھی اپنے شہر اور وطن ''بابل'' کو چھوڑا تھا۔

لیکن امام حسینؑ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ مہاجر بھی ہیں اور مجاہد بھی۔ صدر اسلام میں کچھ لوگ ابتدا میں مہاجر تھے مگر وہ بھی مجاہد نہیں تھے کیونکہ ابھی اُن کے لئے حکم جہاد نہیں آیا تھا۔ لہٰذا وہ صرف مہاجر رہے۔ بعد میں جب حکم جہاد آیا تو اُن مہاجرین میں سے مجاہدین بھی سامنے آنے لگے۔

لیکن حسینؑ وہ فرد فرید ہیں جو روز اول سے مہاجر بھی تھے اور مجاہد بھی

۱۔ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَّتَرَقَّبُ... سَوَآءَ السَّبِيْلِ پس موسیٰؑ وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے تاکہ دیکھیں کیا ہوتا ہے اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا۔ (سورۂ قصص: آیت ۲۱۔۲۲)

۲۔ سورۂ صافات: آیت ۹۹۔

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰہِ.[1]

رسول خداؐ نے خواب میں امام حسینؑ کو بشارت دی تھی کہ بیٹا تیرے لئے اللہ نے جو خاص مرتبہ مقرر فرمایا ہے اُس تک تو شہادت کے بغیر رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔[2] مُھَاجِرًا اِلَى اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ.[3]

تقریباً ۲۳۔۲۴ دن امام حسینؑ مسلسل ہجرت کی حالت میں رہے یعنی ۸/ذی الحجہ کو مکہ سے نکلنے کے بعد ۲ محرم کو سرزمین کربلا میں وارد ہونے تک اور پھر کربلا میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد سے لے کر عاشور تک۔

شہادت ہمارے لئے تاج افتخار ہے

جس دن امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے اُس دن آپ نے ایک مشہور خطبہ دیا تھا۔ اُس خطبے میں آپ نے ہجرت اور جہاد دونوں کا ایک ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰى وُلْدِ اٰدَمَ مَخَطَّ الْقَلَادَةِ عَلٰى جِیْدِ الْفَتَاةِ وَمَا اَوْلَهَنِیْ اِلٰى اَسْلَافِیْ اِشْتِیَاقُ یَعْقُوْبَ اِلٰى یُوْسُفَ.

ایھا الناس ! موت نے بنی آدم کو اس طرح نشان زدہ کر دیا ہے جیسے کسی دوشیزہ کی گردن پر گلوبند کا نشان پڑ جاتا ہے۔ میں اپنے اسلاف سے ملاقات کا ویسے ہی مشتاق ہوں جیسے یعقوبؑ دیدار یوسفؑ کے مشتاق تھے۔ موت انسان کے لئے ناگزیر ہے۔ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ مجھے موت سے کوئی خوف نہیں۔ راہ خدا میں شہید ہوجانا اور راہ ایمان میں جام شہادت پینا انسان کے لئے ''تاج افتخار'' ہے جسے وہ اپنے سر پر رکھتا ہے۔ موت مرد مجاہد کے ماتھے کا جھومر ہے جیسے ایک گلوبند دوشیزہ کے گلے کی زینت

۱و۳۔ سورۂ نساء: آیت ۱۰۰۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۱۳۔

ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: کَاَنِّیْ بِاَوْصَالِیْ تَتَقَطَّعُهَا عُسْلَانُ الْفَلَوَاتِ بَیْنَ النَّوَاوِیْسِ وَ کَرْبَلَاءَ. لوگو! میں دیکھ رہا ہوں گویا بیابانی بھیڑیئے نواویس اور کربلا کے درمیان میرے جسم کی بوٹیاں نوچ رہے ہیں۔ رِضَی اللّٰہِ رِضَانَا اَهْلَ الْبَیْتِ.[1] ''ہم اہلبیتؑ کی خوشی وہی ہے جو اللہ کی رضا ہے۔'' اللہ جو پسند کرتا ہے وہی ہماری پسند ہے۔ اگر وہ ہماری سلامتی پسند فرمائے تو ہمیں سلامتی پسند ہوتی ہے۔ اگر وہ ہمارے لئے بیماری پسند فرمائے تو ہم بیماری کو پسند کرتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے لئے سکوت پسند فرمائے تو ہم خاموشی کو پسند کرتے ہیں۔ اگر وہ چاہے کہ ہم تکلم کریں تو ہم تکلم کرتے ہیں۔ اگر وہ سکون کا خواہاں ہو تو ہم بھی ساکن رہیں گے اور اگر وہ حرکت کا طلبگار ہو تو ہم بھی مثل موج حرکت میں رہیں گے۔

قضایم اسیر رضا پسندہ رضایم بدان چہ قضا می پسندد
چرا دست یازم ، چرا پای کوبم مرا خواجہ بی دست وپا می پسندد

اس خطبے کے آخر میں امام اپنی ہجرت کا اعلان فرماتے ہیں کہ مَنْ کَانَ فِیْنَا بَاذِلًا مُهْجَتَهٗ وَمُوَطِّنًا عَلٰی لِقَآءِ اللّٰهِ نَفْسَهٗ فَلْیَرْحَلْ مَعَنَا فَاِنِّیْ رَاحِلٌ مُصْبِحًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ.[2]

جو کوئی ہماری طرح راہ خدا میں اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہو، جو کوئی ہماری آواز میں آواز ملانا چاہتا ہو، جو کوئی راہ خدا میں ہجرت کرنا اور خدا سے ملاقات کرنا چاہتا ہو صرف وہ ہمارے ساتھ چلے۔ میں انشاء اللہ کل صبح روانہ ہو رہا ہوں۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۶۔ موسوعۃ الکلمات الام الحسینؑ ص ۳۲۸۔

۲۔ لہوف ص ۶۰۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۶۶۔ موسوعۃ الکلمات الامام الحسینؑ ص ۳۲۸۔

مخلص رہ گئے

امام حسینؑ جب مکہ سے نکلے تو کافی لوگ آپ کے ساتھ تھے۔ شروع شروع میں بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ شاید حسینؑ بن علیؑ اپنے خطبوں میں مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ آنے والے دنوں میں امن وسلامتی کی کوئی راہ نکل آئے۔ سفر کے دوران بھی لوگ آتے رہے اور قافلے میں شامل ہوتے رہے لیکن امام حسینؑ نہیں چاہتے تھے کہ موقع پرست لوگ آپ کے ہمراہ رہیں۔ آپ سفر کے دوران اصحاب کو اپنی گفتگو کے ذریعے چھانٹتے رہے تا کہ وہ افراد جو آپ کی تحریک کے لئے اہل نہیں تھے وہ الگ ہوجائیں۔ چنانچہ متعدد بار کاٹ چھانٹ کے نتیجے میں جو مکمل طور پر مخلص تھے اور ہر معیار پر پورا اُترتے تھے صرف وہی باوفا اصحاب باقی رہ گئے اور دوسرے بتدریج آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

آپ تمام شہداء کے سر کا تاج ہیں

امام حسینؑ کے ہمراہ اب وہی لوگ رہ گئے تھے جن کے متعلق خود آپ نے گواہی دی تھی کہ میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اور باوفا کسی کے اصحاب نہیں دیکھے یعنی اگر اصحاب بدر اور اصحاب کربلا کا موازنہ کیا جائے تو امام حسینؑ اصحاب کربلا کو تمام شہداء کے سر کا تاج قرار دیں گے۔

شب عاشور جس وقت امام حسینؑ نے سب کو جانے کی اجازت دی تھی اور اپنی بیعت اٹھا لی تھی اُس وقت آپ نے اپنے اصحاب کو یقین دلایا تھا کہ دشمن صرف میرے خون کا پیاسا ہے اور اُسے تم سے کوئی سروکار نہیں۔ اُس وقت بھی سب نے یہی کہا تھا کہ مولا ہم نے آپ ہی کی راہ میں

شہادت کو اپنے لئے منتخب کیا ہے۔ ہماری ایک جان تو کچھ بھی نہیں کاش ہمارے پاس ہزار جانیں ہوتیں اور ہم اُن سب کو آپ پر نچھاور کر دیتے۔ بَدَاُهُمْ بِذَالِكَ اَخُوْهُ عَبَّاسُ بْنُ عَلِيٍّ.[۱] سب سے پہلے جس نے یہ بات کہی وہ آپ کے بھائی حضرت عباسؑ تھے۔

امام حسینؑ کا قلب مطہر کس قدر خوش ہوا ہوگا جب آپ نے دیکھا ہوگا کہ آپ کے ہمراہ ایسے اصحاب ہیں جو آپ کی تحریک کے مقاصد میں آپ سے مکمل ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ یہ جاننے کے بعد امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اب جبکہ بات یہاں تک آپہنچی ہے میں بھی کل رونما ہونے والے واقعات اجمالی طور پر آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ کل جنگ ضرور ہوگی اور آپ لوگوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔[۲]

اصحاب حسینؑ کے لئے اعزاز

عاشور کے دن امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو ایک ایسے اعزاز سے نوازا جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ آخری لحات ہیں۔ سب شہید ہو چکے ہیں۔ سید سجادؑ کے سوا جو خیمے میں بیمار پڑے ہیں کوئی مرد باقی نہیں بچا۔ امام مظلومؑ یکا وتنہا اعداء کے نرغے میں کھڑے ہیں۔ آپ نے دائیں بائیں دیکھا تو

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۳۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۲۶۔

۲۔ قَالَ الْمَجْلِسِيُّ: فَاَرَاهُمُ الْحُسَيْنُ مَنَازِلَهُمْ فِي الْجَنَّةِ فَرَاَوُ الْقُصُوْرَ وَالْحُوْرَ وَالنَّعِيْمَ الَّذِيْ اُعِدَّ لَهُمْ.

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اُن کو جنت میں اُن کے مقامات دکھائے۔ پس انہوں نے اپنے محلات دیکھے نیز باغات اور جنت کی نعمتیں بھی دیکھیں جو اُن کے پروردگار نے اُن کے لئے رکھی تھیں۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۲۶۔

اپنے اصحاب کی لاشوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ یہ دیکھ کر امام نے ایک جملہ ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں زمین پر پڑے ان لاشوں میں سے کسی کو زندہ نہیں دیکھ رہا۔ پھر آپ نے فرمایا:

جو لوگ اس مٹی کے نیچے ہیں اور جو لوگ اس مٹی کے اوپر سو رہے ہیں سب زندہ ہیں۔ اس کے بعد امام نے آواز استغاثہ بلند فرمائی۔ آپ نے طلب نصرت فرمائی۔ کون زندہ تھا جس سے آپ مدد طلب کر رہے تھے؟ وہ زندہ افراد کون تھے؟ یہی جن کے لاشے زمین پر بکھرے ہوئے تھے؟ آپ نے اپنے ساتھیوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بلند آواز سے پکارا يَا اَبْطَالَ الصَّفَا وَيَا فُرْسَانَ الْهَيْجَآءِ اے میرے باصفا دلاورو! اے میرے باوفا بہادرو! قُوْمُوْا عَنْ نَوْمَتِكُمْ اَيُّهَا الْكِرَامُ وَامْنَعُوْا عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ الْعُتَاةَ.[۱] نیند سے جاگو! اٹھو! آگے بڑھو! یہ پست فطرت حرم رسولؐ پر حملہ کرنے کو ہیں۔ یہ بیہودہ لوگ آل رسولؐ کے خیموں کو لوٹنے جا رہے ہیں۔ پھر فرمایا: سو جاؤ! سو جاؤ! میں جانتا ہوں کہ تمہارے سر تمہارے جسموں سے جدا کر دیے گئے ہیں۔[۲]

۱۔ موسوعة كلمات الامام الحسينؑ ص ۴۸۴ فَقُوْمُوْا مِنْ نَوْمَتِكُمْ اَيُّهَا الْكِرَامُ وَادْفَعُوْا عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ الطُّغَاةَ اللِّئَامَ.

اے شہدائے کرام! جاگو! اپنی نیند سے جاگو اور حرم رسولؐ سے ان ذلیلوں کو دور کرو۔

۲۔ گفتار ہای معنوی ص ۲۵۰ تا ۲۵۵۔

مجلس ۴۱

روح امام حسینؑ عظمت کے مساوی ہے

امام حسینؑ کے بیشتر ارشادات ہم تک نہیں پہنچ سکے ہیں جس کی اہم وجہ اُس زمانے کے حالات تھے جبکہ امیر المؤمنینؑ کے خطبات اور ارشادات کا ایک بڑا ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔ خاص کر آپ کے دور خلافت میں آپ نے جو خطبے ارشاد فرمائے ہیں وہ ہمارا قیمتی سرمایہ ہے لیکن امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں کو اپنے اپنے زمانے میں ملوکیت کی جن سختیوں کا سامنا رہا خاص طور پر امام حسینؑ کے زمانے میں معاویہ نے خوف و دہشت کی جو فضا قائم کر رکھی تھی اُس کی وجہ سے کوئی یہ جرأت ہی نہیں کرتا تھا کہ وہ امام حسینؑ کے پاس آئے اور اگر کوئی آکر آپ سے کچھ سن لیتا تھا تو اُسے دوسروں تک پہنچانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

میں نے امام حسینؑ کے ارشادات کے مطالعے کے دوران یہ بات محسوس کی ہے کہ اگرچہ آپ کے ارشادات بہت زیادہ نہیں ہیں لیکن اُن میں آپ نے جو مطالب بیان فرمائے ہیں وہ اپنی عظمت کے لحاظ سے بینظیر ہیں بلکہ بنیادی طور پر اُن میں امام حسینؑ کی روح اور عظمت یکساں نظر آتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک جملہ اپنے دامن میں عظمت کے گوہر سمیٹے ہوئے ہے۔

آخری لمحات میں امام حسینؑ کے فرمودات

انہی جملوں میں سے ایک جملہ وہ ہے جو امام نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ارشاد فرمایا تھا۔ امام میدان جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھانے کے بعد نڈھال ہوکر زمین پر گر چکے ہیں۔ جسم اطہر سے کافی خون بہہ چکا ہے۔ آپ کی روح بے حد طاقتور ہے لیکن جسم بے حد ناتواں ہے۔ آپ میں کھڑے ہونے کی طاقت بالکل بھی نہیں ہے۔ آپ صرف گھٹنوں کے بل اپنی تلوار پر تکیہ کرسکتے ہیں۔ یعنی آپ میں اتنی بھی سکت نہیں تھی کہ آپ خیام اہل حرم کی طرف بڑھنے والے ناپاک قدموں کو روک سکیں۔ چنانچہ آپ نے بڑی مشکل سے کھڑے ہوکر بلند آواز میں فرمایا: وَيْلَكُمْ يَا شِيْعَةَ الِ اَبِیْ سُفْيَانَ ! اے آل ابی سفیان کے پیروکارو !اے ضمیر فروشو ! وائے ہوتم پر۔ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ دِيْنٌ وَكُنْتُمْ لَا تَخَافُوْنَ الْمَعَادَ فَكُوْنُوْا اَحْرَارً فِیْ دُنْيَاكُمْ. اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تمہیں قیامت کا کوئی خوف نہیں ہے تب بھی دنیا کے آزاد لوگوں کی طرح حیا کرو۔

میں جانتا ہوں کہ تمہیں خدا اور قیامت پر کوئی یقین نہیں لیکن اپنے وجود میں شرافت کے احساس کو تو جگہ دو۔ ایک شریف انسان جس کے وجود سے انسانیت کی خوشبو آتی ہو ایسے کام میں ہاتھ نہیں ڈالتا جس کا تم ارتکاب کرنے جا رہے ہو۔ اُن ظالموں نے پوچھا: اے فرزند فاطمہؑ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم نے کون سا ایسا کام کیا ہے جو حریت کے منافی ہے؟ تو امام نے فرمایا: اَنَا اُقَاتِلُكُمْ وَاَنْتُمْ تُقَاتِلُوْنَنِیْ وَالنِّسَآءُ لَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ.[1] میں تمہارے ساتھ جنگ کر رہا ہوں تم مجھ سے لڑو۔ عورتوں کے ساتھ جنگ معنی نہیں رکھتی۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵ ص ۵۱ ۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۵۰۳۔

حسینی خطبات میں شہامت کی جھلکیاں

مکہ میں اپنے پہلے خطاب سے لے کر سفر کے دوران کے آخری خطاب تک اگر جائزہ لیا جائے تو امام حسینؑ کا کلام عزت وعظمت کے جذبات سے سرشار دکھائی دیتا ہے۔

مکہ سے چلتے وقت آپ نے جو خطبہ دیا اُس میں ارشاد فرمایا تھا: خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰی وُلْدِ اٰدَمَ مَخَطَّ الْقَلَادَةِ عَلٰی جِیْدِ الْفَتَاةِ. یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: مَنْ کَانَ فِیْنَا بَاذِلًا مُهْجَتَهٗ وَمُوَطِّنًا عَلٰی لِقَاءِ اللّٰهِ نَفْسَهٗ فَلْیَرْحَلْ مَعَنَا فَاِنِّیْ رَاحِلٌ مُصْبِحًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ.[1] امام کہنا چاہتے ہیں کہ اصولی طور پر میری روح ہرگز ہرگز مجھے اجازت نہیں دیتی کہ میں فساد سے بھری صورتحال دیکھوں اور زندہ رہوں۔ چہ جائیکہ میں ان برائیوں کا حصہ بن جاؤں؟ اِنِّیْ لَا اَرَی الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَةً وَالْحَیَاةَ مَعَ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا بَرَمًا.[2] میں ان حالات میں موت کو اپنے لئے خوش نصیبی جانتا ہوں۔ میری کامیابی اس میں ہے کہ میں تمہارے درمیان زندہ نہ رہوں۔ میرے نزدیک ظالموں کے ساتھ جینا مُردہ دلی اور زندگی کی توہین ہے۔

اثنائے سفر امام سے کئی لوگ ملے اور انہوں نے امام سے گفتگو بھی کی لیکن اُن میں سے زیادہ تر افراد وہ تھے جو سہل انگاری سے کام لیتے ہوئے دوسروں کو نصیحت کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ کسی نے کہا کہ مولا صورتحال خطرناک ہے۔ آپ خود کو موت کے منہ میں کیوں دھکیل رہے ہیں؟[3] اس طرح کے ایک شخص نے جب امام کو روکنا چاہا تو امام نے فرمایا کہ میرا جواب

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۶۶ ۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۲۸۔

۲۔ لہوف ص ۷۹۔

۳۔ بحار الانوار ج ۴۵ ص ۲۳۸۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۵۸۔

وہی ہے جو جناب رسول خداؐ کی رکاب میں لڑنے والے ایک انصاری نے اپنے اُس ابن عم کو دیا تھا جو اُسے جنگ میں جانے سے روکنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد امام نے اُس انصاری کے یہ اشعار پڑھے:

سَامْضِیْ وَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَى الْفَتٰی
اِذَا مَا نَوٰی حَقًّا وَجَاهَدَ مُسْلِما
وَ وَاسیَ الرِّجَالَ الصَّالِحِیْنَ بِنَفْسِہٖ
وَ فَارَقَ مَثْبُوْرًا وَخَالَفَ مُجْرِما
فَاِنْ عِشْتُ لَمْ اَنْدَمْ وَاِنْ مِتُّ لَمْ اَلَمْ
کَفٰی بِکَ ذُلًّا اَنْ تَعِیْش وَتُرْغَما

میں جا رہا ہوں۔ موت اُس جوان کے لئے باعث عار نہیں جس کی نیت یہ ہو کہ راہ حق میں مسلمان کی طرح جہاد کرے۔ جہاد رسوائی کا نہیں عزت کا باعث ہے کیونکہ یہ وہ موت ہے جو نیکوکاروں کے ساتھ ملحق کرتی ہے۔ راہ حق کے مخالفوں اور مجرموں سے لڑتے ہوئے جان دینا اعزاز کی بات ہے۔ اس جنگ میں یا تو میں بچوں گا یا مار دیا جاؤں گا۔ اگر بچ گیا تو رسوائی کا خوف نہیں اور اگر مر گیا تو اس بات کا غم نہیں۔[۱]

کَفٰی بِکَ ذُلًّا اَنْ تَعِیْش وَتُرْغَما. یعنی یہ ذلت تمہارے لئے کافی ہے کہ زندہ رہو اور تمہاری ناک رگڑ دی جائے۔ میں حسینؑ (جس نے فاطمہ زہراؑ کا دودھ پیا ہے) اس بات کو کبھی گوارا نہیں کرسکتا۔ میں عزت کی زندگی کے لئے سر کٹا تو سکتا ہوں لیکن جس میں سر جھکانا پڑے وہ زندگی میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

۱۔ امام حسینؑ نے یہ اشعار حضرت حرؑ کے جواب میں پڑھے تھے جنہوں نے اُن کی جان کو درپیش خطرے پر تشویش ظاہر کی تھی۔

پھر سفر کے دوران ہی اپنے ایک صحابی سے گفتگو فرماتے ہوئے آپ نے عظمت و کرامت و شرافت کی زندگی کو باعث ننگ و عار زندگی پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا تھا: اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِہٖ وَاَنَّ الْبَاطِلَ لَا یُتَنَاھٰی عَنْہُ. کیا تم دیکھتے نہیں ؟ کیا تمہاری آنکھیں کھلی ہوئی نہیں ہیں ؟ کیا تمہیں نظر نہیں آرہا کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ہر طرف فتنہ و فساد اور گمراہی پھیلی ہوئی ہے لیکن کوئی ان کو روکنے والا نہیں ؟ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں لِیَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِیْ لِقَآءِ اللّٰہِ مُحِقًّا۔[1] مومن پر فرض ہے کہ وہ موت کی تمنا کرے۔

امام حسینؑ نے کرامت و شرافت اپنے والد سے میراث میں پائی تھی۔ وہی علیؑ جنہیں جب اطلاع دی گئی کہ معاویہ کے لشکر نے "شہر انبار" میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے اور انہوں نے ایک غیر مسلم ذمی عورت کے گوشوارے چھین لئے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا: خدا کی قسم ! اگر کوئی مسلمان اس طرح کی خبر سن کر غم و غصے کی وجہ سے مرجائے تو میری نظر میں وہ قابل ملامت نہیں۔[2]

آیئے ! اب ہم روز عاشور کی طرف چلتے ہیں۔ امام حسینؑ کی زندگی کا چراغ گل ہونے کو ہے مگر یہاں بھی آپ کا سخن دل نواز ہے۔ یہاں بھی آپ عزت و شہامت کی بات کرتے ہیں۔ یہاں بھی آپ کے کلام کا مرکزی نکتہ اسلامی اخلاق اور اسلامی تربیت ہی ہے۔ جب ابن زیاد کا قاصد ابن زیاد

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۰۵۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۸۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱ ص ۲۱۳۔ مقتل الحسینؑ مقرم ص ۱۹۳۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۳۵۶۔

۲۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام خطبہ ۲۷، ص ۸۵۔ نہج البلاغہ، صبحی صالح خطبہ نمبر ۲۷۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ۲، ص ۷۴۔

کا پیغام لے کر آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے آقا سے کہدو لَا اُعْطِیْکُمْ بِیَدِیْ اِعْطَاءَ الذَّلِیْلِ وَلَا اِقْرَارَ الْعَبِیْدِ.[1] میں ذلت کے ساتھ کبھی اپنا ہاتھ تم لوگوں کے ہاتھ میں نہیں دوں گا۔ یہ محال ہے کہ میں ایک زرخرید غلام کی طرح معذرت کروں کہ میں غلط فہمی کا شکار ہوگیا تھا۔

اس سے بڑھ کر آپ کے اُن کلمات میں عزت و عزیمت موجزن ہے جب آپ آخری جنگ لڑ رہے تھے۔ آپ کے تمام اصحاب اور اعزا شہید ہوچکے تھے، آپ کی نگاہوں کے سامنے آپ کا کڑیل جوان شہید ہوچکا تھا، آپ کے بھائی کے بازو قلم ہوچکے تھے اور آپ چشم بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ کچھ ہی دیر میں اشقیاء اہل حرم کے خیموں پر ٹوٹ پڑیں گے اور انہیں قیدی بنالیں گے پھر بھی آپ جنگ کے دوران نعرہ لگا رہے تھے۔ اپنی قیادت پر مبنی حکومت کا نعرہ لیکن یہ نعرہ ایسا نہیں تھا کہ میری قیادت کو مانو۔ میں تمہارا آقا اور تم میرے محکوم ہو بلکہ آپ کا نعرہ اس معنی میں تھا کہ میں جو سراپا قیادت و سیادت ہوں، میری سیادت مجھے ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ میں کسی حقیر شخص کے سامنے جھکوں۔

اَلْمَوْتُ خَیْرٌ مِنْ رُکُوْبِ الْعَارِ وَالْعَارُ اَوْلٰی مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ

ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ موت ہمیشہ ذلت و رسوائی سے بہتر اور محبوب ہوتی ہے اور ننگ و عار یعنی دنیا کی ظاہری شکست آتش جہنم میں داخل ہونے سے بہرحال بہتر ہے۔[2]

یہ ہیں روح کی عظمت کے معنی۔ یہ ہے فرق بڑے آدمی میں اور محترم،

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۱۹۱ پر عبارت یہ ہے: وَاللّٰہِ لَا اُعْطِیْکُمْ بِیَدِیْ اِعْطَاءَ الذَّلِیْلِ وَلَا اَفِرُّ فِرَارَ الْعَبِیْدِ. جبکہ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۷ پر لکھا ہے کہ وَلَا اُقِرُّ لَکُمْ اِقْرَارَ الْعَبِیْدِ.

۲۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۱۹۲۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۹۹۔

معزز اور قابل تعظیم ہستی میں۔ ہاں! محترم و معزز آدمی بڑا ضرور ہوتا ہے لیکن ہر بڑا آدمی قابل تعظیم نہیں ہوتا۔ ہر بزرگ بزرگوار نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ایک بڑی ہستی کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں جو محترم اور معزز ہوتی ہے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے: اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتَ الزَّکٰوۃَ وَاَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَیْتَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔[1]

اگر ہم نادر شاہ کے سامنے کھڑے ہوں تو کیا کہیں گے؟ ظاہر ہے اُس کی تعریف کریں گے اور کہیں گے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہندوستان گئے، اُسے تباہ کیا اور وہاں سے ہمارے لئے کوہ نور ہیرا لوٹ کر لائے۔

لیکن جب ہم امام حسینؑ کی بارگاہ عالی وقار میں حاضری دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے نماز قائم کی، آپ نے زکوٰۃ دی آپ نے معروف اور منکر کا فرض انجام دیا۔ آپ نے عبد اور معبود کے درمیان رشتے کو نماز کے ذریعے مضبوط کیا۔ آپ نے خدا کی راہ میں جدوجہد کی۔ دنیا اور مال دنیا کی راہ میں نہیں۔ آپ جاہ طلب ''بڑے'' نہیں تھے۔ نہ آپ کوئی ''بڑا'' انتقام تھے، نہ آپ کینہ توز ''بڑے'' تھے، نہ آپ زر طلب ''بڑے'' تھے بلکہ آپ راہ خدا میں جہاد کرنے والے ''بڑے'' تھے۔ آپ نے اپنی انسانی جبلت کو بھلا کر خود کو ''خودی'' کی بھٹی میں پگھلا دیا تھا جس کے اثر سے عبد اور معبود کے درمیان فاصلے مٹ جاتے ہیں اَشْهَدُ اَنَّکَ جَاهَدْتَ فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔[2] میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے راہ خدا میں جہاد کا حق ادا کر دیا۔

آپ نے جہاد کیا لیکن آپ کا جہاد نفسانی خواہشات اور جاہ و حشم کے لئے نہیں بلکہ حق اور حقیقت کے لئے تھا۔

۱و۲۔ مفاتیح الجنان، زیارت وارثہ۔

مجلس ۴۲

دین کا ستون نماز

قرآن مجید میں ہے کہ بعض اہل جہنم اس حالت میں کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے ایک دوسرے سے پوچھیں گے مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ یعنی تمہیں کیا چیز جہنم میں کھینچ لائی ؟ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ. وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے۔ وَکُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ.[۱] اہل باطل دین کے خلاف جو باتیں کرتے ہم اس محفل میں وہ باتیں سنتے تھے یا پھر ہم خود ایسی ہی خلاف دین باتیں کیا کرتے تھے۔

یہیں سے پتا چلتا ہے کہ اسلام میں نماز کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ جناب رسول خداؐ نے کیوں فرمایا تھا کہ نماز خیمۂ دین کا ستون ہے؟ اس لئے کہ اگر نماز ہو اور اُسے صحیح طرح سے ادا کیا جائے تو باقی بھی تمام چیزیں صحیح ہو جاتی ہیں۔

امام علیؑ نے بھی اپنی آخری وصیت میں جو اللہ اللہ سے شروع ہوتی ہے اور جسے آپ بارہا سن چکے ہیں یہی فرمایا تھا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ ! بِالصَّلٰوۃِ فَاِنَّھَا عَمُوْدُ دِیْنِکُمْ.[۲] خدارا! نماز کو کبھی نہ چھوڑنا کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔

۱۔ سورۂ مدثر آیات ۴۲ تا ۴۵۔

۲۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، مکتوب نمبر ۴۷، ص ۹۶۸۔

امام حسینؑ کی آخری نماز

آپ جانتے ہیں کہ روز عاشور قتل کا بازار ظہر کے بعد گرم ہوا تھا یعنی ظہر عاشور تک امام حسینؑ اور اُن کے بیشتر اصحاب اور جوانان بنی ہاشم زندہ تھے۔ امام حسینؑ کے صرف ۳۰ اصحاب ظہر سے قبل دشمن کی طرف سے کی گئی تیر باری میں شہید ہو گئے تھے۔[۱] ورنہ باقی اصحاب ظہر عاشور تک زندہ تھے۔ امام حسینؑ کے اصحاب میں سے ایک صحابی نے جب دیکھا کہ نماز ظہر کا اول وقت ہوا چاہتا ہے۔[۲] تو خدمت امام میں آکر عرض کی کہ مولا نماز کا وقت ہوا چاہتا ہے اور ہماری خواہش ہے کہ ہم اپنی آخری نماز آپ کی اقتداء میں باجماعت ادا کریں۔

امام حسینؑ نے آسمان پر نگاہ ڈالی اور تصدیق فرمائی کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ یا ذَکَّرْتَ الصَّلٰوۃَ. یہاں اگر ذَکَّرْتَ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے یاد دلایا۔ ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَکَ اللّٰہُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ.[۳] تم نے خدا کو یاد رکھا۔ خدا تمہیں نماز گزاروں میں قرار دے۔ ایسا شخص جس نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھی ہوئی ہے اُس مجاہد کے لئے امام دعا فرما رہے ہیں کہ خدا تمہیں نماز گزاروں میں قرار دے۔ لہٰذا غور کیجئے کہ حقیقی نماز گزار کا خدا کے ہاں کیا مقام ہے۔

جی ہاں! درست ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں مگر ہمارے ہاں عین لڑائی کے دوران بھی نماز پڑھی جاتی ہے۔ وہ نماز جسے اسلامی فقہ میں نماز خوف کا نام دیا گیا ہے۔ نماز خوف، نماز مسافر کی طرح دو رکعت پڑھی جاتی ہے۔

۱۔ ابصار العین میں اُن شہدائے کربلا کے نام مذکور ہیں جو پہلے حملے میں شہید ہوئے تھے۔

۲۔ اُن صحابی کا نام ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ صائدیؒ تھا۔ منتہی الآمال معرب ج ۱ ص ۶۵۹۔

۳۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۲۱۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۴۴۔

چار رکعت نہیں۔ یعنی انسان اپنے وطن میں ہی کیوں نہ ہو اگر وہ حالت جنگ میں ہے تو ضروری ہے کہ صرف دو رکعت نماز پڑھے۔ جنگ کی صورت میں پوری نماز کا موقع نہیں ہوتا اس لئے وہاں شریعت کے حکم کے مطابق مُخَفَّف نماز پڑھی جائے گی۔ پھر اگر سب سپاہی نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں تو اُن کی دفاعی پوزیشن خراب ہو سکتی ہے لہٰذا آدھے سپاہی دشمن کے مقابلے میں کھڑے رہتے ہیں اور آدھے سپاہی امام کے پیچھے ایک رکعت نماز پڑھتے ہیں اور دوسری رکعت فرادیٰ پڑھ کر نماز مکمل کرتے ہیں۔ اس دوران امام جماعت انتظار میں بیٹھا یا کھڑا رہتا ہے تاکہ اُس کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے دوسری رکعت مکمل کر کے اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں اور دوسرے سپاہی آ کر امام کی دوسری رکعت میں شامل ہو جائیں اور اپنی نماز مکمل کریں۔

امام حسینؑ نے بھی ایسی ہی نماز خوف پڑھی تھی لیکن امام حسینؑ کی کیفیت ایک خاص طرح کی تھی۔ آپ دشمنوں سے زیادہ دور نہیں تھے اس لئے آپ کے اصحاب جو دفاع کر رہے تھے آپ کے بالکل نزدیک کھڑے تھے لیکن بے غیرت دشمن نے انہیں چین سے نماز بھی نہیں پڑھنے دی۔ جس وقت امام حسینؑ نماز پڑھ رہے تھے دشمن نے تیر اندازی شروع کر دی۔ تیروں کے ساتھ ساتھ وہ زبان سے بھی کچھ کے لگا رہے تھے۔ وہ ملعون کہہ رہے تھے حسینؑ نماز مت پڑھو! تمہاری نماز کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم نے حاکم وقت یزید کے خلاف بغاوت کی ہے اس لئے تمہاری نماز قبول نہیں۔[1]

سعید بن عبد اللہ ''شہید نماز''

امام حسینؑ کے ایک یا دو اصحاب نے خود کو امام کے لئے ڈھال بنایا ہوا

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۲۱۔

تھا تا کہ وہ دشمن کے تیروں کو اپنے جسم پر روکیں تاکہ امام نماز پڑھ لیں۔ جب یہ دونوں اصحاب زمین پر گرے ہیں اُسی وقت امام حسینؑ نے نماز ختم کی تھی۔ اُن میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی تھے۔ جب امام اُن کے سرہانے پہنچے تو یہ اپنی آخری سانسیں لے رہے تھے۔ جونہی امام نے اُن کا سر اپنے زانو پر رکھا انہوں نے ایک عجیب بات کہی۔ انہوں نے کہا: يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَوْفَيْتُ؟[1] مولا کیا میں نے وفا کا حق کر دیا؟ یعنی ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب بھی یہی سوچ رہے تھے کہ حسینؑ کا حق اتنا عظیم ہے کہ اتنی سی فداکاری سے اُسے ادا کرنا کافی ہو؟ یہ تھی صحرائے کربلا میں امام حسینؑ کی ایک نماز۔

امام حسینؑ کے آخری رکوع و سجود

اس نماز میں امام حسینؑ نے تکبیر بھی کہی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ بھی پڑھا۔ بِحَوْلِ اللّٰهِ وَقُوَّتِهٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ.[2] بھی کہا۔ رکوع بھی کیا۔ سجود بھی بجا لائے لیکن دو تین گھنٹوں کے بعد امام حسینؑ کو ایک اور نماز پڑھنا تھی جس کا رکوع بھی الگ تھا، سجدہ بھی الگ تھا اور ذکر بھی الگ تھا۔ اس نماز کا رکوع اُس وقت ادا ہوا جب امام کے سینۂ اقدس پر آ کر تیر لگا اور امام حسینؑ کو مجبوراً حالت رکوع کی طرح جھک کر اپنی پشت مبارک سے تیر نکالنا پڑا۔ پھر آپ کو علم ہے کہ امام حسینؑ نے آخری سجدہ کیسے کیا؟ یہ سجدہ پیشانی پر ادا نہیں ہوا اس لئے کہ جب آپ پشت فرس سے زمین پر گرے تو آپ کا دایاں رخسار کربلا کی گرم زمین کو چھو رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ ذکر تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ مقتل الحسینؑ، مقرم ص ۲۴۴۔

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۹۸۔

مجلس ۴۳

آخری وداع پر امام حسینؑ کے الفاظ

جب انسان اُن الفاظ کا جائزہ لیتا ہے جو امام حسینؑ نے اپنے اہلبیتؑ سے آخری وداع کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے تو وہ حیرت کے سمندر میں ڈوب کر سوچنے لگتا ہے کہ خدایا یہ کیسا ایمان اور کیسا اطمینان ہے جو حسینؑ کو حاصل ہے اور انہوں نے یہ ایمان و اطمینان اور اس طرح کے اعلیٰ جذبات اور حوصلہ کہاں سے حاصل کیا ہے؟

کتابوں میں تحریر ہے: ثُمَّ وَدَّعَ ثَانِیًا اَهْلَ بَیْتِهٖ. جب امام دوسری مرتبہ خدا حافظی کے لئے آئے تو اپنے اہلبیتؑ سے فرمایا: اِسْتَعِدُّوْ لِلْبَلآءِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ حَافِظُکُمْ وَحَامِیْکُمْ. خود کو سختیاں برداشت کرنے کے لئے تیار کرلو اور جان لو کہ خدا تمہارا حامی و ناصر ہے۔ وَسَیُنْجِیْکُمْ مِنْ شَرِّ الْاَعْدَآءِ وَیَجْعَلُ عَاقِبَةَ اَمْرِکُمْ اِلٰی خَیْرٍ. اللہ تمہیں دشمنوں کے شر سے بچائے گا اور تمہارا انجام بخیر ہوگا۔ وَیُعَذِّبُ اَعَادِیْکُمْ بِاَنْوَاعِ الْبَلآءِ وَیُعَوِّضُکُمُ اللّٰهُ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِیَّةِ بِاَنْوَاعِ النِّعَمِ وَالْکَرَامَةِ. اللہ تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا فرمائے گا اور تمہیں ان سختیوں کے عوض قسم قسم کی نعمتوں اور عزتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ فَلَا تَشْکُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا بِاَلْسِنَتِکُمْ مَا یَنْقُصُ مِنْ قَدْرِکُمْ.[1] خبردار! حرف شکایت زبان

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۹۸۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۹۱۔

پر نہ لانا اور کوئی ایسی بات نہ کہنا جو تمہارے مقام کو گھٹا دے۔

امام حسینؑ کو اپنی فتح پر جو اطمینان اور یقین تھا اور جس کی وجہ سے آپ اپنے اہلبیتؑ کو صبر وتحمل کی تلقین فرما رہے تھے اُس کا سرچشمہ قرآن کی وہی آیت ہے جس میں ارشاد پروردگار ہے: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا. یعنی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اُس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا سامان پیدا کردیتا ہے۔[1] یہ ضمانت امام حسینؑ نے قرآن سے حاصل کی تھی۔ یہ اُسی اطمینان اور ایمان کی ایک قسم ہے جو حضرت یوسفؑ کو اُس وقت حاصل ہوا تھا جب وہ اپنے تقویٰ کے نتیجے میں کامیاب ہوکر نہایت ہی خوشی اور رضامندی سے کہہ رہے تھے: اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ. یعنی جو شخص خدا سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو بے شک خدا نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔[2]

لیکن امام حسینؑ کا کمال یہ ہے کہ اس قضیے کے اختتام سے پہلے اور قبل اس کے کہ لوگ کوئی نتیجہ نکال سکیں آپ اس قضیے کا نتیجہ دیکھ رہے تھے۔

دربار یزید میں زینب کبریٰؑ کی گفتگو

امام حسینؑ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ آپ کے اہلبیتؑ کے دلوں میں نقش ہوگئے۔ انہوں نے تمام مصائب برداشت کئے لیکن صبر اور تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ چنانچہ وہی نتیجہ نکلا جس کا امام حسینؑ نے اُن سے وعدہ فرمایا تھا اور جس کی خدا نے قرآن میں ضمانت دی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ چند ہی دنوں کے بعد جناب زینب کبریٰ نے امام حسینؑ کے

۱۔ سورۂ طلاق: آیت ۲۔

۲۔ سورۂ یوسف: آیت ۹۰۔

وہی جملے دوسرے الفاظ میں یزید کے دربار میں نہایت ہی اطمینان قلب کے ساتھ کہے۔ کربلا کی روح ملوکیت کا چہرہ صحرا میں نوچ آئی تھی اب سرعام اس پر طمانچے لگ رہے تھے۔ بنت علیؑ نے فرمایا: فَكِدْ كَيْدَكَ وَاسْعَ سَعْيَكَ وَنَاصِبْ جُهْدَكَ فَوَاللّٰهِ لَا تَمْحُوا ذِكْرَنَا وَلَا تُمِيتُ وَحْيَنَا وَلَا تُدْرِكُ اَمَدَنَا وَلَا تُرْحَضُ عَنْكَ عَارُهَا[1] اے یزید! (تونے اپنی قبر خود کھود لی ہے) تو جو مکر کرسکتا ہے کر کے دیکھ لے اور جتنی کوشش تجھ سے ہوسکتی ہے کر کے دیکھ لے۔ خدا کی قسم! تو ہماری محبت اور محبوبیت کو جو لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہے کبھی مٹا نہیں سکے گا۔ ہمارے خاندان میں ''وحی'' نے جو زندگی حاصل کی ہے تو اُسے موت کی نیند سلا نہیں سکے گا۔ تیرے لئے تو اس دنیا میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۵۔

مجلس ۴۴

خدیجہؑ کے لئے رسول خداؐ کا رونا

نعوذ باللہ رسول خداؐ اور جناب خدیجہ کا باہمی تعلق پست حیوانی اور شہوانی خواہشات کے تحت نہیں تھا اور یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جناب خدیجہؑ، آنحضرتؐ سے ۱۵ سال بڑی تھیں۔ چنانچہ اُن کی رحلت کے بعد بھی جب کبھی جناب خدیجہؑ کا ذکر آتا تو آنحضرتؐ بڑے احترام کے ساتھ ان کا ذکر فرماتے بلکہ بسا اوقات تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے جو بی بی عائشہؓ کو ناگوار گزرتے تھے۔[۱] بی بی عائشہؓ چونکہ جوان تھیں اور انہیں اپنی جوانی پر ناز تھا اس لئے انہوں نے ایک دفعہ آنحضرتؐ سے کہہ بھی دیا کہ ایک بوڑھی عورت اتنی اہم تو نہیں ہوتی جتنی آپ خدیجہؑ کو اہمیت دیتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا کہہ رہی ہو؟ خدیجہؑ کی بات ہی کچھ اور تھی۔[۲]

اسماء کو جناب خدیجہؑ کی وصیت

جناب امیرؑ اور جناب زہراؑ کی شادی کی رات جیسا کہ عام معمول تھا بلکہ شاید آج کل بھی کچھ دیہاتی علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جب دولہا اور دلہن کو کمرے میں لے جاتے ہیں تو عورتیں جمع ہو کر کمرے کے پچھواڑے بیٹھ جاتی ہیں۔ امام علیؑ اور جناب زہراؑ کی شادی کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔

۱۔ بحار الانوار ج ۱۶، ص ۱ تا ۸۱۔

۲۔ سیرت حلبیہ ج ۳، ص ۳۱۳۔ کحل البصر ص ۷۰۔

چنانچہ رسول خداؐ نے فرمایا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ حجرے کے پچھواڑے بیٹھے۔ لہٰذا سب عورتیں وہاں سے چلی گئیں۔

کچھ دیر کے بعد جب رسول خداؐ حجرے کے پچھواڑے سے گزرے تو دیکھا کہ اسماء بنت عمیس حجرے کے قریب بیٹھی ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ کوئی یہاں نہ بیٹھے۔ پھر تم کیوں نہیں گئیں؟ اسماء نے کہا: یارسول اللہؐ! مرتے وقت جناب خدیجہؑ نے مجھ سے وصیت کی تھی کہ مجھے اپنی بیٹی فاطمہؑ کی بڑی فکر ہے کیونکہ ابھی وہ کمسن ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ شادی کی رات میری بیٹی کو میری ضرورت ہوگی کیونکہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہر بیٹی کو اس رات ماں کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس میں تم کو وصیت کرتی ہوں کہ شادی کی رات میری فاطمہؑ کا خیال رکھنا۔

اسماء کہتی ہیں کہ جب میں نے خدیجہؑ کا نام لیا تو رسول خداؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: پس تم یہیں رہو۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! میں یہیں پر ہوں تاکہ اگر زہراؑ آواز دے اور اُسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں اُسے پورا کرسکوں۔[1]

جناب ربابؑ اور جناب سکینہؑ سے امام حسینؑ کی محبت

امام حسینؑ کی ازواج میں سے ایک کا نام ربابؑ تھا[2] اور صرف یہی بی بی

۱۔ بحار الانوار ج ۴۳، ص ۱۳۸۔

۲۔ امام زین العابدینؑ کی والدہ جناب شہربانو حالت زچگی میں فوت ہوگئی تھیں۔ شہزادہ علی اکبرؑ کی والدہ جناب لیلیٰ بھی کربلا میں موجود نہیں تھیں۔ اُن کے بارے میں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ مدینہ سے روانگی کے وقت قافلے کے ساتھ تھیں یا نہیں۔ البتہ یہ بات مسلم ہے کہ وہ کربلا میں موجود نہیں تھیں۔ (استاد شہید مطہری)

امام حسینؑ کی ازواج میں صرف رباب بنت امراء القیس کلبی سفر کربلا میں امام کے ہمراہ تھیں۔ دیکھئے: تاریخ عاشورا، ص ۱۹۹ از ڈاکٹر ابراہیم آیتی، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی۔

کربلا میں موجود تھیں۔ جناب ربابؑ جناب سکینہؑ کی والدہ تھیں۔ امام حسینؑ کو اپنی اس زوجہ کی وفاداری پر اتنا فخر تھا کہ آپ نے اُن کے لئے یہ رباعی کہی تھی:

لَعَمْرُکَ اِنَّنِیْ لَاُحِبُّ دَارًا تَکُوْنُ بِهَا السُّکَیْنَةُ وَالرُّبَابُ
اُحِبُّهُمَا وَاَبْذُلُ جُلَّ مَالِیْ وَلَیْسَ لِعَاتِبٍ عِنْدِیْ عِتَابُ

جان سے عزیز دوست کی قسم! میں اُس گھر میں رہنا پسند کرتا ہوں جس میں ربابؑ اور سکینہؑ ہوں۔ مجھے ان دونوں سے بڑی محبت ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنا تمام مال ان پر خرچ کر دوں اور کوئی مجھے اس سے نہ روکے۔[1]

دیکھا آپ نے جو اولیائے حق ہوتے ہیں اُن کے تعلقات کیسے ہوتے ہیں؟ ایسی ہی ازواج کے بارے میں ارشاد ہوا: اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ. (اُن سے کہا جائے گا) تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ تم نہال کر دیئے جاؤ گے۔[2]

ربابؑ امام حسینؑ کے سوگ میں

جناب ربابؑ ایک طویل عرصے تک نہ تو چھت کے نیچے بیٹھیں نہ ہی انہوں نے اچھی غذا کھائی۔ وہ اکثر روتی رہتی تھیں۔ جب اُن سے پوچھا جاتا کہ آپ سائے میں کیوں نہیں بیٹھتیں؟ تو کہا کرتی تھیں کہ جب میں نے اپنے والی کے لاشے کو سورج کی تیز دھوپ میں پڑے دیکھا تھا[3] (استاد مطہری گریہ کرتے ہیں) میں نے چھاؤں میں نہ بیٹھنے کا عہد کر لیا تھا۔

اس بی بی اور امام حسینؑ کے درمیان ایسا گہرا اور مخلصانہ رشتہ تھا کہ یہ بی بی اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ. کی مصداق قرار پائیں۔

۱۔ دمع السجوم ص ۳۱۱۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۸۲۵۔

۲۔ سورۂ زخرف: آیت ۷۰۔

۳۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۸۱۹۔

بیٹی سکینہؑ میرے دل کو مزید نہ تڑپاؤ

جیسا کہ مذکورہ بالا اشعار سے ظاہر ہے امام حسینؑ کو سکینہؑ سے بے پناہ محبت تھی۔ یہ محبت دو طرفہ تھی۔ سکینہؑ بھی اپنے بابا کو بہت چاہتی تھیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ سکینہؑ سے محبت امام حسینؑ کے لئے بہت بڑا امتحان تھی۔ یہ آپ کی وہ لاڈلی بیٹی تھی جس کے بغیر آپ ایک لحہ نہیں رہ سکتے تھے۔ جب امام حسینؑ الوداع کے لئے تشریف لائے اور سکینہؑ نے رونا شروع کیا تو امام نے کہا:

سَیَطُوْلُ بَعْدِیْ یَاسُکَیْنَۃُ فَاعْلَمِیْ   مِنْکِ الْبُکَآءُ اِذِ الْحِمَامُ دَعَانِیْ [۱]

لَا تُحْرِقِیْ قَلْبِیْ بِدَمْعِکِ حَسْرَۃً   مَا دَامَ مِنِّی الرُّوْحُ فِیْ جُثْمَانِیْ

فَاِذَا قُتِلْتُ فَاَنْتِ اَوْلٰی بِالَّذِیْ   تَاْتِیْنَہٗ [۲] یَا خِیْرَۃَ النِّسْوَانِ [۳]

سکینہؑ جان! ابھی نہ روؤ۔ میرے بعد تمہیں بہت رونا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں تم آنسو نہ بہانا۔ اپنے آنسو میرے بعد کے لئے روک کر رکھو۔ اس کے بعد فرمایا: لَا تُحْرِقِیْ قَلْبِیْ بِدَمْعِکِ حَسْرَۃً. جان پدر! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے آنسو دیکھ کر میرا دل تڑپ اٹھتا ہے اس لئے میرے دل کو مزید نہ تڑپاؤ۔

ہاں جب میری روح میرے جسم سے جدا ہو جائے تب تمہیں اختیار ہے تم جتنا چاہو گریہ کرو لیکن بیٹی جب تک تیرا باپ زندہ ہے تمہارے آنسوؤں کو دیکھ کر اس کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔ اس لئے تم میرے بعد سب سے زیادہ رونے کی حقدار ہو۔

۱۔ بعض تاریخی منابع میں دَعَانِیْ کی جگہ دَھَانِیْ لکھا ہے۔

۲۔ بعض تاریخی منابع میں تَاْتِیْنَہٗ کی جگہ تَاْتِیْنِیْ لکھا ہے۔

۳۔ دمع السجوم ص ۱۸۴۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۹۱۔

مجلس ۴۵

ہَیہَاتَ مِنَّا الذِلَّۃُ

امام حسینؑ نے عاشور کے دن جو اشعار پڑھے وہ مختلف نوعیت کے ہیں۔ اُن میں سے بعض خود امام حسینؑ نے کہے ہیں جبکہ بعض ایسے ہیں جو دوسروں نے کہے ہیں اور امام حسینؑ نے پڑھے ہیں مثال کے طور پر جوش اور جذبے سے بھرے ہوئے وہ اشعار جو فروۃ بن مُسَیک نے کہے ہیں۔

وہ اشعار جو امام حسینؑ نے خود روز عاشور کہے اُن کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

اَلْمَوْتُ اَوْلٰی مِنْ رُکُوْبِ الْعَارِ   وَالْعَارُ اَوْلٰی مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ[۱]

ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ موت ہمیشہ ذلت و رسوائی سے بہتر اور محبوب ہوتی ہے اور ننگ و عار یعنی دنیا کی ظاہری شکست آتش جہنم میں داخل ہونے سے بہر حال بہتر ہے۔

یہ نعرہ جو امام حسینؑ نے بلند فرمایا تھا اس کا نام شعار آزادی، شعار عزت اور شعار شرافت ہونا چاہیے۔ یعنی ایک حقیقی مسلمان کے لئے ذلت و خواری کی زندگی سے بہتر ہے کہ وہ مر جائے۔

دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر امام حسینؑ اپنا اور اپنے جوانوں کے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کے لئے تیار ہیں تو کس لئے؟ اس لئے کہ

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۱۹۲۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۹۹۔

حسینؑ آغوش رسالتؐ کے پروردہ ہیں۔ اس لئے کہ اُن کی رگوں میں علیؑ کا خون دوڑ رہا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے فاطمہ زہرؑا کا دودھ پیا ہے۔[1]

روز عاشور جب ظاہری طور پر ساری اُمیدیں ختم ہوچکی تھیں تو آپ نے ایک خطبہ دیا جو جذبات کے ساتھ ساتھ حرارت سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے گویا امام حسینؑ کی زبان شعلے اگل رہی ہے جن کی تپش ناقابل برداشت ہے۔ کیا یہ کلمات محض مذاق کہے جا سکتے ہیں: اَلا وَاِنَّ الدَّعِیَّ ابْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَکَزَ بَیْنَ اثْنَتَیْنِ بَیْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَهَیْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ.[2] اے لوگو! دیکھو یہ مادر بخطا باپ کا مادر بخطا بیٹا (ابن زیاد) کس طرح مجھ ابن فاطمہؑ سے یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ اے حسینؑ! تمہیں دو باتوں میں سے ایک قبول کرنا ہوگی یا ذلت یا پھر موت۔ جاؤ! اپنے حاکم کو بتا دو کہ حسینؑ کے لئے ذلت ناقابل برداشت ہے۔

ابن زیاد کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے۔ اس کے سفاک باپ نے بیس سال پہلے اہل کوفہ پر اس طرح ظلم کیا کہ جب انہیں پتا چلا کہ ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا ہے تو وہ خوف کے مارے اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے کیونکہ کوفے والے جانتے تھے کہ یہ بھی اپنے باپ کی طرح فولادی آدمی ہے اور لوگوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گا۔[3]

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۹ اور ۸۳۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۲۳۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۸۳۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۲۵۔

۳۔ زیاد وہ شخص تھا جس نے کوفہ اور بصرہ میں شیعوں کو گرفتار کیا، اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے اُن کی آنکھوں میں سلائیاں پھیریں اور تختۂ دار پر لٹکایا۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید ج ۱۱، ص ۴۴۔ الفتوح جلد ۴، ص ۳۲۰) اسی خبیث نے سب سے پہلے اسلام میں ہاتھ پاؤں باندھ کر قتل کرنے کی روایت ڈالی اور محبت علیؑ کے جرم میں عبدالرحمٰن بن حسان کو بقول ابن خلدون اور ابن اثیر زندہ دفن کر دیا۔ شفاء الصدور ج ۱، ص ۳۱۵۔

یہ ابن زیاد جب گورنر بن کر کوفہ آیا تو اُس کے باپ کا کوفہ والوں پر جو رعب تھا اُسی کی وجہ سے وہ مسلم بن عقیلؑ کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

فاطمہؑ کی گود کا پالا ذلت برداشت نہیں کر سکتا

امام حسینؑ نے اہل کوفہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اَلَا وَاِنَّ الدَّعِیَّ ابْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَکَزَ بَیْنَ اثْنَتَیْنِ بَیْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ. (استاد مطہری روتے ہیں) تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے حاکم نے مجھے کیا تجویز پیش کی ہے؟ وہ کہتا ہے حسینؑ یا تو ذلت قبول کر لو یا تلوار بے نیام کر لو اس لئے اپنے حاکم کو بتا دو کہ حسینؑ کہتا ہے: هَیْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ. "ذلت ہم سے کوسوں دور ہے۔" ہم ہتھیار ڈال کر ذلت قبول نہیں کریں گے (استاد مطہری روتے ہیں) کیا وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی اُس جیسا ہوں یَأْبَی اللّٰهُ ذَالِکَ لَنَا وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَحُجُوْرٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ. (استاد روتے ہیں) خدا چاہتا ہے کہ حسینؑ اس طرح ہو۔ مگر تم نہیں جانتے۔

وہ کم نسل نہیں جانتا کہ میں کس آغوش میں پلا ہوں۔ میں پروردۂ آغوش رسالت ہوں۔ میں علیؑ کی گود کا پالا ہوں۔ میں نے بنت رسول فاطمہ زہراؑ کا دودھ پیا ہے (شہید مطہری مسلسل گریہ کر رہے ہیں)۔ کیا وہ جس نے شیر زہراؑ پیا ہے وہ ابن زیاد کی ذلت اور اسیری قبول کر سکتا ہے؟ هَیْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ. ذلت ہم سے کوسوں دور ہے!

روز عاشور امام حسینؑ کے نعرے اسی نوعیت کے تھے۔ لہٰذا میرے وہ برادران گرامی جو اپنے اپنے دستوں کے لئے نعرے ترتیب دیتے ہیں اُن سے میری گزارش ہے کہ وہ ذرا غور کریں کہ کیا آپ کے نعرے شعار حسینؑ کے مطابق ہیں یا نہیں؟

روز عاشورا امام حسینؑ کی پیاس

امام حسینؑ، آپ کے اہلبیتؑ اور اصحاب کی پیاس کوئی مذاق نہیں ہے۔ اُس وقت ہوا شدید گرم تھی (عاشورا غالباً جون کے آخری دنوں میں پڑا تھا اور عراق میں گرمیوں میں شدید گرمی پڑتی ہے۔ جہاں سردیوں میں بھی گرمی لگتی ہو وہاں گرمیوں میں کیا حال ہوتا ہوگا؟) تین دن سے آل رسولؐ پر پانی بند تھا۔ ایک اور بات یہ ہے کہ قدرتی طور پر جب جسم سے زیادہ خون بہہ جاتا ہے تو تازہ خون کی ضرورت ہوتی ہے اور پیاس بہت بڑھ جاتی ہے۔

خدا نے جسم انسانی کو اس طرح بنایا ہے کہ جب جسم کسی چیز کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ افراد جن کے جسم پر زخم لگتے ہیں اُن پر پیاس غالب آجاتی ہے اس لئے کہ اُن کے جسم سے کافی زیادہ خون بہہ چکا ہوتا ہے۔ جسم ایسے میں مزید خون بنانا چاہتا ہے جس کے لئے اُسے پانی درکار ہوتا ہے یَحُوْلُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ السَّمَآءِ الْعَطَشُ.[1] زخموں سے چور امام حسینؑ اتنے زیادہ پیاسے تھے کہ جب سر اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھتے تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا۔ یہ کوئی مذاق نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ میں نے کتب مقاتل میں بہت تلاش کیا لیکن مجھے تلاش بسیار کے باوجود امام حسینؑ سے منسوب مشہور جملہ اُسْقُوْنِیْ شَرْبَةً مِّنَ الْمَآءِ.[2] (مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو) کہیں نہیں ملا۔ اس لئے کہ امام حسینؑ کی ذات گرامی اس بات سے بہت بلند ہے کہ آپ اُن لوگوں سے پانی مانگتے۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۲۴۵ پر عبارت اس طرح ہے: یَحُوْلُ الْعَطَشُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ السَّمَآءِ کَالدُّخَانِ.

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۳۵۱۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۵۰۰۔

ہاں ! فقط ایک جگہ میں نے لکھا دیکھا ہے کہ جب امام حسینؑ جنگ کر رہے تھے وَهُوَ يَطْلُبُ الْمَآءَ.[1] (آپ پانی تلاش کر رہے تھے)۔ قرائن سے پتا چلتا ہے کہ ان الفاظ سے مراد یہ ہے کہ جب آپ نہر فرات کے قریب لڑ رہے تھے تو پانی تک پہنچنا چاہتے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ آپ اُن لوگوں سے پانی مانگ رہے تھے۔

نوحہ اور ماتم

امام حسینؑ کی عظمت الگ چیز ہے اور ہم لوگ بالکل الگ چیز ہیں۔ امام حسینؑ کے شعار بھی بالکل الگ قسم کے ہیں۔ جب ہم ماتم کرتے ہیں اور نوحہ پڑھتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہمارے نوحوں کے بول بھی حسینی شعار کی مانند ہوں۔ نوحہ اور مرثیہ پڑھنا نہایت ہی بہترین کام ہے۔ ائمہ طاہرینؑ شاعروں کو بلوا بھیجتے تھے تاکہ وہ مجلس حسینؑ میں مصائب بیان کریں۔ چنانچہ شعراء آتے تھے، مرثیہ پڑھتے تھے اور ائمہ طاہرینؑ گریہ فرماتے تھے۔[2]

میں نوحہ خوانی، سینہ زنی اور زنجیر زنی[3] سب کے حق میں ہوں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس میں جو شعار دیے جائیں وہ خودساختہ نہ ہوں بلکہ حسینی شعار ہوں مثلاً جب کہا جاتا ہے کہ نوجواں اکبر من، نوجواں اصغر من تو یہ حسینی شعار نہیں ہے۔ حسینی شعار کی نوعیت کچھ یوں ہوتی ہے: اَلَا تَرَوْنَ

۱۔ موسوعة كلمات الامام الحسنؑ ص ۴۹۵۔

۲۔ دمع السجوم ص ۲۹۵۔ مقتل الحسینؑ، مقرم ص ۱۱۱۔

۳۔ استاد شہید مطہری اُس زنجیر زنی کی بات کر رہے ہیں جو ایران میں ہوتی ہے۔ اُس میں چھریاں نہیں ہوتیں۔ وہ زنجیریں ننگی پیٹھ پر نہیں بلکہ قمیص یا کوٹ کے اوپر ماری جاتی ہیں اور اُس میں خون نہیں بہتا۔ (رضوانی)

اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِہٖ وَاَنَّ الْبَاطِلَ لَا یُتَنَاھٰی عَنْہُ لِیَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِیْ لِقَآءِ اللّٰہِ مُحِقًّا۔[1] کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل کا راستا نہیں روکا جا رہا۔ جب ایسی صورت ہو جائے تو مردِ مومن خدا سے ملنے کے لئے راہِ شہادت میں قدم بڑھاتا ہے۔ یہاں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ حسینؑ وہ ہے یا امام وہ ہے بلکہ فرمایا مومن وہ ہے جو ایسی زندگی پر اپنے پروردگار سے ملاقات کو ترجیح دیتا ہے۔

حسینی شعار یہ ہے کہ اِنِّیْ لَا اَرَی الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَۃً وَالْحَیَاۃَ مَعَ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا بَرَمًا۔[2] امام حسینؑ کا ہر جملہ سنہری حرفوں سے لکھے جانے اور پوری دنیا میں پھیلانے کے قابل ہے تاکہ دنیا آپ کی تحریک کی حقیقت جان سکے۔ یہ کہنا کہ موت میرے لئے افتخار ہے اور ظالموں کے ساتھ ذلت کی زندگی گزارنا زندگی کی توہین ہے کوئی معمولی بات نہیں۔

مرا عار آید از این زندگی
کہ سالار باشم کنم بندگی

مجھے ایسی زندگی سے شرم آتی ہے جس میں سالار ہوتے ہوئے میں غلام کی طرح زندہ رہوں۔

امام حسینؑ کے شعار حیات بخش ہیں: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ۔[3]

مومنو! جب خدا اور اُس کا رسول تمہیں کسی ایسے کام کے لئے بلائے جو تم کو حیاتِ جاوید بخشتا ہو تو خدا اور اُس کے رسول کا حکم مانو۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۸۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۱۳۔

۲۔ لہوف ص ۹۷۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۸۱۔

۳۔ سورۂ انفال: آیت ۲۴۔

امام حسینؑ ایک مصلح ہیں۔ یہ لفظ مصلح خود امام حسینؑ نے اپنے لئے استعمال فرمایا جب آپ نے فرمایا: اِنِّی لَمْ اَخْرُجْ اَشِرًا وَّلَا بَطِرًا وَّلَا مُفْسِدًا وَّلَا ظَالِمًا وَاِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّۃِ جَدِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اٰمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْھٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَسِیْرُ بِسِیْرَۃِ جَدِّیْ وَاَبِیْ۔[1]
میری تحریک کا مقصد نہ زیادتی ہے نہ سرکشی اور نہ ہی یہ نفسانیت پر مبنی ہے۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ فساد پھیلاؤں یا کسی پر ظلم کروں۔ میں تو اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لئے نکلا ہوں اور اپنے اَب وجد کی سیرت کی پیروی کر رہا ہوں۔

آپ نے یہ جملہ اُس خط میں اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو لکھا تھا جو ایک لحاظ سے وصیت نامہ بھی تھا۔ محمد بن حنفیہ معذور تھے۔[2] آپ کے ہاتھ مفلوج ہو چکے تھے۔ اُن میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ امام حسینؑ کے ساتھ سفر کر سکتے۔ چنانچہ امام نے یہ وصیت نامہ اُن کے سپرد کیا تاکہ دنیا آپ کی تحریک کے مقصد سے آگاہ ہو سکے۔

حسینؑ یہ کہہ رہے ہیں کہ اے دنیا والو! میں دوسروں جیسا نہیں ہوں۔ میرا انقلاب اس لئے نہیں ہے کہ خود کسی منصب تک پہنچوں یا دولت دنیا سمیٹوں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ دنیا یہ حقیقت جان لے کہ میرا قیام امت کی اصلاح کے لئے ہے۔ میں اپنے جد کی امت کا مصلح ہوں۔ (یہ خط امام نے مدینہ میں تحریر فرمایا تھا) میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنا

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۲۹۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۲۹۱۔

۲۔ تنقیح المقال ج ۳، ص ۱۱۲ پر ہے کہ علامہ حلی نے مھنا بن سنان کے سوالات کے جواب میں کہا تھا کہ محمد بن حنفیہ امام حسینؑ کی نصرت اس لئے نہ کر سکے کہ وہ بیمار تھے جبکہ مقتل الحسینؑ از مقرم کے حاشیہ ص ۱۳۵ پر ہے کہ ابن نما حلی فرماتے ہیں: محمد بن حنفیہ کو ایک ایسا زخم ہو گیا تھا کہ وہ امام حسینؑ کے ہمراہ نہیں جا سکتے تھے۔

چاہتا ہوں۔ میرا مقصد سیرت رسولؐ کو جو کہ مردہ ہو چکی ہے زندہ کرنا ہے۔ علی مرتضیٰؑ کی سیرت بھی مردہ ہو چکی ہے اور میں اُسے زندہ کرنا چاہتا ہوں۔

عاشورا کو زندہ رکھنے کا فلسفہ

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اطہارؑ نے عاشورا کو ایک مکتب کے طور پر زندہ رکھنے کی اس قدر تاکید کیوں فرمائی ہے اور عزاداری کے لئے اتنا زیادہ اجر و ثواب کیوں بیان کیا گیا ہے؟ انہوں نے عزاداری کا جو ثواب بیان کیا ہے کیا یہ اتنا ہی ثواب ہے جو ہم اپنے ماں باپ کے مرنے پر ایصال کرتے ہیں؟ نہیں — اس لئے نہیں کیونکہ ہمارے مرنے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہمارے مرنے میں نہ تو کوئی سوچ ہے اور نہ ہی کوئی ہدف۔ ائمہ اطہارؑ اس وجہ سے عاشورا کو زندہ رکھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ عاشورا کے ذریعے صرف امام حسینؑ کی یاد کو ہی نہیں بلکہ اُن کے مکتب کو زندہ رکھا جائے۔ اس مکتب کا مثالی نمونہ امام حسینؑ کی ذات ہے۔ امام حسینؑ ایک فکر کی صورت میں زندہ ہیں۔ اگرچہ آج امام حسینؑ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن اُن کے کردار کی قوت زندہ ہے۔ ہر سال جب محرم طلوع ہوتا ہے تو امام حسینؑ کے پیغام کی گونج فضا میں سنائی دیتی ہے: اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِهٖ وَاَنَّ الْبَاطِلَ لَا یُتَنَاهٰی عَنْهُ لِیَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِیْ لِقَآءِ اللّٰهِ مُحِقًّا تاکہ شیعوں میں زندگی اور ولولہ پیدا ہو۔ اُن میں حق کی حمایت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا غلغلہ بلند ہو اور وہ آگے بڑھ کر مسلمانوں میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں کی اصلاح کا علم اٹھالیں۔

عاشورا تجدید حیات کا دن ہے

اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ تم لوگ جو روز عاشور حسینؑ۔ حسینؑ کرتے ہو

اور اپنا سر و سینہ پیٹتے ہو آخر اس کے ذریعے دنیا کو کیا پیغام دینا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ ہم جواب میں کہیں ہم اپنے مولا کی باتیں لوگوں تک پہچانا چاہتے ہیں۔ ہم ہر سال حیات معنوی کی تجدید کا عہد کرنا چاہتے ہیں۔ یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ۔

ہمارا یہی جواب ہونا چاہیے کہ عاشورا تجدید حیات مومن کا دن ہے۔ اس دن ہم اپنے آپ کو بھی اور اپنی روح کو بھی کوثر حسینی سے دھوتے ہیں اور اپنی روح کو زندہ کرتے ہیں۔ اس دن ہم ازسرنو اسلام کی مبادیات سیکھتے ہیں کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجاآوری، شہادت اور راہ حق میں ایثار و جاں سپاری کا احساس جو ہماری اصل روح ہے اس سے ہم محروم ہوں۔ اس لئے ہم اس احساس کو عاشورا کے ذریعے ناقابل فراموش بنانا چاہتے ہیں۔ فلسفۂ عاشورا یہ نہیں ہے کہ پہلے ہم گناہ کریں اور پھر امام حسینؑ کے نام سے بخشش کے طلبگار ہوں بلکہ ہمارے گناہوں کی بخشش اُس وقت ہوگی جب ہماری روح امام حسینؑ کی روح مبارک سے متصل ہو جائے گی۔ گناہوں سے بخشش کی علامت یہ ہے کہ ایک بار گناہ کرنے بعد بندہ بھول کر بھی گناہ کی طرف نہ جائے۔

روح حسینؑ سے متصل ہونے کی علامت

صرف امام حسینؑ کی مجلس میں شریک ہونے کے بعد یہ کہنے سے کہ بس ہمارے گناہ معاف ہوگئے۔ گناہ معاف نہیں ہوتے بلکہ گناہ اُس وقت معاف ہوتے ہیں جب ہماری روح، روح حسینؑ کے ساتھ پیوستہ ہو جائے۔ اُس وقت واقعاً ہمارے گناہ بخش دیئے جائیں گے لیکن اس کی شناخت یہ ہے کہ ہم دوبارہ پھر اُس گناہ کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔

لیکن ہم گناہ کرنے کے بعد مجلس حسینؑ میں شریک ہوں اور پھر وہاں سے نکلنے کے بعد دوبارہ گناہوں میں مصروف ہو جائیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہماری روح، روح حسینؑ کے ساتھ کوئی ربط نہیں رکھتی۔

حسینی شعار

امام حسینؑ کے شعار احیائے اسلام کے شعار ہیں۔ یہ حسینی شعار ہے کہ قوم کی دولت سے اور مسلمانوں کے بیت المال سے ایک گروہ کو کیوں نوازا جا رہا ہے؟ کیوں اللہ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا جا رہا ہے؟ قوم کو دو طبقوں میں کیوں بانٹ دیا گیا ہے؟ غریب آدمی مصیبت میں مبتلا ہے اور اُسے روٹی تک نصیب نہیں جبکہ دوسرے کا پیٹ اتنا بھرا ہوا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہیں سکتا۔

سفر کے دوران حضرت حُرؑ کے ایک ہزار کے لشکر سے امام حسینؑ نے اپنے مشہور خطبے میں رسول خداؐ کی حدیث [1] سے استفادہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر ایسا زمانہ آجائے اور بیت المال کا یہ حشر ہو جائے کہ حلال خدا

۱۔ اے لوگو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جو کوئی کسی ایسے ظالم سلطان کو دیکھے جو حرام خدا کو حلال کر رہا ہو۔ خدا سے کیے ہوئے عہد کو توڑ رہا ہو۔ سنت رسولؐ کی مخالفت کر رہا ہو اور خلق خدا سے دشمنی کر رہا ہو اس کے باوجود وہ اپنے ہاتھ اور زبان سے اُس کی مخالفت نہ کرے تو خدا اُسے ظالم کے ساتھ دوزخ میں ڈالے گا۔''
ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت کر رکھی ہے اور رحمان کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ یہ لوگ کھلم کھلا فساد کر رہے ہیں۔ انہوں نے خدا کی حدود کو معطل کر دیا ہے۔ بیت المال (قومی خزانہ) میں ناجائز تصرف کر رہے ہیں۔ یہ حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر رہے ہیں۔ ایسے میں دوسرے لوگوں کی نسبت میں اُن کے خلاف قیام کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ (تاریخ طبری ج ۵ حوادث ۶۱ھ)۔ رضوانی

حرام اور حرام خدا حلال ہو جائے اور اُس صورتحال میں مسلمان خاموش رہیں تو خدا کا حق ہے کہ ایسے مسلمانوں کو بھی وہاں پہنچائے جو ظالموں کا ٹھکانہ ہے۔ ایسے حالات میں مجھ پر زیادہ ذمے داری ہے اَلا وَاِنِّیْ اَحَقُّ مِنْ غَیْرِہٖ۔[1] اور مجھے اپنی ذمے داری کا احساس ہے۔ یہ ہے مکتب حسینؑ۔ یہ ہے روح شعار حسینؑ۔ یہ ہے شعار عاشورا کی حقیقت۔ لہٰذا ہماری مجلسوں، امام بارگاہوں اور جلوسوں میں جو شعار بلند کیے جاتے ہیں اُن کا جاندار ہونا ضروری ہے۔ وہ جگانے والے شعار ہونے چاہیے نہ کہ سلا دینے والے۔ جو شعار بے حس کرنے والا ہے وہ درحقیقت ہمیں امام حسینؑ سے دور لے جانے والا ہے۔

امام حسینؑ کے غم میں اشک فشانی

غم شبیرؑ سے ہو سینہ یہاں تک لبریز
کہ رہیں خون جگر سے میری آنکھیں رنگیں — غالبؔ

غم حسینؑ میں بہائے جانے والے آنسو بہت اجر و ثواب رکھتے ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ امام حسینؑ ہمارے دلوں میں جاگزیں ہوں جیسا کہ روایات میں آیا ہے: اِنَّ لِلْحُسَیْنِ مَحَبَّۃً مَکْنُوْنَۃً فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ حسینؑ کی محبت مومنین کے دلوں میں پوشیدہ ہے۔[2]

اگر کسی دل میں ایمان ہو تو یہ ہو نہیں سکتا کہ اُس دل میں امام حسینؑ کی

۱۔ اَمَّا بَعْدُ! اَیُّھَا النَّاسُ! فَاِنَّکُمْ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ وَتَعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَھْلِہٖ تَکُنْ اَرْضٰی لِلّٰہِ عَنْکُمْ وَنَحْنُ اَھْلُ بَیْتِ مُحَمَّدٍ وَّ اَوْلٰی بِوَلَایَۃِ ھٰذَا الْاَمْرِ عَلَیْکُمْ مِنْ ھٰؤُلَاءِ الْمُدَّعِیْنَ۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۸۔ مقتل الحسین از مقرم ص ۱۸۳۔ جبکہ تاریخ طبری ج ۴، ص ۲۶۶ پر عبارت یہ ہے: اَنَا اَحَقُّ بِذٰلِکَ الْحَقِّ الْمُسْتَحِقِّ عَلَیْنَا۔

۲۔ خصائص الحسینیہ ص ۴۸۔

محبت نہ ہو کیونکہ امام حسینؑ سراپا ایمان ہیں۔

امام حسینؑ کے اصحاب نے جو شعار بلند کئے تھے وہ بھی حیرت انگیز ہیں۔ کربلا کا سانحہ کچھ اس انداز سے پیش آیا ہے کہ سوچنے والا اکثر یہی سوچتا ہے کہ دست مشیت نے حوادث کی نقشہ کشی کچھ اس طرح کی تھی کہ یہ سانحہ لوگوں کے ذہنوں سے کبھی محو نہ ہو سکے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ امام حسینؑ اپنا تعارف اس طرح کراتے ہیں:

اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیْ اَلَیْتُ اَنْ لَّا اَنْثَنِیْ

اَحْمِیْ عِیَالاتِ اَبِیْ اَمْضِیْ عَلٰی دِیْنِ النَّبِیْ

میں حسینؑ بن علیؑ ہوں۔ میں ہرگز تلوار نہیں پھینکوں گا۔ میں اپنے اہلبیتؑ کی حمایت کروں گا اور میں دین نبیؐ پر قائم رہوں گا۔[۱]

امام کے شعار مختلف ''اوزان'' کے ہیں۔ جب میدان میں تنہا کھڑے ہوتے تو طویل وزن والے اشعار پڑھتے نظر آتے ہیں۔

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الطُّھْرِ مِنْ آلِ ھَاشِمٍ

کَفَانِیْ بِھٰذَا مَفْخَرًا حِیْنَ اَفْخَرُ

میں اُس علیؑ کا سپوت ہوں جو ہاشم کی پاک نسل سے ہیں اور مقام فخر میں میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میری رگوں میں علیؑ کا خون ہے۔[۲]

بقول جوش ملیح آبادی

جس کی رگوں میں آتش بدر و حنین ہے

اُس سورما کا اسم گرامی حسینؑ ہے

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۹۵۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۹۹۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۴۹۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۹۴۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۹۸۔

امام حسینؑ کی شجاعت

روز عاشور امام حسینؑ کی شجاعت اور طمانیت بتاتی ہے کہ آپ ہر چیز فراموش کر چکے تھے۔ آپ نے اُس شجاعت کا مظاہرہ فرمایا کہ تمام شجاعان عرب چوکڑی بھول گئے ۔ دشمن کا راوی کہتا ہے: وَاللّٰہِ مَارَاَیْتُ مَکْثُوْرًا قَطُّ قَدْ قُتِلَ اَھْلُ بَیْتِہٖ وَوَلْدُہٗ وَاَصْحَابُہٗ اَرْبَطَ جَاْشًا مِنْہُ. خدا کی قسم! میں نے ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا جس نے اتنے صدمے اٹھائے ہوں کہ اُس کے اہلبیتؑ ، اولاد اور اصحاب سب اُس کی نظروں کے سامنے قتل ہو گئے ہوں مگر اُس کا دل اس قدر مطمئن ہو۔[1]

خدا کی قسم! میں حیران ہوں کہ یہ کون سا دل تھا؟ اُن کے پاس کون سی قوت تھی کہ شکستہ دل ہوتے ہوئے بھی اُن کے اطمینان قلب میں کوئی فرق نہیں آیا حالانکہ اُس کی نظروں کے سامنے اُن کے پیارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ اُن کی قوت قلب کا یہ عالم تھا کہ ڈھونڈے سے بھی اُس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

پیکر حسینؑ میں روح علیؑ

روز عاشورا امام حسینؑ نے اپنے لئے ایک جگہ کو مرکز بنایا تھا یعنی پہلے آپ مرکز پر آتے۔ وہاں کھڑے ہو کر دشمن سے خطاب فرماتے اور پھر واپس خیمہ گاہ کی طرف آجاتے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جو تمام تواریخ میں ثبت ہے کہ کوئی شخص تنہا امام حسینؑ سے لڑنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ جو بھی آپ کے سامنے آتا سر سلامت لے کر نہ جاتا۔ شروع میں کچھ افراد تنہا آپ کے

۱۔ لہوف ص ۱۱۹۔ تاریخ طبری ج ۴، ص ۳۴۵۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۹۵۔

مقابلے پر آئے اور فی النار ہوئے۔ یہ صورتحال دیکھ کر عمر سعد چلایا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اِنَّ نَفْسَ اَبِیْهِ بَیْنَ جَنْبَیْهِ یا اِنَّ نَفْسًا اَبِیَّةً بَیْنَ جَنْبَیْهِ۔[1] اس کے سینے میں اس کے باپ علیؑ کا دل دھڑک رہا ہے۔ ارے پہلے یہ سمجھ تو لو کہ تم کس سے لڑ رہے ہو۔ اس کے بعد دو بدو لڑائی ختم ہوگئی اور اُن کم ظرف بزدلوں نے ہر طرف سے پتھر اور تیر برسانے شروع کر دیے۔ ذرا غور فرمائیں کہ تیس ہزار کے لشکر نے اکیلے شخص کو قتل کرنے کے لئے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور تیر اور پتھر برسا رہے ہیں۔

حسینی غیرت

اسی لشکر پر جب امام حسینؑ نے حملہ کیا تو اُسی طرح بھاگ کھڑا ہوا جیسے شیر کو دیکھ کر لومڑیاں بھاگ جاتی ہیں۔ امام حسینؑ بھی زیادہ دور تک اُن کا پیچھا نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ اہل حرم کے خیام سے دور جانا نہیں چاہتے تھے۔ آپ کی غیرت کو یہ منظور نہیں تھا کہ آپ کی زندگی میں آپ کے اہل حرم کی توہین کی جائے۔

توحیدی شعار

اسی لئے آپ دشمن پر حملہ کرنے کے بعد اُسے دور بھگا دیتے اور واپس اپنے مرکز پر تشریف لے آتے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے خیمے تک آپ کی آواز آسانی سے پہنچ سکتی تھی۔ اگرچہ آپ کے اہلبیتؑ آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے مگر آپ کی آواز سن سکتے تھے۔ اسی لئے امام حسینؑ بلند آواز سے لاحول

۱۔ هٰذَا ابْنُ قَتَّالِ الْعَرَبِ فَاحْمِلُوْا عَلَیْهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ (یہ عرب سورماؤں کو قتل کرنے والے علیؑ کا بیٹا ہے۔ چاروں طرف سے گھیر کر اس پر حملہ کرو۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۹۷۔ مقتل الحسینؑ از مقرم، ص ۲۷۵۔

پڑھتے تاکہ جناب زینبؑ کو اطمینان ہو۔ تاکہ جناب سکینہؑ کو اطمینان ہو۔ تاکہ آپ کے بچوں کو ڈھارس ہو کہ ابھی آپ زندہ سلامت ہیں۔ جب آپ اپنے مرکز پر پہنچتے تو خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے اور فرماتے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔[1] حسینؑ بتا رہے تھے کہ یہ قوت حسینؑ کی نہیں خدا کی ہے جس نے حسینؑ کو یہ قوت بخشی ہے۔

امام ایک طرف شعار توحید بلند فرماتے اور دوسری طرف جناب زینبؑ کو خبر دیتے کہ بہن ابھی حسینؑ زندہ ہے۔ آپ نے اہل حرم کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں کوئی بی بی خیمے سے باہر نہ آئے۔

امام حسینؑ کا الوداع کہنا

امام حسینؑ دو بار الوداع کہنے خیام میں تشریف لائے۔ ایک دفعہ وداع کرکے گئے تو دوبارہ اُس وقت آئے جب فرات تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ جونہی آپ نے رہوار کو فرات میں ڈالا کسی نے چلا کر کہا کہ حسینؑ آپ یہاں پانی پینا چاہتے ہیں وہاں دشمن آپ کے خیموں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی امام حسینؑ فرات سے پلٹے اور دوسری بار خیام میں آئے۔ آپ نے اہل حرم کو الوداع کہا: ثُمَّ وَدَّعَ اَهْلَ بَيْتِهِ ثَانِيًا۔[2]

اس موقع پر امام نے اپنے اہل حرم سے ایک نورانی جملہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا: اے میرے اہلبیتؑ ! خاطر جمع رکھو۔ ہراساں نہ ہو۔ دیکھو! میرے بعد تمہیں قیدی بنایا جائے گا لیکن قید میں اپنے شرعی فرض سے غافل نہ ہونا۔ زبان پر کوئی ایسی بات نہ لانا جو تمہارے اجر و ثواب میں کمی کردے

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۲۹۵۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۹۶۔

۲۔ مقتل الحسینؑ، مقرم ص ۲۷۶۔

لیکن ساتھ ہی یہ یقین رکھو کہ یہ دشمن کا آخری وار ہوگا۔ دشمن کا یہی وار اُس کی تباہی اور ذلت و خواری کا سبب بن جائے گا۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مُنْجِیْکُمْ.[1] تسلی رکھو کہ خدا تمہیں ان ظالموں کے شر سے نجات دے گا اور ذلت سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے بعد تمہارے لئے اوج و عروج ہے۔ یہ جملہ بہت بڑا ہے جو امام حسینؑ فرما رہے ہیں کہ اے میرے اہلبیتؑ! تم اسیر ضرور ہو گے لیکن خدا تمہیں ذلیل نہیں ہونے دے گا یعنی قید تمہارے لئے ذلت نہیں بلکہ عزت و افتخار کا باعث بنے گی۔

یہی وجہ ہے کہ کوفہ میں جب لوگوں نے قیدیوں کے بچوں کو بھوکا دیکھ کر صدقہ کی روٹی دی[2] تو جناب زینبؑ نے اپنے بچوں کو صدقہ لینے سے روکا۔ اگرچہ وہ قیدی تھے مگر انہوں نے ذلت قبول نہیں کی۔ شیر اگر پابند سلاسل ہو تب بھی شیر ہی ہوتا ہے اور اگر لومڑی آزاد ہو پھر بھی لومڑی ہی رہتی ہے۔ بہرحال اس دفعہ جب امام خیمے میں تشریف لائے تو اہلبیتؑ خوش ہوگئے۔ امام حسینؑ نے سب کو خدا حافظ کہا اور خیمے سے باہر تشریف لائے لیکن حکم امام کے مطابق اہل حرم باہر نہیں نکلے۔

جناب سکینہؑ کی ذوالجناح سے گفتگو

کچھ دیر کے بعد امام حسینؑ کے ذوالجناح کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی تو اہل حرم یہ سمجھے کہ شاید تیسری بار امام رخصت کے لئے تشریف لائے ہیں (شہید مطہری گریہ کرتے ہیں) لیکن جب باہر آئے تو دیکھا کہ ذوالجناح اپنے سوار کے بغیر سر نیہوڑائے کھڑا ہے (شہید مطہری شدید گریہ کرتے ہیں)

۱۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ حَافِظُكُمْ وَحَامِيْكُمْ وَسَيُنْجِيْكُمْ مِنْ شَرِّ الْاَعْدَاءِ. موسوعة كلمات الامام الحسينؑ ص ۴۹۱۔

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۲۸۔

سب نے ذوالجناح کے گرد حلقہ بنایا۔ ہر ایک نے ذوالجناح کو مخاطب کیا۔ جناب سکینہؑ نے کہا: هَلْ سُقِیَ اَبِیْ اَمْ قُتِلَ عَطْشَانًا.[۱] اے ذوالجناح! میں تجھ سے بس اتنا پوچھتی ہوں کہ میرے بابا کو پانی پلایا گیا یا انہیں پیاسا ہی قتل کر دیا گیا (شہید مطہری کی آواز گریہ بلند ہوتی ہے)۔

امام عصرعجل کا نوحہ

کربلا کا ایک منظر ایسا بھی ہے جو امام زمانہعجل کے دل کو گھائل کر دیتا ہے۔ امام زمانہعجل فرماتے ہیں: وَاَسْرَعَ فَرَسُکَ شَارِدًا مُحَمْحِمًا بَاکِیًا فَلَمَّا رَاَیْنَ النِّسَآءُ جَوَادَکَ مَخْزِیًّا وَاَبْصَرْنَ سَرْجَکَ مَلْوِیًّا خَرَجْنَ مِنَ الْخُدُوْرِ نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ عَلَی الْخُدُوْرِ لَاطِمَاتٍ.[۲] یعنی ذوالجناح تیزی سے ہنہناتا اور روتا ہوا آپ کے خیام کی طرف چلا۔ جب اہل حرم نے ذوالجناح کو بے سوار اور زین فرس کو ڈھلکا ہوا دیکھا تو بال بکھرائے منہ پر طمانچے مارتے ہوئے بے قرار ہو کر خیموں سے نکل آئے۔

امام زمانہعجل نوحہ پڑھ رہے ہیں کہ اے جد بزرگوار! اہل حرم آپ کے حکم کے مطابق خیموں سے نہیں نکلے۔ لیکن جب انہوں نے ذوالجناح کو بے سوار دیکھا تو بال بکھرائے مقتل کی طرف دوڑے۔ (شہید مطہری گریہ کرتے ہیں)

ہر طرف وا حسیناہ! وا محمداہ! کی صدائیں بلند تھیں۔

۱۔ مصائب المعصومینؑ ص ۳۲۰۔

۲۔ دمع السجوم ص ۲۰۰۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۰۶۔ وَاَسْرَعَ فَرَسُکَ شَارِدًا اِلٰی خِیَامِکَ قَاصِدًا مُحَمْحِمًا بَاکِیًا فَلَمَّا رَاَیْنَ النِّسَآءُ جَوَادَکَ مَخْزِیًّا وَنَظَرْنَ سَرْجَکَ عَلَیْهِ مَلْوِیًّا بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُوْرِ نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ عَلَی الْخُدُوْرِ لَاطِمَاتِ الْوُجُوْهِ سَافِرَاتٍ، وَبِالْعَوِیْلِ دَاعِیَاتٍ ... (زیارت ناحیہ)

مجلس ۴۶

روز عاشور حسینی صفات کے درمیان مقابلہ

آج روز عاشور ہے جو امام حسینؑ کی معراج کا دن ہے۔ آج کے دن ہم پر لازم ہے کہ ہم بھی امام حسینؑ کی روح، امام حسینؑ کی غیرت، امام حسینؑ کی استقامت، امام حسینؑ کی شجاعت اور امام حسینؑ کی روشن فکری سے الہام حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ہمیں ذرا سا ''انسان ہونا'' میسر آ جائے تو ہم جاگ سکتے ہیں۔

مشہور مصنف عباس محمود عقاد کہتا ہے کہ عاشور کے دن ایسا لگ رہا تھا کہ امام حسینؑ کی صفات کے درمیان باہم مقابلہ تھا۔ یعنی امام حسینؑ کی ہر صفت دوسری صفت سے آگے نکلنا چاہتی تھی۔ امام حسینؑ کا صبر چاہتا تھا کہ وہ دوسری صفات پر سبقت لے جائے۔ امام حسینؑ کا اخلاص چاہتا تھا کہ وہ تمام صفات سے بڑھ جائے۔ امام حسینؑ کی شجاعت چاہتی تھی کہ ہر صفت پر بازی لے جائے۔

آج تک مہکی ہوئی ہے شاہراہ زندگی
اے زہے گل باریٔ دامان رنگین حسینؑ
صفحہ رومانیاں و دفتر اخلاق پر
آج بھی تابندہ ہے مہر قوانین حسینؑ

امام حسینؑ کا اطمینان قلب

اگرچہ میں اخلاص حسینی کے بارے میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں اس سے کہیں زیادہ چھوٹا ہوں اس کے باوجود میں یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ روز عاشور امام حسینؑ کی جو صفت سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ آپ کے دل کی قوت ہے۔ وہ آپ کا اطمینان ہے۔ وہ آپ کی ثابت قدمی ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے میں آج بیان کر رہا ہوں بلکہ یہ وہ حقیقت ہے جسے روز عاشور بھی پہچان لیا گیا تھا۔ یہ جملہ کربلا میں موجود دشمن کے ایک راوی کا ہے۔ اُس کا یہ جملہ نہایت معنی خیز ہے۔ اُس نے کہا تھا: وَاللّٰهِ مَارَاَیْتُ مَکْثُوْرًا قَطُّ قَدْ قُتِلَ اَهْلُ بَیْتِهٖ وَوَلَدُهٗ وَاَصْحَابُهٗ اَرْبَطَ جَاْشًا مِنْهُ. خدا کی قسم! میں حیران ہوں کہ یہ کون سا دل تھا؟ اُس کے پاس کون سی قوت تھی کہ دل شکستہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے اطمینان قلب میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُس کی نظروں کے سامنے اُس کے اہلبیتؑ اور اصحاب ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تھے مگر اُس کے دل کی قوت اتنی زیادہ تھی کہ ڈھونڈے سے بھی دنیا میں اُس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ نہایت ہی حیرت انگیز بات ہے۔

حسینی تحریک نے دیگر تحریکوں کو جنم دیا

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ بے حد حیران کن ہے۔ مجھے ہمیشہ اس بات پر حیرت ہوتی رہی ہے کہ روز عاشور امام حسینؑ اس انداز سے قدم بڑھاتے نظر آتے ہیں جیسے وہ اپنے روشن مستقبل یعنی اپنی تحریک کی کامیابی کے آثار خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہوں۔

اس بارے میں آپ کو کوئی شک تھا ہی نہیں کہ شہید ہو جانے کے بعد فتح و کامرانی آپ کا مقدر ہے۔ آپ کو اس بات میں بھی ذرہ برابر شک نہیں تھا کہ عاشور کا دن فصل بونے کا آخری دن ہے۔ لہذا جو کچھ بھی پاس ہے اُس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ عنقریب یہ فصل بارآور ہوگی۔ نیز روز عاشور سے ہی اس تحریک کے ثمرات آنا شروع ہوگئے تھے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ جیسے ہی امام حسینؑ شہید ہوئے بنوامیہ کے خلاف تحریکیں اور بغاوتیں شروع ہوگئیں۔

اموی حکومت پر پہلی یلغار

جس نے سب سے پہلے بنی امیہ کے مکروہ چہرے سے نقاب نوچا وہ لشکر کفار ہی کی ایک عورت تھی۔ اس سانحے کے صحیح خدوخال اجاگر کرنے میں اُس کا بھی حصہ ہے۔ عصر عاشور جب اُس عورت نے دیکھا کہ یزیدی لشکر اہل حرم کے خیموں پر حملے کی تیاری کر رہا ہے تو اُس نے دوڑ کر چوب خیمہ اٹھا لی اور خیموں کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اُس کا تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ اُس نے بآواز بلند کہا: اے آل بکر بن وائل! کیا تم زندہ ہو۔ آؤ! میری مدد کرو اس لئے کہ یہ لوگ خاندان رسولؐ کی خواتین کے کپڑے تک اتار لینا چاہتے ہیں۔[1] اس عورت نے یہ مختصر سی بات کہہ کر واضح کر دیا تھا کہ دشمن پستی میں کہاں تک پہنچ گیا تھا!!

امام حسینؑ کی غیرت

میری نظر میں کربلا کا وہ منظر جب امام حسینؑ اپنے اہلبیتؑ سے رخصت

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۱۰۷۔

آخر کے لئے تشریف لائے بڑا پُر شکوہ منظر ہے۔ اُس وقت آپ کے سوا کوئی زندہ نہیں بچا تھا۔ وداع کا یہ منظر نہایت روح فرسا تھا لیکن امام حسینؑ جس خاص وجہ سے دوبارہ الوداع کہنے آئے تھے وہ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ نے زبردست حملہ کر کے لشکر کفار کو پیچھے دھکیل دیا اور فرات پر پہنچے تو دشمن کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں حسینؑ پانی پی کر تازہ دم نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اُس وقت کسی نے چلا کر کہا: حسینؑ! تم پانی پینا چاہتے ہو حالانکہ لشکر تمہارے اہل حرم کے خیموں پر حملہ کر رہا ہے! یہ سن کر غیرت مند امام فوراً فرات کے گھاٹ سے باہر آگئے۔[1] میں نہیں جانتا کہ اُس شخص نے جو بات کہی تھی وہ سچ تھی یا جھوٹ اور اُس وقت لشکر کفار خیموں پر حملے کی تیاری کر رہا تھا یا نہیں؟ لیکن اتنا مجھے معلوم ہے کہ مولا چشم زدن میں فرات سے خیموں تک پہنچ گئے تھے۔ جس وقت مولا واپس آئے اُس وقت تک خیام حرم پر حملہ نہیں ہو پایا تھا۔ آپ نے اس مہلت کو غنیمت جان کر عورتوں اور بچوں کو دوبارہ اکٹھا کیا۔

اہل حرم کو امام حسینؑ کی بشارت

یہی وہ مقام ہے جہاں امام حسینؑ کی روح کا جلال نمایاں ہوتا ہے آپ نے پہلے فرمایا: اے میرے اہلبیتؑ اِسۡتَعِدُّوۡا لِلۡبَلَاۤءِ اپنے آپ کو تکلیفیں اٹھانے کے لئے تیار کر لو۔ گویا آپ چاہتے تھے کہ اہل حرم روحانی طور پر اس کام کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس سلسلے میں آپ نے اس سے زیادہ ایک جملہ بھی نہیں فرمایا۔ البتہ اس کے فوراً بعد فرمایا: وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰهَ حَافِظُكُمۡ وَمُنۡجِيۡكُمۡ مِنۡ شَرِّ الۡاَعۡدَآءِ وَمُعَذِّبُ اَعَادِيۡكُمۡ بِاَنۡوَاعِ

---

[1] بحار الانوار ج ۴۵، ص ۵۱۔

الْبَلَآءِ ۔[1] اے میرے اہلبیتؑ ! یقین رکھو کہ اللہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں اشرار کے شر سے نجات دے گا۔ وہ تمہیں عزت کے ساتھ تمہارے جد کے حرم تک واپس لے جائے گا۔ اُس کے بعد تمہارے دشمنوں کی رسوائی کا آغاز ہو جائے گا۔ تم اطمینان رکھو کہ خدا تمہارے دشمنوں کو اسی دنیا میں طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کرے گا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ مستقبل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

امام حسینؑ غیرت الٰہی کا مظہر ہیں

روز عاشور امام حسینؑ نے جنگ کے دوران ایک جگہ کو اپنا مرکز بنایا ہوا تھا۔ وہیں سے آپ حملے کرتے تھے۔ پہلے ایک ایک کے ساتھ دو بدو جنگ ہوئی۔ جتھے کے جتھے آتے تھے لیکن امام حسینؑ نے کسی کو اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ کوئی کاسہ سر سلامت لے کر واپس جا سکتا۔ آپ نے ایسے حملے کیے کہ دشمن کے ہوش اڑ گئے۔ یہ دیکھ کر عمر سعد چلایا: ارے یہ تم کیا کر رہے ہو؟ وَاللّٰہِ نَفْسُ اَبِیْہِ بَیْنَ جَنْبَیْہِ. تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ تم کس سے لڑ رہے ہو؟ اس کے پہلو میں علیؑ کا دل دھڑکتا ہے۔ ھٰذَا ابْنُ قَتَّالِ الْعَرَبِ. یہ اُس کا بیٹا ہے جس کی تلوار نے شجاعان عرب کا غرور مٹی میں ملا دیا تھا۔ اس طرح عمر سعد امام کے خلاف عرب قومیت کا تعصب ابھارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چنانچہ لشکر والوں نے پوچھا: بتاؤ ہم کیا کریں؟ اُس نے کہا یہ طریقہ مناسب نہیں۔ اگر ایک ایک کر کے جاؤ گے تو تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ اسے چاروں طرف سے گھیر کر مارو۔

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۹۸۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ ص ۴۹۱۔

امام حسینؑ جس طرف حملہ کرتے دشمن بھاگ کھڑا ہوتا لیکن پوری جنگ کے دوران آپ نے اس بات کا خیال رکھا کہ خیموں سے زیادہ دور نہ جائیں۔ آپ کی غیرت اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی کہ آپ کی زندگی میں کوئی اہل حرم کے خیام کے پاس آنے کی جسارت کرے۔ آپ نے اہل حرم سے بھی کہہ دیا تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں کوئی خیمے سے باہر نہ نکلے۔

اگر آپ حضرات نے کہیں سنا ہے کہ اہل حرم بار بار خیموں سے نکل کر اَلْعَطَشْ اَلْعَطَشْ کی آوازیں بلند کر رہے تھے تو یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے[1] اہل حرم صرف ایک بار باہر آئے تھے — اور وہ اُس وقت جب ذوالجناح

۱۔ اسی طرح ایک اور روایت بھی بہت مشہور ہے کہ "خدا کی نافرمانی" کے جرم میں فطرس فرشتے کے بال و پر جل گئے تھے اور امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے موقع پر فطرس نے خود کو گہوارۂ حسینؑ سے مس کیا تو آپ کے وجود کی برکت سے اس کے بال و پر واپس آگئے حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ فرشتے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو حکم ان کو دیا جاتا ہے اُسی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۵۰) عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ فرشتے اللہ کے معزز و مکرم بندے ہیں (سورۂ انبیاء: آیت ۲۶) اور عَلَيْهَا مَلَآئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ جہنم پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے۔ (سورۂ تحریم: آیت ۶)

علامہ سید محمد حسین طباطبائی صاحب تفسیر المیزان نے ایک سوال کے جواب میں یہی فرمایا تھا کہ فطرس والا واقعہ قرآن مجید کی مذکورہ آیات سے مطابقت نہیں رکھتا۔

نیز قرآن مجید کہتا ہے کہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلآئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ. جو شخص خدا کا، اُس کے فرشتوں کا، اُس کے رسولوں کا اور جبرئیلؑ و میکائیلؑ کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا خدا دشمن ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۹۸) وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ. نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر، آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۷۷) ان تمام آیات سے فرشتوں کے بلند مقام کا پتا چلتا ہے۔ (رضوانی)

اپنے سوار کے بغیر واپس آیا تھا۔ اُس وقت جو بھی باہر آیا اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اصل ماجرا کیا ہے؟ انہوں نے جب ذوالجناح کے ہنہنانے کی آواز سنی تو وہ یہی سمجھے کہ شاید مولا تیسری مرتبہ رخصت کے لئے تشریف لائے ہیں۔

امام حسینؑ کا ذوالجناح

کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کا ذوالجناح تربیت یافتہ تھا۔ صرف امام کا ذوالجناح ہی نہیں دشمن کے گھوڑے بھی ایسے سدھائے ہوئے تھے کہ جس وقت اُن کے سوار زمین پر گرتے تھے گھوڑا سمجھ جاتا تھا کہ وہ بے سوار ہوگیا ہے۔ چنانچہ ذوالجناح نے بھی جب یہ دیکھا کہ امام حسینؑ زمین پر گر پڑے ہیں اور اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتے تو اُس نے اپنی گردن کے بال امام حسینؑ کے خون سے رنگین کئے اور خیموں کی طرف چلا آیا[۱] تاکہ اہل حرم کو یہ خبر ہوسکے کہ امام حسینؑ شہید ہوگئے ہیں۔

اُدھر اہل حرم سمجھے کہ مولا واپس آگئے ہیں لہٰذا وہ خیموں سے باہر نکل آئے لیکن جب انہیں حالات کا علم ہوا تو وہ بے ساختہ ذوالجناح کے گرد نالہ و فریاد کرنے لگے۔ بہرحال مولا نے انہیں اجازت نہیں دی تھی کہ وہ باہر آئیں۔ امام نے جنگ کے لئے ایک جگہ کو مرکز بنایا ہوا تھا جہاں سے اہل حرم آپ کی آواز آسانی سے سن سکتے تھے۔ اس طرح امام چاہتے تھے کہ اُن کی ڈھارس بندھی رہے۔

جب حملہ کرکے امام واپس اپنے مرکز پر پہنچتے تو بلند آواز میں لاحول پڑھتے تھے (میں نہیں جانتا کہ میں اسے بلند آواز کہوں یا نہ کہوں کیونکہ پیاس کی شدت سے آپ کا گلا بہت زیادہ خشک تھا۔ اس سے کس طرح اونچی

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۰۵۔

آواز نکلتی ہوگی) جتنی بھی آپ میں توانائی تھی اُسے جمع کر کے فرماتے:
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ. یعنی اے پروردگار! حسینؑ میں جس قدر بھی روحانی یا جسمانی طاقت ہے وہ تجھی سے ہے۔ اہل حرم اس آواز کو سن کر خوش ہو جاتے کہ مولا ابھی زندہ سلامت ہیں اور انہیں کچھ دیر کے لئے ڈھارس ہو جاتی۔ اُدھر لشکر جب پلٹتا تو کوشش کرتا کہ امام کے گرد گھیرا مزید تنگ کر دے۔ وہ دشمن دیں آپ پر تیر برساتے۔ آپ کو پتھر مارتے مگر آپ حملہ کر کے انہیں پھر بھگا دیتے۔

قلب امام حسینؑ پر زہر آلود تیر لگنا

آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ ابن سعد نے عاشور کے دن کس طرح لڑائی شروع کی تھی۔ آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ امام حسینؑ نے اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ لڑائی میں پہل اُن کی طرف سے ہو۔ یہ وہ رسم ہے جس کا جنگوں میں اُس وقت لحاظ رکھا جاتا تھا جب مقابل لشکر ظاہراً مسلمان ہوتا۔ خود امام علیؑ بھی اس رسم کا خیال رکھتے ہوئے فرماتے تھے کہ میں لڑائی میں ہرگز پہل نہیں کروں گا۔ انہیں لڑائی شروع کرنے دو۔ ہم بعد میں اُن پر ضرب لگائیں گے۔

مولا و آقا امام حسینؑ نے بھی لڑائی کی ابتدا نہیں کی تھی بلکہ عمر سعد نے عبید اللہ ابن زیاد کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تیر اور کمان طلب کیا۔ عمر سعد کا باپ سعد بن ابی وقاص ابتدائے اسلام کے زمانے کا مشہور تیر انداز تھا اور غالباً عمر سعد بھی اپنے زمانے کا ماہر تیر انداز تھا۔ اُس ملعون نے کمان میں تیر جوڑا اور خیام حسینی کا نشانہ لے کر بلند آواز میں چلایا:
لوگو! امیر ابن زیاد کے سامنے گواہی دینا کہ جنگ کے لئے سب سے

پہلا تیر خیام حسینؑ کی طرف میں نے چلایا ہے۔ بہرحال عاشور کی جنگ ایک تیر سے شروع ہو کر ایک تیر پر ختم ہوئی تھی۔ وہ زہر آلود تیر جس پر جنگ ختم ہوئی تھی امام حسینؑ کے قلب مبارک پر آ کر لگا تھا۔ فَاَتَاهُ سَهْمٌ مُحَدَّدٌ مَسْمُوْمٌ۔[۱] یہ تیر آپ کے سینے کے آر پار ہوگیا تھا۔ چنانچہ امام اُسے سامنے کی طرف سے نہیں نکال سکے۔ لکھا ہے کہ امام نے اُسے پشت کی جانب سے کھینچ کر نکالا تھا۔ اس تیر کے بعد امام حسینؑ پشت فرس پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر گر گئے۔ آپ میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ زمین سے اٹھ سکتے۔

عبداللہ بن حسنؑ نے خود کو چچا پر قربان کر دیا

لکھا ہے کہ امام حسنؑ کے چند بیٹے سفر کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ اُن میں سے ایک حضرت قاسمؑ تھے۔ ان کے علاوہ امام حسنؑ کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت عبداللہ تھے جن کی عمر صرف دس سال تھی۔ وہ امام حسنؑ کی شہادت کے وقت صرف چند ماہ کے تھے۔ امام حسینؑ نے اُن کی پرورش کی تھی۔ امام حسینؑ اپنے بھتیجوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ شاید اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ کیونکہ وہ یتیم تھے۔ عبداللہؑ امام حسینؑ سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ روز عاشور امام نے اُن کو اپنی بہن زینبؑ کو سونپ دیا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ اُن کا خاص خیال رکھیں۔ حضرت زینبؑ مسلسل بچوں پر دھیان رکھے ہوئے تھیں کہ اچانک عبداللہؑ خیمے سے باہر نکل کر بھاگے۔ جناب زینبؑ بچے کو پکڑنے کے لئے دوڑیں تو بچے نے کہا: وَاللّٰهِ لَا اُفَارِقُ عَمِّيْ۔[۲] خدا کی قسم! میں اپنے چچا کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ کہہ کر بچہ مقتل

۱۔ بحار الانوار ج ۵۵، ص ۵۳۔

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۴۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۵۳۔

میں دوڑتا چلا گیا۔ اُس نے اپنے آپ کو امام حسینؑ کی آغوش میں گرا دیا۔ یہ حسینؑ ہیں جن کا اپنا ایک اور ہی عالم ہے۔ اسی دوران ایک جفا کار تلوار لئے آگے بڑھا تاکہ امام کا سرتن سے جدا کرے۔ جیسے ہی اُس نے تلوار اٹھائی عبداللہؑ پکارا یَا ابْنَ الزَّانِیَۃِ اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَ عَمِّیْ.[1] اے کم نسل! کیا تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے؟

جب تک وہ شقی تلوار چلاتا بچے نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیے۔ شقی کے وار سے بچے کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ بچے نے فریاد بلند کی یا عماہ! چچا جان! دیکھئے ظالموں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ اَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَیْتَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَجَاھَدْتَ فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ حَتّٰی اَتَاکَ الْیَقِیْنُ.[2]

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ.

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۴۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۵۳۔

ایک جگہ عبارت یوں لکھی ہے یَا ابْنَ اللَّخْنَاءِ جبکہ ایک اور جگہ عبارت یوں ہے: وَیْلَکَ یَا ابْنَ الْخَبِیْثَۃِ اَتَقْتُلُ عَمِّیْ؟ (رضوانی)

۲۔ مفاتیح الجنان، زیارت مطلقہ امام حسینؑ۔

مجلس ۴۷

امام حسینؑ کے آخری جملے

عاشور کے دن جب تک امام حسینؑ کے دم میں دم تھا گھسان کی جنگ ہوتی رہی اور لشکر یزید کے سر ہوا میں اڑتے رہے۔ عصر کا ہنگام تھا جب آپ زخموں سے چور چور پشت فرس پر جھومنے لگے۔ اُس وقت کسی ظالم نے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر چلایا جو آپ کے دل پر لگا اور آپ بے اختیار زمین پر گر پڑے۔ اُس وقت آپ نے کیا فرمایا ؟ کیا اُس وقت آپ نے بیعت کی ذلت قبول کی ؟ کیا اُس وقت آپ نے کوئی خواہش یا تمنا کی ؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھانے کے بعد اُسی قبلے کی طرف رخ کیا جس سے کبھی آپ نے منہ نہیں پھیرا تھا اور فرمایا: رِضًا بِقَضَآئِکَ وَتَسْلِيْمًا لِاَمْرِکَ وَلَا مَعْبُوْدَ سِوَاکَ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ۔[۱] پروردگار! میں تیرے فیصلے پر راضی ہوں۔ تیرے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے پناہ نہ رکھنے والوں کو پناہ دینے والے!

اور یہی ہے جذبۂ جہاد الٰہی اور یہی ہے جذبہ کمال انسانی۔

۱۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۸۳۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ ص ۵۱۰ پر عبارت اس طرح درج ہے: صَبْرًا عَلٰی قَضَآئِکَ یَا رَبِّ لَا اِلٰهَ سِوَاکَ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ مَا لِیْ رَبًّا سِوَاکَ وَلَا مَعْبُوْدَ غَیْرُکَ. میں تیرے امتحان میں ثابت قدم ہوں اے معبود کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے مدد مانگنے والوں کے مددگار! میرا تیرے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے۔

مجلس ۴۸

بہادر انسان کے لئے موت

امام حسینؑ کے جو فرامین ہمیں ملتے ہیں اُن میں عزت ، شرافت اور کرامت موجزن نظر آتی ہے۔ دیگر ائمہ معصومینؑ کی نسبت امام حسینؑ کے فرامین میں پائی جانے والی اس کیفیت کا اصل راز یہ ہے کہ سانحہ کربلا درحقیقت اسی لئے وقوع پذیر ہوا تھا کہ امام حسینؑ کی روح اقدس ان پہلوؤں کی بھرپور عکاسی کر سکے۔

لکھا ہے کہ جب سرکار سید الشہداءؑ کربلا کی طرف آ رہے تھے تو راستے میں آپ کو بارہا ایسے افراد ملے جن میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں آپ کو یہی مشورہ دیا کہ مولا آپ نہ جائیں۔ آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ چنانچہ امام بھی اُن لوگوں کو مختلف انداز سے جواب دیتے رہے تاہم اُس جواب کا ماحصل یہی ہوتا تھا کہ میں ضرور جاؤں گا۔

اسی سفر کے دوران ایک شخص نے امام سے جب کہا کہ مولا حالات بہت خراب ہیں اور آپ کا جانا مناسب نہیں ہے تو امام نے فرمایا کہ تمہارے لئے میرا وہی جواب ہے جو ایک صحابی رسولؐ نے اُس شخص کو دیا تھا جو ایک مرد مجاہد کو جہاد میں جانے سے روک رہا تھا۔ اُس کے بعد سرکار سید الشہداءؑ نے اُس شخص کے لئے یہ اشعار پڑھے:

سَاَمْضِیْ وَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَی الْفَتٰی   اِذَا مَا نَوٰی حَقًّا وَجَاهَدَ مُسْلِما
وَ وَاسَی الرِّجَالَ الصَّالِحِیْنَ بِنَفْسِهٖ   وَ فَارَقَ مَثْبُوْرًا وَخَالَفَ مُجْرِما

میں ضرور جاؤں گا۔ ایک بہادر انسان کے لئے (جس کی نیت یہ ہو کہ وہ سچے مسلمان کی طرح جہاد کرے) موت شرم کی بات نہیں ہے۔ اگر کوئی راہ حق میں جہاد کرتا ہے اور اعلائے کلمۃ الحق کے باعث مارا جاتا ہے تو ایسی موت ندامت کا باعث نہیں ہوتی کیونکہ وہ ایسے راستے میں قدم رکھتا ہے جو اللہ کے صالح بندوں کا راستا ہے۔ صالح بندوں کا ساتھ دینا، اُن کے قدم بہ قدم چلنا اور اُن سے اظہار یکجہتی کرنا ملامت کا باعث نہیں ہوتا۔ بدبخت اور گنہگار کی مخالفت کرنا ایک قابل فخر عمل ہے۔ اس کے بعد امام فرماتے ہیں:

فَاِنْ عِشْتُ لَمْ اَنْدَمْ وَاِنْ مِتُّ لَمْ اَلَمْ
کَفٰی بِکَ ذُلًّا اَنْ تَعِیْشَ وَتُرْغَما

میں یا تو زندہ رہوں گا یا مار دیا جاؤں گا۔ ان دو باتوں کے علاوہ تیسری کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ جو راستا میں نے چنا ہے اُس کے دونوں طرف میرے لئے خیر ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو میرا زندہ رہنا ندامت کا باعث نہیں ہوگا اس لئے کہ میں نے موت کی گردن میں بانہیں ڈال دی ہیں اور اگر میں مارا گیا تو مجھے اس بات کا کوئی غم نہیں ہوگا۔ موت سے بے خوف زندگی وہ زندگی ہے جو ذلت کا باعث نہیں ہوتی۔ اگر میں مارا گیا تو میری موت طعنہ ہرگز نہیں بنے گی۔ (مقطع میں جو بات کہی گئی ہے باقی اشعار دراصل اُسی کے لئے کہے گئے ہیں) تم ہی کو ایسی ذلت مبارک ہو کہ تم زندہ رہو اور تمہاری ناک رگڑ دی جائے۔ مجھے یہ ذلت ہرگز قبول نہیں۔

اسیر دنیا کو دیگر عوالم سے آشنائی نہیں ہوتی

کچھ اور اشعار بھی ہیں جو یا تو امام حسینؑ نے خود کہے ہیں یا پھر آپ کے پدر عالی وقار امام علیؑ کے اشعار ہیں جو کہ دیوان جناب امیر المؤمنینؑ سے منسوب ہیں۔[۱] اُن کے متعلق بھی منقول ہے کہ یہ اشعار بھی امام حسینؑ نے پڑھے:

فَاِنْ تَكُنِ الدُّنْيَا تُعَدُّ نَفِيْسَةً   فَدَارُ ثَوَابِ اللّٰهِ اَعْلٰى وَاَنْبَلُ

دنیا اتنی خوبصورت دکھائی دیتی ہے کہ انسان اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے لیکن دار آخرت اس دنیا سے ہزار درجے بہتر اور باعظمت ہے۔ دنیا کا اسیر وہی ہوتا ہے جسے دیگر عوالم سے آشنائی نہیں ہوتی۔

وَاِنْ تَكُنِ الْاَمْوَالُ لِلتَّرْكِ جَمْعُهَا
فَمَا بَالُ مَتْرُوْكٍ بِهِ الْمَرْءُ يَبْخَلُ

اور جب انسان کو جمع کیا ہوا مال چھوڑ کر دنیا سے جانا ہی ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ جب تک وہ زندہ ہے اس مال سے دوسروں کی مدد کرتا رہے۔ اس مال دنیا کو کار خیر میں استعمال کرنے میں بخل سے کام نہ لے۔

وَاِنْ تَكُنِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِئَتْ
فَقَتْلُ امْرِءٍ بِالسَّيْفِ فِي اللّٰهِ اَفْضَلُ

جب مرنا ہی ہے تو خواہ بستر پر مرے خواہ میدان میں خواہ بخار سے لیکن کیا ہی بہتر ہو کہ انسان ایک اچھی موت مرے۔ انسان کا راہ خدا میں تلوار سے قتل ہو جانا نہ صرف اچھا بلکہ افضل ہے۔[۲]

۱۔ دیوان امام علیؑ ص ۳۱۲۔

۲۔ تاریخ ابن عساکر ص ۱۴۳۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۷۴۔

راہ خدا میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا احساس

آپ ان اشعار کو پڑھنے والے کے روحانی کیف و سرور اور سرشاری کا اندازہ لگائیں جس کے جسم اقدس کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گر رہے تھے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کے ذہن میں ایک ایسی ہستی آئے گی جس نے کربلا میں خود کو ایسے آرائش گر کے سپرد کر دیا ہے جو اُسے مزید نکھار بخش رہا ہے۔

امام حسینؑ جب دیکھتے ہیں یہی خون جسے آخر میں زمین پر بہنا تھا راہ خدا میں بہہ رہا ہے اور اُن کی پیشانی راہ خدا میں شگافتہ ہو رہی ہے اور اُن کے سینے میں لگنے والے تیر راہ خدا میں لگ رہے ہیں تو وہ کیسی روحانی لذت محسوس کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ امام حسینؑ کے جسم اقدس پر سینکڑوں تیروں، نیزوں اور تلواروں کے زخم موجود تھے۔

روایت است کہ بر پیکر شہ ذی جود

ہزار و نہ صد و پنجاہ و یک جراحت بود

روایت ہے کہ امام حسینؑ کے جسم پر ایک ہزار نو سو اکاون زخم تھے۔

اگر آپ راہ خدا میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی روحانی لذت کو محسوس کر سکیں تو آپ کو امام حسینؑ کے سینۂ مبارک پر لگے یہ سینکڑوں زخم، زخم نہیں بلکہ تمغے دکھائی دیں گے جو آپ کی شان بڑھانے والے اعزازی نشانات ہیں۔

نشیب قتل گاہ

اُن آخری لمحات میں جب امام حسینؑ گودال قتل گاہ میں پڑے ہوئے تھے آپ میں کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں تھی۔ جس جگہ امام حسینؑ کو شہید کیا گیا وہ نشیبی جگہ ہے اس لئے اُسے ''نشیب قتل گاہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ جب امام اُس جگہ سے قدرے دور ہوتے تو اہل حرم آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ آخری لمحات میں امام حسینؑ کے جسم پر اس قدر زخم تھے اور اتنا خون بہہ

گیا تھا کہ آپ پر تشنگی غالب آچکی تھی اور آپ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ایسی حالت میں دشمن نے اہل حرم کے خیموں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اُسے جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ کہیں یہ کیفیت بھی امام حسینؑ کی کوئی ''جنگی چال'' نہ ہو۔ اس لئے کہ دشمن کو یقین تھا کہ اگر آپ کی جاں میں جاں باقی ہے تو آپ اُن پر بھرپور حملہ کرسکتے ہیں۔

ایک سپاہی چاہتا ہے کہ آگے بڑھے اور آپ کے جسم اقدس سے سر کو الگ کر دے مگر اس میں اتنی جرأت نہیں کہ آپ کے قریب جاسکے۔ اس منظر کی جن لوگوں نے تعبیر کی ہے وہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ ایک غیور انسان ہیں۔ وہ غیرت اللہ ہیں۔ یہ محال ہے کہ آپ کی جاں میں جاں باقی ہو اور آپ یہ برداشت کرلیں کہ دشمن اہل حرم کے خیام پر یلغار کرے۔

لہٰذا جب دشمن یہ سمجھا کہ اب حسینؑ جاں بلب ہیں تو انہوں نے خیام کی طرف رخ کیا۔ ادھر امام کو جب احساس ہوا تو آپ اپنی ساری توانائیاں جمع کر کے بڑی مشکل سے تلوار کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور صحرائے کربلا میں آپ کی آواز ملامت بن کر گونجی: وَيْلَكُمْ يَا شِيعَةَ آلِ أَبِي سُفْيَانَ! أَنَا أُقَاتِلُكُمْ وَأَنْتُمْ تُقَاتِلُونَنِي وَالنِّسَاءُ لَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ.

اے اولاد ابو سفیان کے پیروکارو! اے اولاد ابو سفیان کے ہاتھوں اپنے ضمیر بیچنے والو! میں تم سے لڑ رہا ہوں اور تم مجھ سے لڑ رہے ہو۔ اس میں عورتوں اور بچوں کا تو کوئی قصور نہیں۔ كُونُوا أَحْرَارًا فِي دُنْيَاكُمْ.[1] اگر تم خدا کو نہیں پہچانتے، اگر تم آخرت کو نہیں مانتے تب بھی تمہاری انسانی شرافت اور آزادی کو کیا ہوا؟[2]

۱۔ لہوف ص ۱۲۰۔

۲۔ فلسفۂ اخلاق ص ۱۶۰۔۱۶۱۔

مجلس ۴۹

ہنگامِ شہادت امام حسینؑ کی شادابی و شگفتگی

لکھا ہے کہ صبح عاشور جونہی امام حسینؑ اپنے اصحاب کے ساتھ نماز فجر سے فارغ ہوئے[1] تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

اے میرے جانباز ساتھیو! موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یاد رکھو! موت ایک ایسا پل ہے جو تمہیں اس دنیا سے دوسری دنیا تک پہنچاتا ہے۔ یہ پل تمہیں اس تکلیف دہ دنیا سے ایک بلند، شریف اور لطیف دنیا تک لے جاتا ہے۔[2]

یہ تو امام کے کلام کا ایک حصہ ہے۔ اب آیئے اس حوالے سے اُن کا عمل بھی ملاحظہ کیجئے۔

یہ بات جو میں کہنے جا رہا ہوں امام حسینؑ نے نہیں کہی بلکہ وقائع نگاروں نے لکھی ہے۔ ہلال بن نافع جو عمر سعد کا وقائع نگار تھا یہ واقعہ اُسی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے حسینؑ بن علیؑ کے حوصلے پر حیرت ہوتی ہے کہ

۱۔ معانی الاخبار ص ۲۸۸ پر امام سجادؑ سے منقول ہے کہ یہ کلام اُس وقت کا ہے جب امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کو نہایت سخت صورت حال درپیش تھی۔ امام حسینؑ اور آپ کے خاص اصحاب کے سوا جن کی ایمانی قوت اور قلبی طمانیت اپنی مثال آپ تھی باقی اصحاب حسینؑ کے چہرے اُترے ہوئے تھے اور اُن کے دلوں پر ہیبت طاری تھی تب امام حسینؑ نے ان الفاظ کے ذریعے اُن کی جرأت اور جذبہ ایمانی کو ولولہ عطا فرمایا۔

۲۔ معانی الاخبار ص ۲۸۸۔

جیسے جیسے آپ کی شہادت کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جارہا تھا اور آپ کے مصائب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا اُسی قدر آپ کا چہرہ تر و تازہ ہوتا جارہا تھا بالکل اُس انسان کی طرح جس کے وصل کا وقت قریب آ گیا ہو۔ یہاں تک کہ وہ ازلی و ابدی ملعون جو آپ کا سر مبارک تن پاک سے جدا کرنے کے لئے آیا تھا اُس پر آپ کے نور جمال کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اُس سے خنجر چلایا نہ گیا۔ وہ کہتا تھا: لَقَدْ شَغَلَنِیْ نُوْرُ وَجْهِهٖ وَجَمَالُ هَیْبَتِهٖ عَنِ الْفِكْرَةِ فِیْ قَتْلِهٖ. جب میں حسینؑ بن علیؑ کے قریب پہنچا اور میری نظر اُن کے چہرے سے پھوٹنے والے نور پر پڑی تو میں اُس نور تاباں کے جمال میں کھو گیا اور مجھ پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میں قتل کے ارادے سے رک گیا۔[۱]

خیام حسینی کی نگرانی زندگی کے آخری لمحات تک

لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے اپنی جنگ کے موقع پر اپنے لئے ایک ایسی جگہ مقرر کر رکھی تھی جو اہل حرم کے خیموں کے قریب تھی۔ اس انتخاب کی دو وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ آپ جانتے تھے کہ دشمن بہت بزدل اور بیہودہ ہے اور اتنی غیرت نہیں رکھتا کہ کم از کم یہی سوچ کہ ہماری دشمنی حسینؑ سے ہے اس لئے ہم عورتوں اور بچوں کے خیموں کو نہ چھیڑیں جبکہ دوسری وجہ یہ تھی کہ امام حسینؑ چاہتے تھے کہ جب تک آپ کے جسم میں خون کا آخری قطرہ باقی ہے اور آپ کی رگ گردن پھڑک رہی ہے کوئی آپ کے اہلبیتؑ کے خیموں کو نہ چھیڑے۔ چنانچہ جنگ کے دوران جب آپ حملہ فرماتے اور دشمن آپ کے سامنے سے بھاگ جاتے تو آپ اُن کا زیادہ دور تک پیچھا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی جگہ واپس پلٹ آتے تاکہ اہل حرم کے خیموں پر کوئی حملہ نہ کرے۔

۱۔ لہوف ص ۱۲۸۔ موسوعة كلمات الامام الحسینؑ ص ۵۱۳۔

میری زندگی میں کوئی خیمے سے باہر نہ آئے

آپ چاہتے تھے کہ اہلبیتؑ کو معلوم ہوتا رہے کہ آپ زندہ ہیں لہٰذا آپ نے ایک ایسی جگہ کو مرکز بنایا ہوا تھا جہاں سے اہل حرم تک آپ کی آواز پہنچ جاتی تھی۔ آپ جس وقت حملہ کر کے واپس اپنے مرکز پر آتے تو اُسی جگہ کھڑے ہوکر بلند آواز میں فرماتے تھے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

جب امام حسینؑ کی یہ آواز بلند ہوتی تو بیبیوں کے دلوں کو اطمینان ہوجاتا اور وہ سمجھ جاتیں کہ مولا ابھی زندہ ہیں۔

امام نے اہل حرم سے فرمایا تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں کوئی بی بی خیمے سے باہر نہ آئے۔ آپ حضرات اس بات پر کہ مولا کی زندگی میں کوئی بی بی خیمے سے نکلی ہو ہرگز یقین نہ کیا کریں جیسا کہ پڑھنے والے پڑھتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ مولا کا حکم تھا کہ میری زندگی میں کوئی بی بی خیمے سے باہر نہ آئے۔ امام نے تو یہاں تک اہل حرم سے فرمایا تھا دیکھو! تمہارے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکلے جو تمہارے ثواب کو ضائع کر دے۔ اطمینان رکھو! تمہارا انجام بہت اچھا ہوگا۔ تمہیں اشرار کے شر سے نجات ملے گی اور خدا جلد تمہارے دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔[1]

بیبیوں کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ باہر آئیں۔ پھر وہ خود بھی باہر آنے والی نہیں تھیں۔ جس طرح امام حسینؑ کی غیرت اس امر کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ آپ کی زندگی میں کوئی بی بی خیمے سے باہر نکلے اسی طرح اُن مخدرات عصمت وطہارت کی غیرت وعفت بھی انہیں اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ خیموں سے باہر آئیں۔

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۲۹۸۔

اسی لئے جونہی اہل حرم امام کی زبان سے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ. سنتے تو اُن کے دلوں کو اطمینان ہو جاتا تھا۔

چونکہ امام آخری رخصت کے بعد بھی دو ایک بار واپس خیام میں تشریف لائے تھے اور خبر گیری کر کے گئے تھے یہی وجہ تھی کہ امام کے اہل حرم اس کے بعد بھی آپ کے انتظار میں تھے۔

ذوالجناح کے گرد اہل حرم کا نوحہ

اُس زمانے میں عربی گھوڑوں کو میدان جنگ کے لئے خاص طور پر سدھایا جاتا تھا کیونکہ گھوڑا سدھایا جانے والا جانور ہے۔ جس وقت اُس گھوڑے کا سوار قتل ہو جاتا تو وہ خاص قسم کا ردعمل ظاہر کرتا تھا۔

اہل حرم خیموں کے اندر منتظر ہیں کہ شاید امام کی کوئی آواز سن سکیں یا ایک بار پھر امام کا دیدار کر سکیں کہ اچانک ذوالجناح کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ اہل حرم خیمے کے دروازے پر آئے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید مولا تشریف لائے ہیں لیکن انہوں نے دیکھا کہ صرف ذوالجناح آیا ہے اور اُس کی زین الٹی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے واحسیناہ! وا محمداہ! کی فریاد بلند کی اور سب کے سب ذوالجناح کے گرد جمع ہو گئے۔ (بین کرنا انسانی فطرت ہے۔ انسان جب اپنا درد دل بیان کرنا چاہتا ہے تو بین کا سہارا لیتا ہے۔ آسمان سے خطاب کرتا ہے، حیوان کو مخاطب کرتا ہے یا کسی دوسرے انسان کو سناتا ہے) اور سبھوں نے کسی نہ کسی طرح اپنا درد دل بیان کیا۔[1]

مولا اہل حرم کو تاکید کر گئے تھے کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۶۰۔

رونے کی اجازت نہیں ہے البتہ جب میں شہید ہو جاؤں تب تم رو لینا۔ چنانچہ اہل حرم نے اسی حالت میں رونا شروع کیا۔

ذوالجناح سے سکینہؑ کا دلسوز سوال

لکھا ہے کہ امام حسین کو اپنی بیٹی سکینہؑ سے بے حد پیار تھا۔ یہی بیٹی بعد میں بہت بڑی ادیبہ اور عالمہ بنیں جن کا تمام علماء نہایت احترام کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔[۱] امام حسینؑ بی بی سکینہؑ کو بہت چاہتے تھے اور بی بی سکینہؑ بھی اپنے بابا سے بہت پیار کرتی تھیں۔

کتب مقاتل میں تحریر ہے کہ بی بی سکینہؑ ایسے دردناک نوحے کہتی تھیں کہ سب کے دل تڑپ جاتے تھے۔ جب تمام اہل حرم ذوالجناح کے گرد حلقہ باندھے مصروف بکا تھے تو دل فگار سکینہؑ نے ذوالجناح کو مخاطب کر کے کہا: يَا جَوَادَ اَبِیْ هَلْ سُقِیَ اَبِیْ اَمْ قُتِلَ عَطْشَانًا.[۲] یعنی اے میرے بابا کے اسپ وفادار! اتنا تو بتا دے کیا ظالموں نے میرے بابا کو پانی بھی دیا تھا یا پیاسا ہی قتل کر ڈالا؟

یہ کس وقت ہوا؟ یہ اُس وقت ہوا جب امام مظلوم پشت فرس سے فرش زمین پر گرے تھے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ.

۱۔ ہند و پاک کے اکثر علماء بیان کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کی چار سالہ لاڈلی بیٹی جناب سکینہؑ زندان شام میں انتقال کر گئیں تھیں اور وہیں مدفون ہیں۔ (رضوانی)

۲۔ مصائب المعصومینؑ ص ۳۲۰۔

مجلس ۵۰

اہلبیت امامؑ کے لئے سخت ترین دن

۱۱ رمحرم کا دن امام حسینؑ کے اہلبیتؑ پر گزرنے والا سخت ترین دن تھا۔ اگر ہم واقعہ کربلا کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیں تو ہمیں ایسے لگے گا جیسے یہ واقعہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ خلقت آدمؑ کے موقع پر ملائکہ نے خدا کے سامنے جو باتیں کہی تھیں اور خدا نے انہیں جو جواب دیا تھا کربلا اُسی بات کی منظر کشی کر رہا ہے کیونکہ ملائکہ نے کہا تھا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. (سورۂ بقرہ: آیت ۳۰)

یعنی تخلیق بشر کے موقع پر بشر کی طینت میں جس قدر برائیاں فرشتوں کو نظر آئی تھیں وہ سب کی سب کربلا میں ظاہر ہوگئیں جبکہ دوسری طرف خداوند قدوس نے جو یہ فرمایا تھا کہ اے میرے فرشتو! تم نے معاملے کا ایک رخ دیکھا ہے۔ دوسرے رخ پر تمہاری نظر نہیں گئی جو اُس کا نورانی پہلو ہے جو بشر کی فضیلت کا عکاس ہے۔ یہی بشری فضیلتیں بکمال و تمام کربلا میں نمایاں ہوکر سامنے آگئیں۔

اس اعتبار سے میدان کربلا نہایت ہی حیرت انگیز میدان آزمائش دکھائی دیتا ہے۔

دشمن کی شقاوتیں

یزیدیوں نے کربلا میں ایسی ایسی شقاوتوں کا ارتکاب کیا جن کی کوئی مثال نہیں ملتی یا بہت کم مثال ملتی ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہنا شاید بجا ہوگا کہ ان کی شقاوتوں کی مثال ہی نہیں ملتی۔ اُن شقاوتوں میں سے ایک شقاوت کسی جوان یا بچے کا اُس کی ماں کی آنکھوں کے سامنے سر کاٹنا ہے۔ واقعۂ کربلا میں آٹھ افراد کو جن میں سے تین بڑے اور پانچ بچے تھے اُن کی ماں کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا گیا یا اُن کا سر کاٹا گیا یا اُن کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔[1]

شہادت علی اصغرؑ

ان آٹھ شہیدوں میں سے ایک جناب عبداللہؑ تھے جو ہمارے درمیان شہزادہ علی اصغرؑ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان آٹھ شہیدوں کی مائیں کربلا میں موجود تھیں۔ امام حسینؑ کے اس طفل شیرخوار کی شہادت جیسا کہ معتبر کتب مقاتل سے پتا چلتا ہے خیمے کے سامنے ہوئی تھی۔ امام حسینؑ خیمے میں تشریف لائے اور فرمایا: یَا اُخْتَاہُ! اِیْتِیْنِیْ بِوَلَدِیَ الرَّضِیْعَ حَتّٰی اُوَدِّعَهُ.[2] یعنی بہن زینبؑ! میرے شیرخوار بیٹے کو لے آؤ تا کہ میں اُسے الوداع کہوں۔

لکھا ہے کہ حضرت زینبؑ بچے کو لے کر خدمت امام میں آئیں۔ امام نے بچے کو اپنے ہاتھوں پر لیا تا کہ اُس کا بوسہ لیں۔ بچے کی ماں بھی در خیمہ پر کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ عمر سعد کے اشارے سے ایک تیر آیا اور اصغرؑ گلبدن کے گلے میں پیوست ہوگیا۔

دوسرے شہید جناب قاسمؑ ماہ لقا ہیں۔ آپ کی والدہ بھی کربلا میں

۱۔ ابصار العین ص ۱۳۰۔ ۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۹۳۔

موجود تھیں[1] لیکن حضرت علی اکبرؑ کی والدہ جناب لیلیٰ کربلا میں موجود نہیں تھیں اگرچہ مشہور یہی ہے کہ جناب لیلیٰ کربلا میں تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کا نام واقعات کربلا کے ضمن میں کہیں نہیں آیا۔[2]

زینبؑ خود کو حسینؑ کا مقروض سمجھتی ہیں

کربلا میں جناب زینبؑ نے اپنے فرزند عون بن عبد اللہ بن جعفر طیار کو اپنی آنکھوں کے سامنے شہید ہوتے دیکھا تھا۔

عبد اللہ بن جعفر طیار کے دو بیٹے کربلا میں امام حسینؑ کے ہمراہ آئے تھے اور دونوں شہید ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک بیٹا جناب زینبؑ کے بطن مبارک سے تھا۔[3] یہ طے شدہ بات ہے کہ جناب زینبؑ کا ایک ہی بیٹا کربلا میں شہید ہوا تھا۔ اس ضمن میں جناب زینبؑ کی اعلیٰ ظرفی دیکھیے کہ مقتل کی کسی بھی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ جناب زینبؑ نے اپنے فرزند عزیز کی شہادت سے پہلے یا شہادت کے بعد کبھی اُس کا نام لے کر اُسے یاد کیا ہو۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے آپ اپنے بیٹے کا نام لینا چاہتیں تو یہ سوچ کر رک جاتیں کہ شاید ایسا کرنا بھائی حسینؑ کی شان میں بے ادبی نہ ہو۔ یعنی بھائی حسینؑ میرا بیٹا اس قابل ہی کب تھا کہ آپ پر قربان ہو۔ مثال کے طور پر حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے موقع پر جناب زینبؑ خیمے سے نکل کر دوڑیں اور پکاریں یَا اُخَیَّہ وَابْنَ اُخَیَّہ.[4] ہائے میرا بھائی! ہائے میرا بھتیجا! لیکن

۱۔ جناب قاسمؑ کی والدہ کا نام ''رملہ'' تھا۔ وہ اُم ولد تھیں۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۶۳۔

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۷۵۔

۳۔ عبد اللہؑ بن جعفر طیارؑ کے دوسرے فرزند کا نام محمد تھا جن کی ماں کا نام ''خوصاء'' تھا۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۶۲۔

۴۔ ارشاد مفید ص ۲۳۹ اور منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۶۷۴ پر عبارت اس طرح ہے: یَا اُخَیَّاہ وَابْنَ اُخَیَّاہ.

کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ جناب زینبؑ نے اپنے بیٹے کی شہادت کے موقع پر ایسی بیتابی کا اظہار کیا ہو۔

فرزندان مسلمؑ بن عقیل میں سے بھی ایک جوان کو اُس کی ماں کے سامنے شہید کیا گیا تھا۔ وہ ماں امام علیؑ کی صاحبزادی حضرت رقیہ تھیں۔[۱]

(یہ سارے شہید آل ابی طالبؑ میں سے تھے)۔

دو تین شہیدوں کا تعلق اصحاب حسینؑ سے ہے۔ اُن میں سے ایک جناب عبداللہ بن عمیر کلبی ہیں[۲] جبکہ دوسرے شہید وہ ہیں جن کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ وہ کس صحابی کے فرزند تھے۔[۳] یہ دونوں شہید بھی وہ ہیں جنہیں اُن کی ماؤں کی نظروں کے سامنے شہید کیا گیا۔ میں اپنی گزشتہ مجلسوں میں اُن کے متعلق عرض کر چکا ہوں۔

وہ ماں جس کے سامنے نوجوان کا سر کاٹا گیا

ایک دس سالہ بچہ جس کا تعلق خانوادۂ اہلبیتؑ سے تھا اور مجھے اُس کا نام یاد نہیں رہا امام حسینؑ کی شہادت کے بعد قتل کیا گیا۔ شہادت امام مظلوم کے بعد جب خیموں میں ہلچل مچی تو یہ بچہ بھاگ کر باہر نکلا۔ مقتل کی عبارت اس طرح ہے کہ خَرَجَ مَذْعُوْرًا وہ بچہ بدحواسی کے عالم میں خیمے سے نکلا کہ یہ سب کیا ہوگیا؟ راوی کہتا ہے کہ میں یہ بات کبھی نہیں بھول سکتا کہ اُس بچے کے دونوں کانوں میں بُندے تھے اور اُس کی ماں بھی قریب ہی کھڑی تھی کہ ایک ستمگر نے آگے بڑھ کر اُس بچے کا سر قلم کر دیا۔[۴]

۱۔ جناب مسلمؑ کے اس بیٹے کا نام عبداللہؑ تھا۔ ابصار العین ص ۱۳۰۔

۲۔ یہ نوجوان وہب بن عبداللہ بن حباب کلبی تھے جن کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ (رضوانی)

۳۔ اس بچے کا نام عمرو بن جنادہ انصاریؒ تھا۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۵۳۔

۴۔ اس بچے کا نام محمد بن ابی سعید بن عقیل تھا۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۲۸۰۔

ایک اور بچہ جو امام حسینؑ کے لئے دکھ اور حیرت کا باعث بنا وہ عبداللہ بن حسنؑ تھا۔ امام حسنؑ کا یہ بیٹا جس کی عمر دس سال تھی اور جس کی ماں بھی کربلا میں موجود تھی[1] امام حسینؑ کے زیر سایہ پلا بڑھا تھا۔ امام حسینؑ کو بھائی کی اس نشانی سے بے پناہ محبت تھی۔ کہتے ہیں کہ جب امام حسینؑ اپنی زندگی کے آخری لحات میں نشیب قتل گاہ میں گرے ہوئے تھے یہ بچہ خیمے سے نکل کر میدان کی طرف بھاگا۔ جناب زینبؑ نے اُسے پکڑ لیا لیکن بچہ پھوپی کا ہاتھ چھڑا کر یہ کہتے ہوئے خیمے سے نکل گیا وَاللّٰہِ لَا اُفَارِقُ عَمِّیْ. خدا کی قسم! میں اپنے چچا کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ اُس نے نشیب میں پہنچ کر خود کو امام حسینؑ پر گرا دیا۔ سبحان اللہ! کیا شان صبر ہے۔ صبر حسینؑ کتنا عظیم ہے۔ قلب حسینؑ کس قدر مطمئن ہے۔ امام حسینؑ نے بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ بچہ آپ سے باتیں کرنے لگا کہ اسی دوران ایک ظالم تلوار لئے قتل امام پر آمادہ ہوا تو اُس بچے نے اُس سے کہا یَا ابْنَ اللَّخْنَاءِ[2] کیا تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے؟ جونہی ظالم کی تلوار چلی بچے نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے اور وہ دونوں کٹ گئے۔ بچے نے فریاد بلند کی چچا جان! میری خبر لیجئے۔ امام حسینؑ نے ایک آہ بھری اور فرمایا: میرے بھائی کی نشانی! صبر کرو۔ تم جلد اپنے باپ اور دادا سے جا ملو گے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ.

۱۔ ابصار العین ص ۱۳۰۔ فَاِنَّ اُمَّہٗ بِنْتُ الشَّلِیْلِ الْبَجَلِیَّۃِ الرَّاقِفَۃ تَنْظُرُ اِلَیْہِ.

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۴۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۵۳۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۰۰ پر عبارت اس طرح ہے وَیْلَکَ یَا ابْنَ الْخَبِیْثَۃِ اَتَقْتُلُ عَمِّیْ؟ اے خبیث کی اولاد! تجھ پر خدا کی مار! کیا تو میرے چچا کو قتل کرنے آیا ہے؟

مجلس ۵۱

جناب زینبؑ بطور قافلہ سالار

تاریخ کربلا ایسی تاریخ ہے جس میں مرد و زن دونوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس تاریخ میں دونوں کا اپنا اپنا حصہ ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ مرد اپنے دائرے میں تھے اور خواتین اپنے دائرے میں تھیں اور یہی اسلام کا معجزہ ہے کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ جنہم کا خریدار نہ بنا جائے۔ آج کی دنیا بھی یہ بات تسلیم کرے کہ مرد و زن کا الگ الگ دائرہ کار ہے۔ اگر آج نہیں تو کل یہ بات تسلیم کرلی جائے گی۔

امام حسینؑ اہل حرم کو اس لئے کربلا میں لے کر گئے تھے کہ اس اَنمٹ تاریخ میں خواتین کا بھی کردار نکھر کر سامنے آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس عظیم تاریخ کو رقم کرنے میں جناب زینبؑ صنف نسواں کے دائرے میں رہتے ہوئے قائدانہ کردار ادا کریں اور کسی حال میں اپنے مدار سے باہر نہ نکلیں۔

عصر عاشور کے بعد جناب زینبؑ کا کردار نمایاں ہونا شروع ہوتا ہے۔ اب وہی اہل حرم کی قافلہ سالار نظر آتی ہیں کیونکہ اُس وقت مردوں میں صرف امام سجادؑ زندہ تھے جو شدید بیمار تھے اور آپ اُن کی نگہداشت کر رہی تھیں۔ ابن زیاد کا حکم تھا کہ اولاد حسینؑ میں سے کسی بھی مرد کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ اس حکم پر عملدرآمد کے لئے امام سجادؑ کو قتل کرنے کی بارہا کوشش کی گئی لیکن پھر دشمن نے خود ہی یہ بات بھی کہی کہ اِنَّہٗ لِمَا بِہٖ[1] یہ تو خود مر رہا ہے ہم

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۴۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۶۱۔

اسے کیا ماریں۔ تاہم یہ بھی امام حسینؑ کی نسل پاک کو باقی رکھنے کے لئے خدائے بزرگ و برتر کی ایک حکمت اور مصلحت تھی۔

ہمیں قتل گاہ کے قریب سے گزارا جائے

۱۱ رمحرم کی عصر کو اہل حرم کو قیدی بنا کر ایسی سواریوں (اونٹوں یا خچروں یا دونوں) پر بٹھایا گیا جن کی کاٹھیاں لکڑی کی تھیں۔ اُن کو اجازت نہیں تھی کہ ان کاٹھیوں پر کپڑا ڈال سکیں کیونکہ اس طرح لشکر جفا کار انہیں زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچانا چاہتا تھا۔ اس موقع پر اہل حرم نے کہا: قُلْنَ بِحَقِّ اللّٰهِ اِلَّا مَا مَرَرْتُمْ بِنَا عَلٰى مَصْرَعِ الْحُسَيْنِ.[۱] تمہیں خدا کی قسم ہے ہمیں قتل گاہ حسینؑ کی طرف سے لے کر چلو (تاکہ ہم گنج شہیداں میں اپنے عزیزوں کو آخری بار الوداع کہہ لیں)۔

بھائی کی لاش پر بی بی زینبؑ کا بین

قیدیوں میں صرف امام سجادؑ تھے جن کے پاؤں اُن کی بیماری کی وجہ سے سواری کے پیٹ سے باندھ دیئے گئے تھے جبکہ دوسرے قیدی سواریوں پر بیٹھے تھے۔ چنانچہ جب یہ لوگ قتل گاہ میں پہنچے تو انہوں نے بے اختیار اپنے آپ کو سواریوں سے زمین پر گرا دیا۔ جناب زینبؑ امام حسینؑ کی لاش کے قریب پہنچیں تو انہوں نے بھائی کو ایسی حالت میں دیکھا جس میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جناب زینبؑ نے دیکھا کہ بھائی کا جسم بے کفن پڑا ہے اور جسم پر سر بھی نہیں ہے۔ چنانچہ جسم بے سر سے مخاطب ہوکر بولیں: بِاَبِی الْمَهْمُوْمِ حَتّٰى قَضٰى بِاَبِی الْعَطْشَانِ حَتّٰى مَضٰى. تیرے قربان جاؤں بھائی!

۱۔ لہوف ص ۱۳۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۵۸۔

تم صدمے اٹھا کر دنیا سے چلے گئے، تم پیاسے ہی جہاں سے گزر گئے۔
اس کے بعد آپ نے ایسا بین کیا کہ فَأَبْکَتْ وَاللّٰهِ کُلَّ عَدُوٍّ وَ صَدِیْقٍ
دوست اور دشمن سب کو رلا دیا۔[1]

بی بی زینبؑ کی ذمے داری

اگرچہ امام حسینؑ کے سوگ کی پہلی مجلس جناب زینبؑ نے قائم کر دی تھی تاہم آپ اپنی ذمے داریوں سے بھی غافل نہیں تھیں۔ امام سجادؑ کی دیکھ بھال آپ کے ذمے تھی۔ چنانچہ آپ گاہے گاہے اُن کے چہرے کی طرف دیکھتی رہتی تھیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ امام حسینؑ کی سر بریدہ اور بے کفن لاش دیکھ کر امام سجادؑ کی حالت بگڑ گئی ہے اور یوں لگ رہا تھا کہ بس اُن کی جان نکل جائے گی تو آپ بھائی کی لاش کو چھوڑ کر فوراً امام سجادؑ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں یَا ابْنَ اَخِیْ! اے میرے بھائی کی نشانی! تمہاری یہ حالت کس لئے ہوگئی ہے؟ لگتا ہے جیسے تمہارے جسم سے روح پرواز کرنے والی ہے۔ امام سجادؑ نے نحیف آواز میں فرمایا: پھوپی اماں! اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کی لاشیں دیکھ کر مجھے کیونکر اذیت نہ ہو۔ اُن حالات میں جناب زینبؑ نے امام سجادؑ کو تسلی دی۔[2]

اُم ایمن سے منقول حدیث

اُم ایمن نہایت ہی جلیل القدر بی بی ہیں۔ آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کی ظاہراً کنیز تھیں اور بعد میں آپ کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ آزادی کے بعد بھی وہ کاشانۂ نبوت میں رہتی تھیں۔ آنحضرتؐ اُن کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔

۱۔ لہوف ص ۱۳۴۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۵۸۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۰۷۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ۱۷۹۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۱۸۔

اُم ایمن وہ عظیم بی بی ہیں جنھوں نے کاشانۂ نبوت میں ایک طویل عرصہ گزارا۔ انہوں نے حضرت زینبؑ کو رسول اللہؐ کی ایک حدیث سنائی تھی۔ حضرت زینبؑ یہ حدیث سن کر اپنے بابا حضرت امیر المومنینؑ کے پاس تشریف لائیں تاکہ اس حدیث کی تصدیق کرالیں۔ یہ حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت کے آخری ایام تھے۔ حضرت زینبؑ نے عرض کی بابا جان! میں نے اُم ایمن سے یہ حدیث سنی ہے۔ پھر آپ نے وہ حدیث بیان کی۔ حضرت امیر المومنینؑ نے حدیث سن کر فرمایا کہ اُم ایمن نے بالکل صحیح حدیث سنائی ہے۔[1]

حضرت زینبؑ نے امام سجادؑ کو تسلی دیتے ہوئے یہ حدیث اُس وقت سنائی جب اُن کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس حدیث میں ہے کہ واقعہ کربلا اپنے دامن میں ایک نکتہ لئے ہوئے ہے لہٰذا تم ان حالات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ لینا کہ تمہارے بابا مارے گئے اور ختم ہوگئے۔ نہیں میرے بھتیجے ایسا ہرگز نہیں۔ ہمارے جد کی حدیث یہ ہے کہ آج جس جگہ حسینؑ کا بے کفن لاشہ نظر آرہا ہے کل اسی جگہ[2] اہل ولا قبر حسینؑ کا طواف کیا کریں گے۔

بیاں سرِ شہادت کی اگر تفسیر ہو جائے
مسلمانوں کا قبلہ روضہ شبیرؑ ہو جائے

قیدیوں کا قافلہ کوفہ میں

آج ہی کے دن کی طرح ۱۱ رمحرم کو ظہر کے بعد کا وقت تھا جب پسر سعد اپنے سپاہیوں کی لاشیں دفنانے کے لئے کربلا میں رک گیا لیکن امام حسینؑ کے اصحاب اور اعزا کی لاشیں اسی طرح بے گور وکفن پڑی رہیں۔ اہل حرم کو قید کر کے (غالباً آج ہی کے دن یعنی ۱۲ رمحرم کی رات کو) کربلا سے

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۸۳۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۷۹۔ کامل زیارات ص ۲۵۹۔

کوفہ روانہ کر دیا گیا۔ کربلا سے کوفہ کا فاصلہ تقریباً بارہ فرسخ ہے کیونکہ پروگرام اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ ۱۲ محرم کے دن قیدیوں کو شادیانوں کی گونج میں یزید کی فتح و کامرانی اور رعب داب کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوفہ میں داخل کیا جائے گا تاکہ ان کے خیال خام میں اہلبیت رسولؐ پر آخری ضرب لگائی جا سکے۔

انہیں لے جایا جا رہا ہے اس حالت میں کہ حضرت زینبؑ شب عاشور سے اب تک بالکل نہیں سوئی تھیں۔ شہداء کے مقدس سروں کو نیزوں پر بلند کرکے پہلے ہی کوفہ بھیج دیا گیا تھا۔[1] مجھے نہیں معلوم کہ دن کا وہ کون سا وقت تھا (روایات کے مطابق ۱۲ محرم کی صبح طلوع ہوئے دو یا تین گھنٹے گزر چکے تھے) اِدھر اہل حرم کوفہ میں داخل ہوئے اُدھر یہ حکم جاری ہوا کہ شہداء کے کٹے ہوئے سر قیدیوں کے استقبال کے لئے لے جائے جائیں تاکہ وہ سر بھی قیدیوں کے ساتھ دربار میں لائے جائیں۔[2] اُس وقت اہل حرم کی جو حالت تھی وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

بی بی زینبؑ کے خطبے نے علیؑ کی یاد تازہ کر دی

ارباب عزا!

ذرا تصور فرمائیں کہ شہر کوفہ کے دروازے پر علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں نظر آرہی ہیں۔ لوگ تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ یہ وہی کوفہ ہے جہاں امام علیؑ کی حکومت تھی۔ علیؑ کی بیٹی زینبؑ کا اپنا ایک تشخص تھا اور اُن کی اپنی ایک پہچان تھی (کہاں وہ زینبؑ اور کہاں کوفہ کا بازار) جس کا ثبوت جناب زینبؑ کا معرکۃ الآراء خطبہ ہے۔

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۱۸۷۔ ۲۔ ایضاً ص ۴۲۸۔

راویوں نے لکھا ہے کہ اسیر رنج و محن جناب زینبؑ نے لب کشائی کے لئے ایک خاص وقت کو مناسب جانتے ہوئے ایک اشارہ کیا۔ تاریخ لکھتی ہے کہ وَقَدْ اَوْمَأَتْ اِلَى النَّاسِ اَنْ اُسْكُتُوْا فَارْتَدَّتِ الْاَنْفَاسُ وَسَكَنَتِ الْاَجْرَاسُ.[۱] یعنی اُس ماحول پر جس میں کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی ایک دم سناٹا چھا گیا جیسے سانسیں سینوں میں رک گئی ہوں اور گھنٹیوں کی آوازیں معدوم ہوگئی ہوں یہاں تک کہ سواریاں بھی رک گئیں (ظاہر ہے کہ جب سوار رکیں گے تو سواریاں بھی خود بخود رک جائیں گی)۔

بی بی زینبؑ کی شرم و حیا

جناب زینبؑ نے ایک خطبہ دیا جس کے متعلق راوی کہتا ہے وَلَمْ اَرَ وَاللّٰهِ خَفِرَةً قَطُّ اَنْطَقَ مِنْهَا.[۲]

اس جملے میں خفرہ کا لفظ بے حد اہم ہے۔ خفرہ کے معنی ہیں باحیا خاتون اور بات چونکہ خطاب کی ہے اس لئے مطلب یہ نکلتا ہے کہ خدا کی قسم! میں نے ایسی باحیا خاتون نہیں دیکھی جس کے انداز تکلم سے نسوانیت کی عظمت یعنی حیا ٹپک رہی ہو۔ گویا اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ زینبؑ کا انداز تکلم علیؑ کی شجاعت اور نسوانی حیا کا امتزاج تھا۔

کوفے میں بیس سال پہلے علیؑ امیر المومنین کہلاتے تھے اور آپ نے تقریباً پانچ سال حکومت کی تھی۔ منبر کوفہ سے علیؑ نے متعدد خطبے ارشاد فرمائے تھے۔ علیؑ کا لہجہ لوگ ابھی تک بھولے نہیں تھے کیونکہ علیؑ کا لہجہ بے مثل و بے نظیر تھا۔ چنانچہ راوی کہتا ہے کہ جب حضرت زینبؑ نے خطبہ

۱و۲۔ امالی، شیخ مفید ص ۱۹۸۔ لہوف ص ۱۳۶۔ بحار الانوار ج ۴۵ ص ۱۰۸ تا ۱۶۳۔

دیا تو ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے علیؑ دوبارہ زندہ ہو گئے ہوں۔ زینبؑ کے قالب میں علیؑ کی روح بول رہی ہو۔

راوی کہتا ہے کہ جونہی حضرت زینبؑ کا مختصر خطبہ[۱] ختم ہوا میں نے دیکھا کہ تمام لوگ دانتوں تلے اپنی انگلیاں دبائے ہوئے تھے۔

گویا اس طرح اپنے مختصر خطاب میں جناب زینب علیا مقام نے بتایا کہ یہ ہے عورت کا وہ کردار جسے اسلام پسند کرتا ہے۔ یعنی اسلام چاہتا ہے کہ عورت حیا، عفت، پاکیزگی اور تقدس میں ڈوبی ہوئی شخصیت رہے۔

تاریخ کربلا اس دلیل کی بنیاد پر مرد و زن دونوں کی تاریخ ہے کہ اسے رقم کرنے میں جس طرح مردوں نے مؤثر کردار ادا کیا ہے اسی طرح عورتوں نے بھی حدودِ نسوانیت میں رہتے ہوئے اپنی ذمے داری نبھائی ہے۔ گویا تاریخ کربلا جو درحقیقت کمال انسانیت کے مراحل سے گزری ہے مرد و زن دونوں کے اشتراک سے وجود میں آئی ہے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

۱۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا کے اس معرکۃ الآراء خطبے کا ترجمہ صفحہ ۲۷۳ پر پیش کیا گیا ہے۔

مجلس ۵۲

بی بی زینبؑ ابن زیاد کے دربار میں

آپ بارہا سن چکے ہیں کہ سانحۂ کربلا میں امام حسینؑ کی ذات اقدس، آپ کے اصحاب اور اہلبیتؑ کو ذاتی طور پر جو نمایاں اور امتیازی حیثیت حاصل ہے وہ یہ اخلاقی معیار اور کسوٹی ہے کہ ہم ذلت گوارا نہیں کریں گے۔ ہم قیدی بنائے جاسکتے ہیں، ہمیں زنجیریں پہنائی جاسکتی ہیں، ہماری گردنوں میں بھاری طوق ڈالے جاسکتے ہیں، ہم زخمی بھی ہوسکتے ہیں، ہم قتل بھی ہوسکتے ہیں لیکن ہماری روح کسی بھی صورت میں ذلت کا بوجھ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں چاہے عورت ہوتے ہوئے بھی قیدی بننا پڑے۔

کہتے ہیں کہ اہل حرم کو قیدی بنا کر جب ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا تو خاندان اہلبیتؑ کی عورتوں کے علاوہ بعض اصحاب کی عورتوں اور کنیزوں نے حضرت زینبؑ کو اپنے حلقے میں لیا ہوا تھا۔ جناب زینبؑ بلند قامت خاتون تھیں لہٰذا دیگر خواتین کے حلقے میں ہونے کے باوجود اپنے قد و قامت کی وجہ سے آپ سب میں نمایاں تھیں۔ دربار میں وارد ہونے کے بعد آپ نے سلام نہیں کیا۔

ابن زیاد سمجھتا تھا کہ اس سانحے کے بعد اُس نے اہلبیتؑ کی تمام تر طاقت چھین لی ہے۔ اُس کے خیال خام میں تھا کہ اُس نے اہلبیتؑ کو اتنا لاچار کردیا ہے کہ وہ مجبور ہوکر اُس کے سامنے گڑگڑائیں گے۔ چنانچہ اُسے

توقع تھی کہ کم از کم حضرت زینبؑ چاہے بطور مصلحت ہی سہی اُسے سلام ضرور کریں گی لیکن اُس کی توقع کے برخلاف علیؑ کی پُرعزم بیٹی نے اُس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ اسے اپنی توہین جان کر کھول اٹھا۔ شاید وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ خاندان نبوت کی روحیں دباؤ میں آنے والی نہیں ہیں۔ جب حضرت زینبؑ بیٹھ گئیں [۱] تو اُس نے نشۂ امارت کے غرور میں کہا مَنْ هٰذِهِ الْمُتَكَبِّرَةُ ؟ یہ عورت کون ہے جو اس قدر تمکنت کا مظاہرہ کر رہی ہے؟ یا یہ کہا کہ مَنْ هٰذِهِ الْمُنْكِرَةُ ؟ اُس نے سلام کیوں نہیں کیا ؟ یا یہ کہ دوسروں کی ناقدری کرنے والی یہ عورت کون ہے ؟ (یہ دونوں قسم کی عبارتیں ملتی ہیں۔ ایک میں لفظ متکبرہ ہے اور دوسری میں منکرہ) کسی نے ابن زیاد کو کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے یہی سوال دہرایا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ تیسری یا چوتھی بار جب اُس نے پوچھا تو ایک عورت نے کہا هٰذِهِ زَيْنَبُ بِنْتُ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ. یہ علیؑ بن ابی طالبؑ کی بیٹی زینبؑ ہے۔

ابن زیاد نے لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کرنے کے لئے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَحَكُمْ وَقَتَلَكُمْ وَاَكْذَبَ اُحْدُوْثَتَكُمْ. (یہ جملے بڑے معنی خیز ہیں) یعنی خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تمہیں رسوا کیا۔ موت کے گھاٹ اُتارا اور تمہارے جھوٹ کا پردہ چاک کیا۔ وہ ملعون اس طرح جناب زینبؑ کے دل پر زبان کے زخم لگا رہا تھا۔

اس موقع پر جناب زینبؑ پر ایک بھاری ذمے داری تھی۔ چنانچہ یہ سننا تھا کہ پُرعزم جناب زینبؑ نے ابن زیاد سے اقتدار شکن انداز میں فرمایا:

۱۔ عام طور پر جنگی قیدی فاتح فوج کے کمانڈر کی اجازت کے بغیر نہیں بیٹھ سکتے لیکن ابن زیاد کے دربار میں جناب زینبؑ نے ابن زیاد کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر اُس کا غرور توڑ دیا اور اُسے یہ باور کرایا کہ درحقیقت فاتح وہ نہیں ہم ہیں۔ (رضوانی)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَطَهَّرَنَا تَطْهِیْرًا ، لَا کَمَا تَقُوْلُ. تمام شکر و سپاس اُس خدا کے لئے ہے جس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت دے کر ہمیں عزت عطا فرمائی اور ہمارے گھرانے کو کمال طہارت کا شرف بخشا۔ ایسا نہیں ہے جیسا تو کہہ رہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

اِنَّمَا یَفْتَضِحُ الْفَاسِقُ وَیَکْذِبُ الْفَاجِرُ وَهُوَ غَیْرُنَا. ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَا ابْنَ مَرْجَانَةَ.[1] اے ابن زیاد! بے آبرو وہ ہوتا ہے جو بدکار ہو اور جھوٹ وہ بولتا ہے جو گنہگار ہوتا ہے۔ وہ ہم نہیں ہمارا غیر ہے۔ جھوٹ بولنا اہل حقیقت کا شیوہ نہیں۔ جھوٹ ہم سے کوسوں دور ہے۔ اے پسر مرجانہ! خدا تجھے غارت کرے۔

یہ سنتے ہی ابن زیاد کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ وہ چٹیلے ناگ کی طرح پھنکار کر بولا: تم میں اب بھی دم خم باقی ہے؟ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی تم اُسی طرح بول رہے ہو۔ اب بھی اپنی بات پر قائم ہو۔

اگرچہ ''پسر مرجانہ'' ظاہر میں دو لفظ ہیں مگر اُس داستان کی حکایت کرتے ہیں جو ابن زیاد کی پست شخصیت کو بے نقاب کرتی ہے۔ ابن زیاد کی ماں مرجانہ ایک بدکار عورت تھی اور مرجانہ کا بیٹا کہہ کر جناب زینبؑ نے ابن زیاد اور دربار میں موجود سب لوگوں کو ایک حقیقت کی طرف متوجہ کیا تھا۔

پھر اُس نے جلاد کو آواز دی کہ اس عورت (جناب زینبؑ) کی گردن اڑا دے۔

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۴۳۔ لہوف ص ۱۶۰۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۱۵ تا ۱۱۷۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۳۵۷۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۲۲۔

اس کے بعد امام سجادؑ سے مخاطب ہوا تو انہوں نے بھی اُسے اُسی طرح ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ چنانچہ ابن زیاد نے جلاد سے کہا کہ اس جوان کی گردن مار دو۔ یہ سن کر حضرت زینبؑ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئیں اور امام سجادؑ کو اپنے سینے سے لگا کر بولیں:

خدا کی قسم! تم اُس وقت تک اسے قتل نہیں کر سکتے جب تک میری گردن نہ کاٹ لو۔[1]

لکھا ہے کہ ابن زیاد کچھ دیر تک ان دونوں کو دیکھتا رہا اور پھر کہنے لگا

عَجَبًا لِلرَّحِمِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ.

میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر میں اس جوان کو قتل کرتا ہوں تو پہلے مجھے اس عورت کو قتل کرنا پڑے گا۔[2]

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۴۴۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۱۷۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۲۵۔

۲۔ فلسفۂ اخلاق ص ۵۷ تا ۵۹۔

مجلس ۵۳

قاتلان حسینؑ کا اپنے جرم کو مذہبی رنگ دینا

ہر نظام اپنے وجود کی بقا کے لئے ایسے نظریاتی اور اعتقادی سہارے کا محتاج ہوتا ہے جس پر وہ باقی رہ سکے۔ چنانچہ ہر نظام چاہتا ہے کہ وہ سہارا ایک فلسفے یا ایک نظریے کی صورت میں چاہے وہ مذہبی نظریہ ہو عوام کے دل و دماغ میں بٹھا دیا جائے تا کہ اُس کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہو۔ یزید کی حکومت بھی کسی نظریاتی سہارے کے بغیر یا کم از کم موجودہ عقائد کی توجیہ کے بغیر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی تھی۔

آپ لوگ یہ مت سمجھیں کہ وہ لوگ اتنے بیوقوف تھے جو یہ سوچ رہے تھے کہ جنگ کربلا کے بعد بات ختم ہوگئی ہے اور اس حوالے سے اب کچھ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ اس سانحے کے بعد حکومت ہر لحہ اس فکر میں رہتی تھی کہ عوام کو ایک ایسے سلسلہ فکر میں الجھائے رکھے کہ عوام یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ موجودہ نظام کے بہترین مفاد میں ہے۔ عوام میں جو مذہبی طبقہ ہوتا ہے اُس کی حمایت حاصل کرنے کے لئے حکومتی اقدامات کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی بات کے پیش نظر ''قاضی شریح'' سے مدد مانگی گئی تھی تا کہ لوگوں کو فکری طور پر مطمئن کیا جاسکے اور اُن کے انداز فکر کو بتدریج بدلا جاسکے۔ کربلا کے واقعہ میں عصر عاشور تک یہ سوچ کامیاب رہی۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کربلا میں تیس ہزار افراد فرزند رسولؐ کو قتل کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ کیوں؟ وَکُلٌّ یَتَقَرَّبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ بِدَمِہٖ تاکہ فرزند رسولؐ کا خون بہا کر خدا کا تقرب حاصل کریں [1] یہ لوگ امام حسینؑ پر تلواریں چلاتے تھے تاکہ جنت کما سکیں۔ اس کام کے لئے کہ اُن لوگوں کے سرداروں کو بقول فرزدق رشوت کی تھیلیاں دے کر خریدا گیا تھا جبکہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے۔ اُن کو فکری لحاظ سے گمراہ کرنے والے وہی سردار تھے جنھوں نے رشوت سے اپنی جیبیں بھری تھیں۔ ابن زیاد کی حکومت کی خاص بات یہی تھی کہ وہ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے ایسے جرائم کو مذہبی رنگ دیا کرتا تھا۔

ادھر یزید شراب نوشی کی وجہ سے اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا رہا تھا، شراب کے نشے میں مست ہونے کے بعد جب اُس کی کھوپڑی گرم ہوتی تو اُس کا باطن بولنے لگتا اور حواس اُس کے قابو میں نہیں رہتے تھے۔ مستی کے عالم میں وہ سچ بات کہہ دیتا تھا اور اُس نے سچ ہی کہا تھا کہ میں کوئی بھی چیز قبول نہیں کرتا۔ شراب نوشی نے اُسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا ورنہ یزید بھی عوام کو گمراہ کرنے کے لئے ایسے فکری حربے استعمال کرتا۔

شہادت عظمیٰ کے بعد ابن زیاد نے جب لوگوں کو مسجد کوفہ میں جمع کیا تاکہ انہیں اس واقعہ سے آگاہ کرے تو اس موقع پر بھی اُس نے امام حسینؑ کے قتل کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی اور تقدس کا نقاب اوڑھتے ہوئے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَظْھَرَ الْحَقَّ وَاَھْلَہٗ وَنَصَرَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَشْیَاعَہٗ

۱۔ بحار الانوار ج ۴۴، ص ۲۹۸ پر یہ روایت امام سجادؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: وَلَا یَوْمَ کَیَوْمِ الْحُسَیْنِ اِذْ ذَلَفَ اِلَیْہِ ثَلَاثُوْنَ اَلْفَ رَجُلٍ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ کُلٌّ یَتَقَرَّبُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ بِدَمِہٖ.

وَقَتَلَ الْکَذَّابَ بْنَ الْکَذَّابِ[1] شکر ہے اُس خدا کا جس نے حق اور اہل حق کو فتح بخشی اور ایک جھوٹے کے جھوٹ بولنے والے بیٹے کو قتل کرا دیا جو لوگوں کو فریب دینا چاہتا تھا۔ ابن زیاد لوگوں سے ''الٰہی تیرا شکر'' ہے کے الفاظ کہلوانا چاہتا تھا اور شاید اس وقت سینکڑوں لوگوں نے الٰہی شکر ہے کہا بھی مگر اُسی مسجد میں موجود ایک نابینا شخص نے جو آنکھوں سے تو اندھا تھا مگر نگاہ بصیرت سے دیکھتا تھا ابن زیاد کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

اندھے نے ابن زیاد کی چال کامیاب نہ ہونے دی

ایک شخص تھا عبد اللہ ابن عفیف[2] — خدا اُس پر رحمت نازل فرمائے۔ کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں اور ایسے حالات میں ''پوری دنیا'' اُن کی ''ایک جان'' کی قیمت قرار پاتی ہے۔ عبد اللہ بن عفیف کی بھی یہی کیفیت ہے۔ وہ دونوں آنکھوں سے نابینا تھے اُن کی ایک آنکھ جمل میں جبکہ دوسری آنکھ صفین میں ضائع ہوگئی تھی۔ ان دونوں جنگوں میں وہ امام علیؑ کے ہمرکاب تھے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے وہ کوئی کام نہیں کر سکتے تھے اور معذوری کی وجہ سے جہاد میں بھی حصہ نہیں لے سکتے تھے اس لئے زیادہ وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ اس دن بھی وہ

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۴۴۔ لہوف ص ۱۶۳۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۱۹۔

مسجد کوفہ میں ابن زیاد کی تقریر کے جملے معالم المدرستین ج ۳، ص ۱۸۶ پر یوں لکھے ہیں:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَظْهَرَ الْحَقَّ وَاَهْلَهٗ وَنَصَرَ اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَ یَزِیْدَ بْنَ مُعَاوِیَةَ وَ حِزْبَهٗ وَقَتَلَ الْکَذَّابَ الْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ وَ شِیْعَتَهٗ. خدا کا شکر ہے کہ اُس نے حق اور اہل حق کو آشکار کر دیا اور امیر المومنین یزید بن معاویہ اور اُس کے گروہ کی مدد کی اور جھوٹے حسینؑ بن علیؑ اور اُن کے حامیوں کو قتل کر دیا۔ (رضوانی)

۲۔ عبد اللہ بن عفیف اَزْدی۔

مسجد کوفہ میں عبادت کر رہے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے ابن زیاد کے الفاظ سنے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ اے ابن زیاد! تو جھوٹا ہے اور تیرا باپ بھی جھوٹا تھا۔[1] اس کے بعد عبد اللہ بن عفیف مسلسل بولتے رہے یہاں تک کہ لوگوں نے انہیں دھکا دے کر گرا دیا۔ انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا لیکن ابن زیاد کا پردہ تو چاک ہو چکا تھا۔[2]

ابن زیاد کی جبر و تشدد پر مبنی منطق

ابن زیاد لعنت اللہ علیہ دونوں معنوں میں ''حرام زادہ'' تھا یعنی نابکار بھی اور شیطان صفت بھی۔ غالباً ایسے معاشروں میں جہاں لوگ مذہبی رجحان رکھتے ہیں جابر حکومتیں اپنے مظالم کی توجیہ کے لئے منطق جبر کا سہارا لیتی ہیں یعنی ہر بات خدا پر ڈال دیتی ہیں۔ کہتی ہیں یہ خدا کا کرنا تھا کہ ایسا ظلم ہوا۔ اگر خدا کی مصلحت نہ ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے یہ بھی ایک طرز استدلال ہے۔ یہ جبر پسندی کی منطق درحقیقت ابن زیاد کی منطق ہے۔ وہ جس وقت حضرت زینبؑ کا سامنا کرتا ہے تو معاملے کا رخ فوراً خدا کی طرف موڑ دیتا ہے اور کہتا ہے **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَحَكُمْ وَقَتَلَكُمْ وَاَكْذَبَ اُحْدُوْثَتَكُمْ۔**

یہ جملے بہت معنی رکھتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تمہیں رسوا کیا۔ موت کے گھاٹ اُتارا اور تمہارے جھوٹ کا پردہ چاک کیا۔ یعنی تم لوگوں نے

۱۔ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ! اِنَّ الْكَذَّابَ اَنْتَ وَاَبُوْكَ وَالَّذِیْ وَلَّاكَ وَاَبُوْهُ یَا ابْنَ مَرْجَانَةَ تَقْتُلُ اَوْلَادَ النَّبِیِّیْنَ وَتَقُوْمُ عَلَی الْمِنْبَرِ مَقَامَ الصِّدِّیْقِیْنَ۔ اے دشمن خدا! بے شک تو خود جھوٹا ہے اور تیرا باپ بھی جھوٹا تھا اور وہ بھی جھوٹا ہے جس نے تجھے گورنر بنایا ہے اور تجھے گورنر بنانے والے کا باپ بھی جھوٹا تھا۔ اے مرجانہ کے بیٹے!

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۴۴۔ لہوف ص ۱۶۴۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۱۹۔

مسلمانوں میں عجیب فتنہ کھڑا کیا تھا۔[1]

۱۔ اس مسئلے کی گہری تحقیق سے انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مسلمانوں میں عقیدۂ جبر کی آبیاری جابر حکومتوں نے کی ہے کیونکہ اس عقیدے کی وجہ سے ہر طرح کی تنقید سے اُن کی جان چھوٹ جاتی تھی اور لوگ اُن کے مظالم کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر خاموش رہنے میں ہی اپنے ''ایمان'' کی عافیت سمجھتے تھے۔ عقیدۂ جبر کو پھیلانے میں بنی امیہ کی ظالم حکومتوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

واقعہ کربلا کے بعد جب آل محمدؐ قید ہو کر کوفہ کے دربار میں پہنچے تو ابن زیاد نے حضرت زینبؑ سے کہا: اَلحَمدُلِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَحَکُمْ وَقَتَلَکُمْ وَاَکْذَبَ اُحْدُوْثَتَکُمْ. حضرت زینبؑ نے اُس کی بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَطَھَّرَنَا تَطْھِیْرًا ، لَا کَمَا تَقُوْلُ. ابن زیاد نے کہا: فَکَیْفَ رَاَیْتِ صُنْعَ اللّٰہِ بِاَھْلِ بَیْتِکِ؟ دیکھا — ! خدا نے تمہارے خاندان کی کیا گت بنائی ؟ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا: کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقَتْلُ فَبَرَزُوْا اِلٰی مَضَاجِعِھِمْ وَسَیَجْمَعُ اللّٰہُ بَیْنَکَ وَبَیْنَھُمْ. خدا نے اُن کی تقدیر میں شہادت لکھی تھی اس لئے وہ خود چل کر اپنی قتل گاہ تک گئے اور خدا عنقریب فیصلے کے لئے تجھے اور انہیں جمع کرے گا۔

پھر ابن زیاد نے امام سجادؑ سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: علیؑ بن حسینؑ۔ ابن زیاد نے کہا: اَوَلَمْ یَقْتُلِ اللّٰہُ عَلِیَّ بْنَ الْحُسَیْنِ؟ کیا خدا نے علیؑ بن حسینؑ کو قتل نہیں کیا ؟ امام سجادؑ نے فرمایا: قَدْ کَانَ لِیْ اَخٌ یُقَالُ لَہٗ اَیْضًا عَلِیٌّ، فَقَتَلَہُ النَّاسُ. میرے ایک بھائی کا نام بھی علیؑ تھا جسے لوگوں نے قتل کر دیا۔ ابن زیاد نے کہا: اِنَّ اللّٰہَ قَدْ قَتَلَہٗ. بے شک ! اُسے اللہ نے قتل کیا۔ تب امام سجادؑ نے کہا: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا... (خدا موت کے وقت لوگوں کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی روحیں سوتے میں قبض کر لیتا ہے... (سورۂ زمر: ۴۲) اور وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ. کسی شخص میں طاقت نہیں کہ خدا کے حکم کے بغیر مر جائے... (سورۂ آل عمران: ۱۴۵)

کربلا میں روا رکھے جانے والے مظالم کے سلسلے میں یزید نے امام سجادؑ سے کہا: تمہارے والد نے مجھ سے قطع رحمی کی اور میرے حق کا انکار کیا اور میری حکومت میں مجھ سے جھگڑا کیا۔ اس کے عوض خدا نے اُن کے ساتھ وہ سلوک کیا جو تم نے دیکھ لیا۔ امام سجادؑ نے اُس کے جواب میں

ذرا غور کریں ابن زیاد کی نظروں میں یا اُس کی منطق کے مطابق جو شخص جنگ میں بظاہر شکست کھا جائے وہ رسوا ہو جاتا ہے یعنی جنگ میں

فرمایا: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۝ ارض وطن پر اور تم پر کوئی مصیبت نہیں پڑتی مگر قبل اس کے کہ وہ مصیبت کتاب الٰہی میں مقدر ہو چکی ہوتی ہے۔ (سورۂ حدید: ۲۲) تب یزید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا کہ تم اس کا جواب دو۔ خالد سے کوئی جواب نہ بن سکا تو یزید نے خالد سے کہا کہ کہو: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ. تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ (سورۂ شوریٰ: ۳۰)

ابن زیاد اور یزید نے واقعۂ کربلا کی نسبت خدا سے دی اور کہا کہ کربلا کا تمام تر ظلم خدا نے کیا ہے جبکہ امام سجادؑ اور حضرت زینبؑ نے اُن کی منطق کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ ہم پر خدا نے نہیں تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے ظلم توڑا ہے۔

''مکتب خلفاء کے محدثین'' نے ''عقیدۂ جبر کے اثبات کے لئے'' پیغمبر اکرمؐ سے کئی روایات ''منسوب'' کی ہیں۔ ابوہریرہ سے مروی ہے: رسول اکرمؐ نے ایک بار فرمایا: ''سَلُوْنِيْ'' مجھ سے پوچھو۔ مگر لوگ جلالت نبوت سے خاموش رہے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور آپ کے قریب بیٹھ گیا۔ اُس نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: خدا کا شریک نہ ٹھہرانا، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔ اُس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔ پھر اُس نے پوچھا یا رسول اللہؐ! ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: خدا کو، اُس کے فرشتوں کو، اُس کی کتاب کو، اُس کے سامنے حاضر ہونے کو، اُس کے رسولوں کو، قبروں سے دوبارہ جی اٹھنے کو اور ''پوری تقدیر کو'' ماننے کا نام ایمان ہے۔ اُس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

صحیح مسلم ''کتاب القدر'' کی ابتدائی نو احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جیسے ہی کوئی جنین شکم مادر میں قرار پکڑتا ہے تو خدا فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی روزی، اخلاق وعادات کو لکھ دیں اور اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیں کہ آیا وہ خوش بخت ہے یا بدبخت۔ ہر انسان کے متعلق جب وہ شکم مادر میں ہوتا ہے فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی اور اس فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یعنی انسان اپنے اعمال میں مجبور محض ہے۔ (علامہ سید مرتضیٰ عسکری، احیائے دین میں ائمہ اہلبیتؑ کا کردار ج ۲، ص ۳۸۷ سے اقتباس)۔ رضوانی

قتل ہو جانے والا اسی طرح ہے جیسے شکست کھا جانے والا۔ شکست اُسے رسوا بھی کرتی ہے اور اُس کا خاتمہ بھی کر دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ''وہ حق پر نہ تھا۔'' اگر وہ حق پر ہوتا تو اُسے جنگ میں فتح حاصل ہوتی۔ وَاَکْذَبَ اُحْدُوْثَتَکُمْ سے اُس کی مراد یہ تھی کہ تم اہلبیتؑ کا مغلوب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ تمہارا موقف جھوٹا تھا۔

زینب کبریٰؑ کے کلام میں رسوائی کا معیار

ابن زیاد کے جواب میں جناب زینب کبریٰؑ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا بِہٖ نَبِیِّہٖ.[1] خدا کا شکر ہے اُس نے ہمیں نبوت سے سرفراز کرکے عزت عطا کی اور ہم خانوادۂ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِنَّمَا یَفْتَضِحُ الْفَاسِقُ وَیَکْذِبُ الْفَاجِرُ وَھُوَ غَیْرُنَا.[2]

وہ جو میدان جنگ میں شکست کھا جائے وہ رسوا نہیں ہوتا کیونکہ ذلت و رسوائی کا معیار کچھ اور ہے۔

رسوائی کا معیار حق اور حقیقت کی تلاش اور طلب پر منحصر ہے۔ جو خدا کی راہ میں جان دیتا ہے وہ رسوا نہیں ہوتا۔ رسوا وہ ہوتا ہے جو ظلم کرتا ہے، جو حق سے پھر جاتا ہے، رسوا ہونے یا نہ ہونے کا معیار حق کی راہ میں استقلال یا انحراف ہے۔ رسوائی کا معیار یہ نہیں ہے کہ جو مار ڈالا جائے وہ جھوٹا ہے۔ سچے یا جھوٹے ہونے کا معیار خود انسان ہوتا ہے۔ اُس کا نصب العین ہوتا ہے۔ اُس کا قول و فعل ہوتا ہے۔ میرے بھائی حسینؑ اگرچہ قتل کر دیئے گئے ہیں مگر پھر بھی سچے کہلائے ہیں۔ اگر وہ زندہ رہتے تب بھی سچے ہی کہلاتے جبکہ تو

۱۔ ارشاد مفید اور بحار الانوار میں عبارت یوں ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا بِنَبِیِّہٖ.

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۴۴۔ لہوف ص ۱۶۰۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۱۷۔

اگر قتل بھی ہو جائے تب بھی جھوٹا رہے گا اور زندہ رہے تب بھی جھوٹا رہے گا۔
اس دندان شکن جواب کے بعد جناب زینبؑ نے ابن زیاد پر کاری ضرب لگاتے ہوئے ایک جملہ ارشاد فرمایا جسے سن کر وہ آپے سے باہر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا یا بن مرجانۃ ![1] مرجانہ ابن زیاد کی ماں تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اُس کی ماں کا نام لے کیونکہ وہ ایک بدنام عورت تھی۔

ابن زیاد نے جناب زینبؑ کو قتل کرنے کا حکم دیا

اے مرجانہ کے بیٹے ! اے اُس بدنام عورت کے بیٹے ! رسوائی مرجانہ کے بیٹے کی ہونا چاہیے کیونکہ یہی اُس کا مقدر ہے۔

ان سب باتوں کا ابن زیاد کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ چنانچہ طیش میں آکر اُس نے جلاد کو حکم دیا کہ اس عورت کی گردن اڑا دی جائے۔ ایک خارجی (دشمن علیؑ) اُس وقت دربار میں موجود تھا۔ اُس نے جب ابن زیاد کا حکم سنا تو اُس کی عربی حمیت نے جوش مارا اور اُس نے ابن زیاد سے کہا:[2] امیر ! تجھے کچھ ہوش ہے کہ تو ایک عورت سے بات کر رہا ہے۔ وہ بھی ایسی عورت سے جس نے پہلے ہی بیشمار داغ اٹھائے ہیں۔ جس کے بھائی مارے جاچکے ہیں۔ جو اپنے عزیزوں اور پیاروں کو کھو چکی ہے۔

علیؑ کا نام دشمن کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا

وَعَرَضَ عَلَيْهِ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ. ابن زیاد کے سامنے امام سجادؑ کو

۱۔ لہوف ص ۱۲۰۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۱۶۔ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا ابْنَ مَرْجَانَةَ يا هَبِلَتْكَ اُمُّكَ يَا ابْنَ مَرْجَانَةَ.

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۴۴ اور بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۱۶ پر اُس شخص کا نام عمرو بن حریث درج ہے۔

پیش کیا گیا تو وہ فرعون کی طرح چلا کر پوچھتا ہے: مَنْ اَنْتَ؟ تم کون ہو؟ امام نے جواب دیا اَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ. میں علیؑ بن حسینؑ ہوں۔

ابن زیاد نے کہا اَلَیْسَ قَدْ قَتَلَ اللّٰہُ عَلِیَّ بْنَ الْحُسَیْنِ ؟ کیا خدا نے کربلا میں علیؑ بن حسینؑ کو قتل نہیں کرایا؟ (ایک بار پھر بات خدا پر ڈالی جا رہی ہے) تاکہ لوگوں کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ یزیدی حق پر ہیں۔ امام سجادؑ نے فرمایا کہ بے شک ہر ایک کی روح قبض کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن میرے بھائی کو لوگوں نے قتل کیا تھا (اللہ نے نہیں)۔

ابن زیاد نے کہا عَلِیٌّ وَ عَلِیٌّ.[1] ایک علی دوسرا بھی علی۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا تمہارے باپ نے اپنے سب بیٹوں کے نام علی ہی رکھے تھے؟ تمہارا نام بھی علی اُس کا نام بھی علی۔ کیا کوئی اور نام نہیں تھا جو رکھا جاتا؟ امام سجادؑ نے جواب میں فرمایا: میرے والد کو اپنے والد سے بہت محبت تھی انہیں یہی اچھا لگا کہ وہ اپنے بیٹوں کے نام اپنے والد کے نام پر رکھیں جبکہ تو اپنے باپ کے نام کو اپنے لئے باعث ننگ خیال کرتا ہے۔

امام سجادؑ کی سپر

ابن زیاد کو یہ توقع تھی کہ امام سجادؑ اُس کے سامنے بالکل نہیں بولیں گے کیونکہ اُس کے خیال میں کسی قیدی کو لب کشائی کی ہمت نہیں ہوتی۔ جس وقت ابن زیاد امام سے کہہ رہا تھا کہ یہ خدا کا کام ہے تو اُس کے نزدیک

۱۔ دمع السجوم ص ۲۵۱ پر تحریر ہے کہ مناقب میں یحییٰ بن حسن سے منقول ہے کہ یزید نے امام سجادؑ سے کہا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ تمہارے باپ نے اپنے دونوں بیٹوں کے نام علی رکھے۔ امام سجادؑ نے جواب میں فرمایا: میرے بابا کو اپنے والد سے بے پناہ محبت تھی اور وہ چاہتے تھے کہ سب کے نام علی ہی ہوں۔

امام کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ جی ہاں ! یہ خدا ہی کا کام تھا۔ یہی مقدر ہو چکا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ایسا نہ ہوتا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب اُس نے یہ دیکھا کہ امام سجادؑ ایک قیدی ہونے کے باوجود نہایت جراٗت سے بات کر رہے ہیں تو اُس نے کہا: وَلَکَ جُرْأَةٌ لِجَوَابِیْ ؟ تمہاری یہ مجال کہ تم مجھے جواب دینے کی جراٗت کرو۔[1] پھر اُس نے جٹیلے ناگ کی طرح پھنکارتے ہوئے جلاد سے کہا آگے بڑھو اور اس جوان کی گردن اڑا دو۔

لکھا ہے کہ جب اُس نے جلاد کو یہ حکم دیا تو حضرت زینبؑ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئیں اور امام سجادؑ کو اپنے سینے سے لپٹا کر بولیں۔ خدا کی قسم ! تو اُس وقت تک اسے قتل نہیں کر سکتا جب تک مجھے قتل نہ کر دے۔

روایات میں ہے کہ ابن زیاد کچھ دیر ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا خدا کی قسم ! میں اگر اس جوان کو قتل کرانا چاہوں تو پہلے مجھے اس عورت کو قتل کرانا پڑے گا۔[2] چنانچہ وہ امام سجادؑ کے قتل سے باز رہا۔

جی ہاں ! اہلبیتؑ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ انہوں نے نظریہ جبر کے خلاف — جو آج بھی دنیا میں موجود ہے اور آج بھی اس کو انصاف سے تعبیر کیا جاتا ہے — بھرپور جہاد کیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کا ایسا کوئی فرض نہیں۔ انسان کی ایسی کوئی ذمے داری نہیں کہ وہ معاشرے میں تبدیلی یا انقلاب لانے کی کوشش کرے کیونکہ جو کچھ ہے وہی ہے جو ہونا چاہیے اور جو نہیں ہے وہی ہے جو نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی اس دنیا میں انسان کا کوئی کردار ہی نہیں۔ اس بات کو اہلبیت رسولؐ نے عملی طور پر غلط ثابت کر دیا اور اس کے خلاف جدوجہد بھی کی۔

۱و۲۔ ارشاد مفید ص ۲۴۴۔ لہوف ص ۱۶۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۱۷۔

مجلس ۵۴

ہماری روح کو زنجیروں میں نہیں جکڑا جاسکتا

لکھا ہے کہ جب اہل حرم کو ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا تو اہل حرم کی خواتین اور کنیزوں نے جناب زینبؑ کو جو بلند قامت تھیں ایک نگینے کی طرح اپنے حفاظتی حصار میں لیا ہوا تھا۔

ابن زیاد جس طرح اپنے دربار میں موجود سرداروں کو جانتا تھا اسی طرح وہ حضرت زینبؑ کو بھی پہچانتا تھا اور اُسے اُمید تھی کہ آپ جب دربار میں داخل ہوں گی تو اُسے سلام کریں گی (جیسا کہ دستور تھا) لیکن بنت علیؑ نے اُسے سلام نہیں کیا۔

جناب زینبؑ یہ ثابت کرنا چاہتی تھیں اور آپ نے ثابت بھی کیا اور نہایت مؤثر انداز میں ثابت کیا کہ ابن زیاد تو یہ خیال نہ کرنا کہ جس طرح تو نے ہمارے جسموں کے پرزے اڑا دیئے ہیں اور ہمیں اسیر بنالیا ہے اور زنجیروں میں جکڑ لیا ہے اس طرح تو ہماری روح کو بھی قید کرسکتا ہے یا زنجیروں میں جکڑ سکتا ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں۔ ہماری روح صحیح و سالم انسانی روح ہے۔ یہ وہ روح ہے جو خود بخود نہیں بنی بلکہ یہ نفخہ الٰھی ہے۔ یہ روح الٰہی ہے لہٰذا ہماری روح نہ تو مسخر کی جاسکتی ہے اور نہ اُسے موت کے گھاٹ اُتارا جاسکتا ہے چنانچہ جناب زینبؑ نے اُسے سلام نہیں کیا۔

اسی لئے ابن زیاد طیش میں آ گیا اور کہنے لگا: مَنْ هٰذِهِ الْمُتَكَبِّرَةُ ؟ یہ متکبر عورت کون ہے؟ کسی نے اُس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اُس نے دو تین بار اپنا سوال دہرایا تو آخر کسی نے جواب میں کہا: هٰذِهِ زَيْنَبُ بِنْتِ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ۔[1] اس مقام پر جناب زینبؑ نے ابن زیاد کی اس طرح مذمت کی کہ اُس کی زبان گنگ ہوگئی۔ چنانچہ اُس نے ناچار ہو کر جلاد سے کہا کہ اس عورت کی گردن اڑا دو۔

جناب زینبؑ دربار یزید میں

قصر خضراء میں جب جناب زینبؑ کو یزید پلید کے دربار عام میں پیش کیا گیا اُس وقت بھی آپ کا یہی جاہ و جلال تھا۔ یعنی قید و بند اور سفر کی چالیس منزلیں طے کرنے کے باوجود آپ کے عزم و ثبات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا جناب زینبؑ کی روح ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہیں ہوئی تھی بلکہ دربار یزید میں آپ کا عزم اور صبر مزید نمایاں ہو کر سامنے آیا۔

جناب زینبؑ نے یزید کے دربار میں جو خطبہ دیا ہے آپ یقین جانیں کہ وہ دنیا کے خطبات میں لاثانی خطبہ ہے۔ میں یہاں اُس خطبے کا صرف ایک جملہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جناب زینبؑ نے فرمایا: اے معاویہ کے بیٹے! كِدْ كَيْدَكَ وَاسْعَ سَعْيَكَ اِنَّكَ لَا تُمِيْتُ وَحْيَنَا۔[2] تو جو حربہ آزمانا چاہتا ہے آزما کر دیکھ لے اور تو جس قدر کوشش کرنا چاہتا ہے کر کے دیکھ لے مگر یقین رکھ کہ تو اپنی تمام تر کوششوں اور حربوں کے باوجود اُس

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۴۳۔ لہوف ص ۱۶۰۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۱۵ تا ۱۱۷۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۳۵۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۲۴۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۵۔

"نور وحی" کو بجھا نہیں سکے گا جو ہمارے گھر میں اُتری ہے۔ اس دنیا میں جسے مٹ جانا ہے وہ تو اور تیری حکومت ہے۔ تیرا نام گالی بن جائے گا لیکن میرے بھائی کا نام اور پیغام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اُن کا اُگایا ہوا چمن ہمیشہ لہلہاتا رہے گا۔ اہل تقویٰ کو الہام بخشنے والا میرا بھائی حسینؑ تھا۔ پوری کائنات جس کی گرویدہ نظر آئے گی وہ میرا بھائی ہے۔

جناب زینبؑ کو اس بات کا کیونکر کامل یقین تھا کہ یزید کا نام داخل دشنام ہو جائے گا اور حسینؑ کا پیغام عام ہو جائے گا۔ اس لئے کہ انہیں بشری فطرت پر یقین تھا۔ خدا نے انسان کو "حقیقت پسند" خلق فرمایا ہے۔ بقول اقبالؔ

موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

رسولؐ نے ان لبوں کے بوسے لئے تھے

یزید کا شمار اگرچہ عرب کے مشہور سخنوروں اور فصحاء و بلغاء میں ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ حضرت زینبؑ کی منطق کے سامنے لاجواب ہوکر رہ گیا اور دربار میں اُس وقت چونکہ غیر اسلامی ممالک کے سفیر اور اعلیٰ فوجی عہدیدار بھی موجود تھے اس لئے اُسے اس صورتحال کی وجہ سے کافی خفت اٹھانا پڑی۔[1] یزید نے بڑی کوشش کی کہ جناب زینبؑ خاموش ہو جائیں لیکن جب وہ اس میں کامیاب نہ ہوا تو اُس نے ایک نہایت ہی مجرمانہ حرکت کے ذریعے اس مسئلے کا حل تلاش کیا۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا کہ اس خاتون کے جذبات و احساسات کو منقلب کرنا ضروری ہے مگر وہ بھی اس طرح کہ یہ تاثر نہ ملے کہ میں نے اُس کی زبان بند کی ہے بلکہ یہی سمجھا جائے کہ جذبات نے اُس کی کیفیت اور حالت میں تبدیلی پیدا کی ہے۔ چنانچہ اُس نے جس جرم کا ارتکاب کیا میں اُس کی تفصیل بیان نہیں کرسکتا البتہ صرف اتنا کہوں گا کہ یزید کی اس گھٹیا حرکت کو اُس کے ایک درباری[2] نے پسند نہ کرتے ہوئے چلا کر کہا:

اے یزید! اپنی چھڑی کو روک لے۔ خدا کی قسم! میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول اللہؐ ان لبوں کے بوسے لیا کرتے تھے۔[3]

۱۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۵۵۔

۲۔ ابو برزہ اسلمی۔

۳۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۵۴۔ فلسفہ اخلاق ص ۲۲۰۔ ۲۲۱۔

مجلس ۵۵

زینبؑ وارث عظمت علیؑ و فاطمہؑ

جناب زینبؑ کی عظمت ایک اٹل حقیقت ہے۔ انہوں نے حضرت زہراؑ اور امام علیؑ کی آغوش میں تربیت پانے سے جو عظمت حاصل کی وہ بھی ایک مسلمہ امر ہے لیکن سانحۂ کربلا کے بعد کی زینبؑ پہلے والی زینبؑ سے بے حد مختلف ہیں یعنی کربلا کے بعد آپ کو جو عظمت ملی ہے وہ بہت زیادہ ہے۔

عاشور کی شب ہم نے دیکھا کہ ایک یا دو مواقع پر حضرت زینبؑ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکیں۔ ایک بار تو آپ اتنی شدت سے روئیں کہ امام حسینؑ کی آغوش میں ہی بیہوش ہوگئیں اور امام حسینؑ نے اپنی باتوں کے ذریعے آپ کو تسلی دی۔ امام حسینؑ نے فرمایا: لَا يُذْهِبَنَّ حِلْمَكَ الشَّيْطَانُ. بہن! کہیں شیطان تم پر غلبہ نہ پالے اور تمہارے صبر کو تم سے چھین نہ لے۔[1]

جس وقت امام حسینؑ نے جناب زینبؑ سے فرمایا کہ بہن تم ایسا کیوں کرتی ہو؟ جب احمد مرسلؐ نہ رہے تو کون رہے گا؟ کیا تم نے نانا رسول اللہؐ کی موت نہیں دیکھی؟ میرے نانا مجھ سے بہتر تھے، میرے بابا مجھ سے بہتر تھے، میرے بھائی حسنؑ اور ماں فاطمہؑ مجھ سے بہتر تھیں۔ تو جناب زینبؑ نے کہا کہ بھیا! جب وہ سب چلے گئے تو آپ ہی میری آخری پناہ گاہ تھے مگر

۱۔ ارشاد مفید ۲۳۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۲۔

اب آپ کے جانے کے بعد میری کوئی پناہ گاہ نہیں رہے گی۔

لیکن جیسے ہی عاشور کا سورج طلوع ہوا اور جناب زینبؑ نے امام حسینؑ کو قوی روح کے ساتھ اپنے مقصد پر عملدرآمد کرتے دیکھا تو اُن کی شخصیت میں ایک ایسی تبدیلی رونما ہوئی کہ پھر اُن کے مقابل آنے والے کی ادنیٰ ترین شخصیت بھی باقی نہ رہی۔ خود امام سجادؑ فرماتے ہیں کہ ہم بارہ افراد تھے اور ہم سب کو ایک ہی رسی میں باندھا گیا تھا۔ اس رسی کا ایک سرا میرے بازو میں اور دوسرا میری پھوپی زینبؑ کے بازو میں تھا۔[1]

قیدی یزید کے محل میں

کہتے ہیں کہ رسن بستہ اسیروں کا یہ قافلہ صفر کی دوسری[2] تاریخ کو دمشق پہنچا تھا۔ اس حساب سے جناب زینبؑ کو قید ہوئے بائیس دن گزر چکے تھے۔ ان بائیس دنوں سے آپ مسلسل اذیت اور تکلیف برداشت کرتی چلی آرہی تھیں۔ نہایت زبوں حالی کی کیفیت میں قیدیوں کو یزید کے دربار میں لے جایا گیا۔ یزید کے محل کا نام قصر خضراء تھا جو اُس کے باپ معاویہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس محل کی شان و شوکت آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ لوگ سات بڑے صحنوں سے گزر کر اُس آخری صحن تک پہنچتے تھے جس میں یزید ایک جڑاؤ تخت پر براجمان ہوتا تھا اور امراء و روساء کے علاوہ غیر ملکی سفیر سونے یا چاندی کی کرسیوں

۱۔ لہوف ص ۱۷۸۔ دمع السجوم ص ۲۴۷ ۔ ۲۴۸۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۶۳۔

۲۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۴۴۸ پر درج ہے وَفِیْ اَوَّلِ یَوْمٍ مِنْ صَفَرٍ دَخَلُوْا دِمَشْقَ فَاَوْقَفُوْهُمْ عَلٰی بَابِ السَّاعَاتِ۔ (یکم صفر کو دمشق میں داخل ہوئے اور انہیں باب الساعات پر روکے رکھا گیا)۔

پر بیٹھتے تھے۔[1] اُس دن بھی یہی صورت حال تھی جب قیدیوں کو یزید کے محل میں لایا گیا۔

رنج وغم کی ماری جناب زینبؑ جب اس آراستہ دربار میں داخل ہوئیں تو آپ کی روح میں اُس وقت ایک ایسا طوفان اٹھا جس کے نتیجے میں آپ نے اپنے خطبہ کے ذریعے وہ ہیجان پیدا کر دیا کہ یزید جو اپنی فصاحت و بلاغت میں مشہور تھا گنگ ہو کر رہ گیا اور اُس کی سٹی گم ہوگئی۔

یزید کے دربار میں جناب زینبؑ کا خطبہ

جب یزید سے جناب زینبؑ کی باتوں کا کوئی جواب نہ بن سکا تو وہ زیرِلب عبد اللہ بن زِبَعْرٰی سہمی[2] کے کفر آمیز اشعار گنگنانے لگا جو اُس نے بحالت کفر کہے تھے۔ وہ اپنی ظاہری فتح پر اترا رہا تھا کہ یکایک زینب علیا مقام کی آواز بلند ہوئی:

اَظَنَنْتَ يَا يَزِيْدُ ! حَيْثُ اَخَذْتَ عَلَيْنَا اَقْطَارَ الْاَرْضِ وَاٰفَاقَ السَّمَآءِ فَاَصْبَحْنَا نُسَاقُ كَمَا تُسَاقُ الْاُسَارٰى اَنَّ بِنَا عَلَى اللّٰهِ هَوَانًا وَّبِكَ عَلَيْهِ كَرَامَةً ؟[3]

اے یزید! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو نے ہمیں عام قیدیوں کی طرح دربدر پھرا کر ہم پر زمین و آسمان کے سب راستے بند کر دیے ہیں اور اس سے تیری عزت میں کچھ اضافہ ہوگیا ہے اور ہماری وجاہت میں کوئی کمی آگئی ہے۔

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۵۹۔

۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۶۶۔

۳۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۳۔

اے یزید! تو نے اپنے دماغ میں کچھ زیادہ ہی ہوا بھر لی ہے شَمَخْتَ بِاَنْفِکَ[1] تو سمجھتا ہے کہ تو نے ہمیں قید کر کے ہم پر تمام راستے بند کر دیئے ہیں اور ہم تیرے نوکروں کے قبضے میں ہیں۔ خدا کی قسم! اس وقت تو میری نظر میں نہایت گھٹیا اور حقیر شخص ہے۔ میں تجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتی کہ تجھ سے کلام کروں۔

جناب زینبؑ کا شام میں انقلاب برپا کرنا

دیکھئے! یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان اور روحانی شخصیت کے علاوہ اپنی ہر چیز راہ خدا میں قربان کر دی۔ یہ سب جان لینے کے بعد بھی کیا آپ نہیں سمجھتے کہ جناب زینبؑ جیسی عبقری شخصیت ہی لوگوں کے دلوں میں ایسا ولولہ پیدا کر سکتی ہیں جو معاشرے میں انقلاب لا سکے؟ جیسے انہوں نے شام میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ جناب زینبؑ کی تقریر نے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا یہاں تک کہ یزید عوامی ردعمل سے ڈر گیا اور مجبور ہو گیا کہ اپنا رویہ بدل ڈالے اور قیدیوں کو احترام کے ساتھ واپس مدینے بھیج دے۔ پھر اس گھناؤنے جرم سے اپنی لاتعلقی ظاہر کرنے کے لئے کہے کہ خدا ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ یہ سب کچھ اسی کا کیا دھرا ہے۔ میں نے اُسے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ یہ کس کا کارنامہ ہے؟ یہ علیؑ کی بیٹی کا کارنامہ ہے۔

جناب زینبؑ نے اپنی تقریر کے آخر میں فرمایا تھا یا یَزِیْدُ! کِدْ کَیْدَکَ وَاسْعَ سَعْیَکَ، نَاصِبْ جُهْدَکَ فَوَاللّٰهِ لَا تَمْحُوْا ذِکْرَنَا وَلَا تُمِیْتُ وَحْیَنَا.[2] جناب زینبؑ اُس جابر سلطان سے جرأت و تمکنت کے ساتھ مخاطب

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۳۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۵۸۔

۲۔ لہوف ص ۱۸۵۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۵۔

ہیں جسے لوگ ہزاروں اندیشوں کے ساتھ لرزتے ہوئے ''یا امیر المومنین'' کہتے تھے۔

اے یزید! تیرے پاس مکر وفریب کا جتنا ذخیرہ ہے اُسے جی کھول کر کام میں لے آ۔ ہر طرح کے جتن کر کے دیکھ لے۔ اپنی جدوجہد کو مزید تیز کر دے اور اپنی حسرتیں نکال لے مگر یاد رکھ اس کے باوجود نہ تو دنیا سے ہمارا نام مٹا سکتا ہے نہ ہماری شہرت کو کم کرسکتا ہے نہ ہماری فکر کو پھیلنے سے روک سکتا ہے۔ ہاں! مٹنے والا اور فنا ہونے والا تو ہے۔

بقول اقبالؔ

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسینؑ رقم کرد دیگرے زینبؑ

حضرت زینبؑ نے اس دربار میں وہ خطبہ دیا کہ یزید کے ہوش اڑ گئے اور اُس کے دماغ میں بھری ہوئی ہوا نکل گئی۔ وہ غصے میں بل کھانے لگا۔ اُس نے جناب زینبؑ کا دل جلانے اور انہیں خاموش کرانے کے لئے نہایت بزدلانہ حرکت کی اور اپنی بید کی چھڑی سے امام حسینؑ کے لب ہائے مبارک اور دندان مبارک کے ساتھ بے ادبی کی۔[1]

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۵۲۔

مجلس ۵٦

اہل حرم زندان شام میں

ارباب عزا!

چونکہ ایام عزا چل رہے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مصائب کے چند جملے عرض کروں۔ یہ وہ ایام ہیں جن میں اہل حرم کو شام لے جایا گیا تھا اگرچہ مکمل یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اہل حرم کو شام میں آئے ہوئے کتنے دن گزر چکے ہیں تاہم اس حوالے سے جو صحیح اور معتبر روایات نقل کی گئی ہیں اُن کے مطابق اہل حرم دو صفر کو شہر دمشق میں وارد ہوئے تھے۔[1] نیز کتب مقاتل میں جو کچھ نقل ہوا ہے اُس کے مطابق یہ وہ ایام ہیں جن میں اہل حرم کو ایک ''چار دیواری'' میں قید رکھا گیا تھا۔

اہل حرم کو جس زندان میں رکھا گیا تھا وہ انہیں نہ تو دن میں دھوپ سے بچاتا تھا اور نہ رات کو ٹھنڈ سے محفوظ رکھتا تھا۔ یہ بس ایک چار دیواری تھی جس کے اندر انہیں بند کر دیا گیا تھا تاکہ وہ باہر نہ نکل سکیں۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ وہ زندان نہ تو انہیں دھوپ سے بچاتا تھا اور نہ ٹھنڈ سے یہ درحقیقت ارباب مقاتل کی تعبیر ہے۔[2] اب یہ سوال کہ اہل حرم اس

۱۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۴۸ پر درج ہے وَفِيْ أَوَّلِ يَوْمٍ مِنْ صَفَرٍ دَخَلُوْا دِمِشْقَ فَاَوْقَفُوْهُمْ عَلٰی بَابِ السَّاعَاتِ.

۲۔ لہوف ص ۱۸۸۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۷۱۔

زندان میں کتنا عرصہ رہے تو اس کی کوئی حتمی مدت معلوم نہیں مثلاً چند دن، چند ہفتے یا چند مہینے۔ تاہم اس ضمن میں کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امام سجادؑ کو ایک دن اُسی "زندان شام" کے باہر بیٹھا دیکھا تو اُس نے امام کے چہرۂ مبارک کی اُتری ہوئی کھال دیکھ کر اس کی وجہ پوچھی۔ امام نے جواب میں فرمایا کہ ہمیں ایسی جگہ رکھا گیا ہے جہاں ہمیں دھوپ سے اور ٹھنڈ سے کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔[1]

اہل حرم کے لئے شام میں رہنے کی مدت اُن کے لئے سب سے زیادہ اذیت ناک تھی۔ یہ خود امام سجادؑ کی روایت ہے۔ اس لئے کہ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ مولا آپ پر جو سخت ترین مرحلہ گزرا وہ کون سا تھا۔ کربلا سے کوفہ کا مرحلہ؟ کوفہ سے شام جانا یا شام سے مدینہ واپس آنا؟ تو امام نے جواب میں فرمایا تھا اَلشَّام، اَلشَّام، اَلشَّام[2] تمام جگہوں کی نسبت شام جانا ہمارے لئے زیادہ سخت تھا اور ظاہر ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اہل حرم کو یزید کے دربار میں جانا پڑا جہاں اُن کی توہین کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی تھی۔

جناب سید سجادؑ فرماتے ہیں کہ ہم بارہ افراد تھے اور ہم سب کو ایک ہی رسی میں باندھا گیا تھا۔ رسی کا ایک سرا میرے بازو سے جبکہ دوسرا سرا میری پھوپی زینبؑ کے بازو سے بندھا ہوا تھا۔ ہمیں اسی حال میں دربار یزید میں لے جایا گیا جہاں وہ اپنے تمام کروفر کے ساتھ تخت پر براجمان تھا مگر اس حال میں بھی امام سجادؑ نے ایک ایسا جملہ کہا جس نے یزید کو وہاں موجود

۱۔ انوار نعمانیہ ج ۳، ص ۲۵۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۲۷۷۔

۲۔ تذکرۃ الشہداء، ص ۴۱۳۔

اہل دربار کے سامنے خجل کر دیا۔ یزید کو ہرگز یہ امید نہ تھی کہ ایک قیدی اُس سے اس طرح بات کرے گا۔

امام سجادؑ نے یزید کو مخاطب کر کے فرمایا: اَتَاْذَنُ لِیْ فِی الْکَلَامِ ؟[1]
کیا تیری اجازت ہے کہ میں کچھ کہوں ؟

یزید نے کہا اجازت ہے۔ لیکن خیال رہے کہ کوئی بیہودہ بات نہ ہو۔
امام نے فرمایا اس طرح کے دربار میں مجھ جیسے شخص کے لئے مناسب نہیں کہ کوئی بیہودہ بات کرے۔ میں تو صرف ایک نہایت منطقی بات کہنا چاہتا ہوں (یقینی طور پر امام نے یہ بات اس لئے کہی تھی تا کہ لوگوں کو حقیقت کی طرف متوجہ کر کے انہیں خواب غفلت سے جگائیں)۔ یزید تو یہاں تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور خود کو جس رسولؐ کا خلیفہ کہتا ہے اگر وہ رسولؐ یہاں آ جائیں اور ہم کو جو اُسی رسولؐ کی عترت ہیں اس حال میں دیکھ لیں تو کیا فرمائیں گے؟؟[2]

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۶۴۔ دمع السجوم ص ۲۴۷۔
۲۔ آشنائی با قرآن ج ۵، ص ۵۷۔

مجلس ۵۷

تاریخ کربلا کو زندہ کرنے والے قیدی

تاریخ کربلا کو اسیران کربلا نے زندہ کیا ہے یعنی وہ عظمت کربلا کے پاسبان بن گئے۔ اموی حکومت نے جو سب سے بڑی حماقت کی تھی وہ اہل حرم کو قیدی بنانا اور انہیں کوفہ و شام کے بازاروں میں پھرانا تھا۔ اگر وہ یہ سب کچھ نہ کرتے تو شاید وہ تاریخ کربلا کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتے یا کم از کم اس پر کسی حد تک پردہ ڈال سکتے تھے لیکن انہوں نے خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر کھودی تھی اور ایسا کام کیا تھا جس نے اہل حرم کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اس تاریخ کو زندۂ جاوید بنا دیں۔

اموی رژیم کو یہ امید نہیں تھی کہ مصیبت کی ماری عورتیں اور کمسن بچے اس موقع سے بھی بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں؟ وہ کس طرح اس بات پر یقین کرتے؟ انہوں نے تو اپنے مقصد کے لئے جھوٹا پروپیگنڈا کیا ہوا تھا۔

نماز جمعہ میں امام سجادؑ کا خطاب

شام میں جمعہ کا دن تھا اور نماز جمعہ ہونا تھی۔ یزید مجبور تھا کہ اس نماز میں شریک ہو کیونکہ شاید اُسی کو یہ نماز پڑھانی تھی (یہ بات فی الحال میں یقین سے نہیں کہہ سکتا)۔ نماز جمعہ میں ضروری ہے کہ خطیب پہلے دو مفید اور معلوماتی خطبے دے۔ اس کے بعد نماز شروع کرے کیونکہ اصولی طور پر یہ دو خطبات ان دو رکعتوں کی جگہ ہوتے ہیں جو جمعہ کے دن نماز ظہر میں سے

ساقط ہو کر نماز جمعہ کو دو رکعت میں بدل دیتے ہیں۔

بہرحال پہلے سرکاری خطیب منبر پر گیا۔ اُس نے سرکاری دستور کے مطابق منبر پر جاکر یزید اور معاویہ کی تعریف کے پل باندھے اور انہیں نیکی اور خیر سے یاد کیا۔ پھر اُس نے امام علیؑ اور امام حسینؑ کو نا سزا کہا اور اُن پر لعنت کی جیسے نعوذ باللہ وہ دین سے خارج ہوگئے تھے اور انہوں نے ایسے ایسے غلط کام کئے تھے۔

امام سجادؑ نے بآواز بلند فرمایا: اَیُّهَا الْخَطِیْبُ اِشْتَرَیْتَ مَرْضَاةَ الْمَخْلُوْقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ. اے خطیب! تو مخلوق کی خوشنودی کے لئے خالق کی ناراضگی کا سودا کر رہا ہے۔[1] اس کے بعد آپ نے کہا کہ یزید کیا مجھے بھی اجازت ہے کہ میں ان لکڑیوں پر جاکر کچھ کہوں؟ کتنی عجیب بات ہے کہ اہلبیت رسولؑ نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی دھیان رکھا مثلاً یزید کے دربار میں جہاں لوگ اُسے یا امیر المومنین اور یا ایها الخلیفة کہتے تھے اہلبیتؑ نے اُسے ان الفاظ سے مخاطب نہیں کیا بلکہ اُسے اُس کی کنیت سے بھی مخاطب نہیں کیا۔ وہ صرف اے یزید![2] کہہ کر اُس سے خطاب کرتے تھے۔ وہ چاہے امام سجادؑ ہوں یا حضرت زینبؑ۔ اس وقت بھی امام سجادؑ نے منبر کو منبر نہیں کہا بلکہ اُسے لکڑیوں سے تعبیر کیا۔ یہ جو تین سیڑھیوں کی لکڑیاں یہاں نظر آرہی ہیں اُن پر ایسا ہی خطیب چڑھتا ہے۔ کیا تو مجھے ان لکڑیوں پر جاکر دو باتیں کرنے کی اجازت دے گا؟

یزید نے انکار کیا۔ جو لوگ اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اس وجہ سے کہ امام سجادؑ کا تعلق ارض حجاز سے تھا اور اہل حجاز کے بارے میں

۱۔ لہوف ص ۱۸۸۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۷۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۷۔

وہ جانتے تھے کہ اُن کی گفتگو بڑی دلنشیں ہوتی ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ امام کے انداز خطابت کو بھی دیکھنا چاہتے تھے یزید سے کہا کہ اُنہیں اجازت دیدے مگر یزید نہیں مانا۔ اُس کا بیٹا بولا کہ بابا انہیں اجازت دیدو۔ ہم اس حجازی جوان کو سننا چاہتے ہیں۔ یزید نے کہا کہ مجھے ان لوگوں سے ڈر لگتا ہے مگر سب نے اس قدر اصرار کیا کہ وہ مجبور ہو گیا[۱] یعنی جب اُس نے دیکھا کہ اس سے زیادہ چون و چرا کرنے سے اُس کی عاجزی اور خوف کا اظہار ہوتا ہے تو اُس نے اجازت دے دی۔

دیکھئے! امام سجادؑ اس وقت ''مشیت الٰہی'' سے بیمار تھے اور قیدی بھی تھے (بعد میں آپ بیمار نہیں رہے اور آپ نے دیگر ائمہؑ کی طرح زندگی گزاری)۔ علاوہ ازیں اہل منبر کے مشہور قول کے مطابق امام سجادؑ طوق اور زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے اور چالیس منزلیں طے کر کے شام آئے تھے مگر اس کے باوجود جس وقت آپ منبر پر تشریف لے گئے آپ نے کیا کیا؟ آپ نے لوگوں کے دلوں میں ایسا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا کہ یزید کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اوسان خطا ہو گئے۔

مؤذن خاموش ہو جا!

اُسے محسوس ہونے لگا کہ ابھی لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے اور مجھے ہلاک کر دیں گے۔ اُس نے ایک چال چلی۔ نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا چنانچہ اُس نے مؤذن سے کہا کہ اذان دو نماز میں دیر ہو رہی ہے۔ جونہی مؤذن کی آواز بلند ہوئی امام خاموش ہو گئے۔ مؤذن نے کہا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ مؤذن نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ امام نے بھی یہی الفاظ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۸۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۵۲۔

دہرائے۔ جونہی مؤذن نے کہا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ امام نے اپنا عمامہ سر سے اُتار لیا اور کہا اے مؤذن! تجھے محمدؐ کی قسم! خاموش ہو جا! پھر آپ نے یزید کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے یزید! یہ جس کی رسالت کی گواہی دی جا رہی ہے کون ہیں؟ یہ تیرے نانا ہیں یا ہمارے؟ پھر امام نے لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم کون ہیں جنہیں تم نے قید کیا ہے اور میرے بابا حسینؑ جنہیں شہید کر دیا گیا کون ہیں؟[1]

اُس وقت تک لوگوں کو صحیح صورتحال کا علم نہیں تھا کہ انہوں نے کیا کر ڈالا ہے؟ آپ سنتے رہتے ہیں کہ اس کے بعد یزید نے حکم دیا کہ اہل حرم کو رہا کر کے احترام کے ساتھ مدینہ واپس پہنچا دیا جائے۔

نعمان بن بشیر جو نرم دل اور خوش مزاج انسان تھا اُسے یہ ذمے داری سونپی گئی کہ وہ اہل حرم کو آرام و احترام کے ساتھ شام سے مدینہ تک لے جائے۔ آپ حضرات نے کبھی سوچا ہے کہ ایسا کیونکر ہوا؟ کیا اچانک یزید شریف آدمی بن گیا تھا؟ کیا ایک دم اُس کی ذہنیت بدل گئی تھی؟ نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ دمشق کا ماحول بدل گیا تھا۔ آپ سنتے رہتے ہیں کہ یزید بعد میں ابن زیاد پر لعنت بھیجتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ سارا کیا دھرا اُسی کا ہے۔ وہ اس بات سے بالکل انکار کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے قتل حسینؑ کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔[2] ایسا ابن زیاد نے اپنی مرضی سے کیا۔

یہ سب کیوں ہوا؟ اس لئے کہ امام سجادؑ اور جناب زینبؑ نے حالات کا رخ موڑ دیا تھا۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۹۔ مقتل الحسینؑ از مقرم ص ۳۵۳۔

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۴۷۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۸۴۔

مجلس ۵۸

زندان شام

مورخین نے لکھا ہے کہ ابتدا میں اہل حرم کو شام کے جس زندان میں رکھا گیا تھا وہاں انہیں بڑی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں جس چار دیواری میں قید رکھا گیا تھا وہاں دن میں دھوپ سے اور رات کو اوس سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں تھا جس کی وجہ سے انہیں شب و روز سخت اذیت سے دوچار ہونا پڑتا تھا[1] لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ خود یزید کو اپنی سیاسی غلطی کا احساس ہوگیا۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے اپنے گناہوں سے توبہ کرلی تھی البتہ اُسے یہ احساس ہوگیا تھا کہ اُس سے ہونے والی سیاسی غلطی اُس کے اقتدار کے سنگھاسن کے لئے خطرہ ثابت ہوسکتی ہے۔

اس احساس کے بعد یزید مسلسل ابن زیاد کو گالیاں بکا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ خدا ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ میں نے اُسے ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ وہ قتل حسینؑ سے اپنے ہاتھ رنگے۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ جاؤ اور جاکر عمامہ مجھے لاکر دو اور وہ سر کاٹ کر لے آیا۔ میں نے حسینؑ بن علیؑ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ ابن زیاد خود تھا جس نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔

یزید یہ بات کئی دفعہ دہرا چکا تھا حالانکہ یہ سب جھوٹ تھا۔ وہ اس

۱۔ لہوف ص ۱۸۸۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۷۱۔

طرح کی باتیں کر کے اپنی گلو خلاصی چاہتا تھا اور اپنے جرم کو ابن زیاد کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا تا کہ اس جرم کے نتیجے میں اُس کی حکومت خطرے میں نہ پڑ جائے۔[۱] اپنی حکومت کو اس مشکل سے نکالنے کے لئے اُس نے قیدیوں کی حالت میں تبدیلی لانے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر قیدیوں کو اسی حالت میں رکھا گیا تو لوگ کہہ سکتے ہیں کہ چلیں ہم مان لیتے ہیں کہ وہاں کربلا میں تو ابن زیاد کا عمل دخل تھا مگر یہاں تو ابن زیاد کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ یہاں تو اختیارات تیرے پاس ہیں پھر تو قیدیوں کے ساتھ اس طرح کا ناروا سلوک کیوں کر رہا ہے؟ چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ اہل حرم کو زندان سے اُس کے محل کے قریب ایک مکان میں منتقل کر دیا جائے۔ اس کے بعد اُس نے امام سجادؑ کو آزاد چھوڑ دیا۔ آپ شام کے کوچہ و بازار میں آ جا سکتے تھے۔ اُس نے کئی بار امام سجادؑ سے درخواست کی کہ آپ اُس کے ساتھ دوپہر یا رات کا کھانا تناول فرمائیں۔[۲] یہاں تک کہ ایک دن اُس نے امام سجادؑ سے کہا کہ اگر میں توبہ کرنا چاہوں تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔[۳]

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۴۴۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۸۴۔

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۴۴۔ منتہی الآمال معرب ج ۱، ص ۷۸۳۔ دمع السجوم ص ۲۶۵۔
اس کے بعد کی تقریر کیسٹ ختم ہو جانے کے سبب ریکارڈ نہیں ہو سکی۔

۳۔ آشنائی با قرآن ج ۵، ص ۲۴۹۔ ۲۵۰۔

مجلس ۵۹

امام سجادؑ پیکر محبت

امام سجادؑ اپنی ذات میں سراپا محبت تھے۔ آپ ہر لحاظ سے پیکر محبت نظر آتے ہیں۔ جب آپ سرراہ کسی پردیسی، بے سہارا، غریب اور نادار شخص کو دیکھتے جس سے لوگ بے توجہی برت رہے ہوتے تو آپ اُس شخص کی دلجوئی فرماتے، اُس کے سر پر دست شفقت پھیرتے، اُسے اپنے گھر لے جاتے اور اُس کی خاطر مدارت فرماتے۔[1]

ایک دن امام سجادؑ نے جذام زدہ ایک گروہ کو دیکھا (عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ کوڑھ کے مریضوں سے دور بھاگتے ہیں کہ کہیں یہ بیماری اُن کو بھی نہ لگ جائے)[2] تو آپ اُس گروہ کو اپنے گھر لے گئے اور

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۱۵۔

۲۔ پرانے زمانے میں لوگ جذام یا کوڑھ (Leprosy) کو متعدی بیماری سمجھتے تھے۔ امام سجادؑ کے دادا امام علیؑ بھی جذامیوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیماری متعدی نہیں ہے۔ امام کی اس خدمت کا ذکر جب استاد مطہری کی ایک کتاب میں آیا تو ایک دن مجھے عیسائی مشنری کے زیر انتظام چلنے والے پرانی نمائش کراچی میں واقع Leprosy Center سے فون آیا اور انہوں نے پوچھا کہ کیا امام علیؑ اور امام سجادؑ واقعی جذامیوں کی خدمت کیا کرتے تھے؟ جب میں نے انہیں اثبات میں جواب دیا تو وہ ہمارے اماموں کے علم اور اُن کی انسانی خدمت کے جذبے سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے اس بات کا Reference مانگا جو انہیں بتا دیا گیا۔ (رضوانی)

وہاں آپ نے اُن کی دیکھ بھال فرمائی۔[1] امام سجادؑ کا بیت الشرف مسکینوں، یتیموں اور بے سہارا افراد کی پناہ گاہ تھا۔

قافلہ حج کی خدمت

فرزند رسولؐ ہیں۔ حج پر جا رہے ہیں لیکن ایسے قافلے میں شامل نہیں ہوتے جس کے افراد آپ کو پہچانتے ہوں۔ آپ ایسے قافلے کے انتظار میں ہیں جو کسی دور دراز علاقے سے آ رہا ہو اور جس میں شامل افراد میں سے کوئی بھی آپ کو نہ پہچانتا ہو تاکہ آپ اُس قافلے میں ایک مسافر کے طور پر شامل ہو جائیں۔ چنانچہ ایک ایسا ہی قافلہ آیا اور اُس نے آپ کو شامل سفر ہونے کی اجازت دیدی۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب گھوڑے یا اونٹ پر سفر کر کے تقریباً دس بارہ دن میں قافلہ اپنی منزل پر پہنچتا تھا۔ امام سجادؑ نے اس مدت کے دوران اُس قافلے میں ایک خدمتگار کے طور پر کام کرتے ہوئے اپنے سفر حج کو جاری رکھا۔ دوران سفر ایک ایسا شخص قافلے میں شامل ہوا جو امام کو پہچانتا تھا۔ جب اُس نے امام سجادؑ کو قافلے والوں کی خدمت کرتے دیکھا تو قافلے والوں سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ شخص جس سے تم خدمت لے رہے ہو کون ہے؟

قافلے والوں نے کہا کہ ہم اسے نہیں پہچانتے۔ ہمیں صرف اتنا پتا ہے کہ یہ جوان مدینہ کا رہنے والا ہے اور ایک نہایت اچھا انسان ہے۔ اُس شخص نے کہا کہ تم لوگوں نے سچ کہا کہ تم اسے نہیں جانتے۔ اگر تم اسے جانتے تو اس طرح اس پر حکم نہ چلاتے اور اس سے اپنی خدمت نہ کرواتے۔ قافلے والوں نے گھبرا کر اُس سے پوچھا کیا تم اسے جانتے ہو؟ اُس شخص

۱۔ بحار الانوار ج ۴۶، ص ۵۵۔ کافی ج ۲، ص ۱۲۳۔

نے کہا کہ ہاں یہ فرزند رسول علیؑ ابن حسینؑ ہیں۔

جونہی قافلے والوں کو پتا چلا کہ یہ امام سجادؑ ہیں تو سب کے سب بھاگ کر آئے اور آپ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ کہنے لگے کہ فرزند رسولؐ! آپ کیوں ہمیں گنہگار کر رہے تھے؟ ہوسکتا تھا کہ ہم کوئی گستاخی کر بیٹھتے اور ہم پر عذاب آجاتا۔ آپ ہمارے مولا و آقا ہیں۔ آپ یہاں تشریف رکھیں ہم آپ کی خدمت کریں گے۔ امام نے فرمایا نہیں۔ میں یہ تجربہ کر چکا ہوں۔ جب میں کسی ایسے قافلے میں شامل ہوتا ہوں جو مجھے پہچانتا ہے تو اُس قافلے کے لوگ مجھے خدمت کرنے کا موقع نہیں دیتے اور یہی کہتے ہیں کہ وہ میری خدمت کریں گے مگر میں چاہتا ہوں کہ ایسے قافلے کے ساتھ سفر کروں جو مجھے نہ پہچانتا ہو تاکہ میں بھی حاجیوں کی خدمت کرسکوں۔[۱]

امام سجادؑ کا گریہ اور دعا و مناجات

امام سجادؑ کو اپنے پدر بزرگوار امام حسینؑ کی طرح اور امام جعفر صادقؑ کی طرح مواقع میسر نہیں تھے کیونکہ اُن کے زمانے میں سیاسی حالات ایسے نہیں تھے لیکن جو شخص خدمت اسلام کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے اُس کے لئے ہر طرح کے حالات ایک فرصت کی مانند ہوتے ہیں بس فرصت کی شکلوں میں فرق ہوتا ہے۔

اس بات کا اندازہ آپ اس حقیقت سے لگا سکتے ہیں کہ امام سجادؑ نے دعاؤں کی صورت میں دنیائے تشیع کے لئے کتنا گراں بہا سرمایہ چھوڑا ہے۔ آپ نے ان دعاؤں کے ذریعے اپنا کام کتنے احسن انداز میں انجام دیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام سجادؑ اپنے پدر بزرگوار کے بعد جتنا عرصہ زندہ

۱۔ بحار الانوار ج ۴۶، ص ۶۹۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۱۳۔

رہے آپ نے جہاد بالسیف نہ کر کے تحریک کربلا کے متعلق اکثر معاملات کو فراموش کرا دیا حالانکہ یہ بات ہرگز صحیح نہیں۔ اس کے برعکس امام سجادؑ نے تحریک کربلا کو زندہ رکھنے کے لئے ہر موقع سے استفادہ فرمایا ہے۔

یہ جو امام زین العابدینؑ مسلسل گریہ فرماتے رہے یہ کس چیز کی یاد دہانی تھی؟ کیا امام کی یہ کیفیت اُس شخص کی مانند تھی جس کا دل جب زخمی ہوتا ہے تو وہ بغیر کسی مقصد کے گریہ کرنے لگتا ہے۔ کیا اس گریہ کا مقصد یہ نہ تھا کہ امام چاہتے تھے کہ وہ سانحہ کربلا کی یاد کو باقی رکھیں اور لوگ اس بات کو ہرگز نہ بھولیں کہ امام حسینؑ نے کس مقصد کے لئے جان دی تھی اور اُن کے ساتھ کون کون شہید ہوا تھا؟ اصل وجہ یہی تھی جس کی بنا پر امام گریہ فرماتے رہے اور کبھی کبھی آپ کا گریہ شدت بھی اختیار کر جاتا تھا۔

ایک دن آپ کے کسی خدمت گار نے عرض کی کہ مولا آپ کب تک روتے رہیں گے؟ (وہ سمجھتا تھا کہ شاید امام اپنے اعزا پر رو رہے ہیں) امام نے فرمایا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یعقوبؑ کے پاس ایک یوسفؑ سے زیادہ کچھ نہ تھا مگر قرآن اُن کے جذبات و احساسات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ[1] (غم سے اُن کی آنکھیں سفید ہو گئیں) جبکہ میں نے تو اپنی آنکھوں کے سامنے ''اٹھارہ یوسف'' شہید ہوتے دیکھے ہیں جو یکے بعد دیگرے زمین کربلا پر گر رہے تھے۔[2]

۱۔ سورۂ یوسف: آیت ۸۴۔

۲۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۴۹۔ سیری در سیرت ائمہ اطہارؑ ص ۱۱۲ تا ۱۱۴۔

مجلس ٦٠

شہادت امام موسیٰ کاظمؑ

جیسا کہ مشہور ہے آج کی رات ہمارے ساتویں امام، امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کی رات ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ کی ۱۲۸ھ میں ولادت باسعادت ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنو امیہ کی حکومت رو بہ زوال تھی۔ جبکہ ۱۸۳ھ میں امام کی وفات عباسی خلیفہ ہارون رشید کے قید خانے میں واقع ہوئی۔ آپ کی عمر مبارک ۵۵ سال تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری برس زندان میں گزارے اور آپ کو زندان میں ہی زہر دے کر شہید کیا گیا۔[۱]

ایک عرب شاعر کہتا ہے:

قَالُوْا حُبِسْتَ فَقُلْتُ لَيْسَ بِضَائِرٍ
حَسْبِیْ وَاَیُّ مُهَنَّدٍ لَا يُغْمَدُ
اَوَ مَا رَاَيْتَ اللَّيْثَ يَاْلِفُ غَيْلَةً
كِبْرًا وَ اَوْبَاشُ السِّبَاعِ تَرَدَّدُ

مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی کے دفتر اول میں ایک قصہ بیان کیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے مصائب میں گرفتار ہونے، کنوئیں میں گرنے، غلام بن جانے اور برسوں قید میں رہنے کے بعد ان کے بچپن کا ایک دوست اُن سے ملنے آیا۔ مولانا رومؒ کہتے ہیں:

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۲۸۷ اور ۳۶۶۔

"ایک دن حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن کا دوست آپ کا مہمان ہوا۔ اُس نے آپ کو بھائیوں کا ظلم اور حسد یاد دلایا۔ آپ نے کہا کہ ہم شیر ہیں اور وہ واقعات زنجیر تھے۔ شیر کو اگر زنجیر سے باندھ دیا جائے تو اُس کی شان میں فرق نہیں آتا۔ شیر کی گردن میں اگر زنجیر ہو تب بھی وہ زنجیر پہنانے والوں پر بھاری رہتا ہے۔

دوست نے پوچھا: جب آپ قید میں اور کنوئیں میں تھے— اس وقت کیا صورت تھی؟

آپ نے فرمایا: وہی جو چاند کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ گھٹتا اور غائب ہو جاتا ہے لیکن وہ پھر پورا چاند بن کر آسمان پر چمکتا ہے۔ گندم کو مٹی کے نیچے دبا دیتے ہیں لیکن وہ مٹی سے ابھرتا ہے اور اس پر خوشے لگتے ہیں۔ پھر اسے چکی میں پیسا جاتا ہے لیکن اُس کی قدر و قیمت بڑھتی ہے اور وہ روٹی بن جاتا ہے۔ پھر روٹی کو دانتوں سے چباتے ہیں تو وہ حیات اور عقل و فہم بن جاتی ہے۔"

اس لحاظ سے کہ آپ کی حیات طیبہ کا کچھ حصہ قیدخانے میں گزرا امام کاظم علیہ السلام کا حال حضرت یوسف صدیق علیہ السلام سے مشابہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر زنان مصر نے دباؤ ڈالا۔ آپ نے اپنے گوہر ایمان کو محفوظ رکھنے اور لباس تقویٰ کو آلودگی سے بچانے کے لئے قیدخانے کی آرزو کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجَاهِلِیْنَ ○ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ کَیْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ○ اے پروردگار! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں اُس کی نسبت مجھے قید پسند

ہے اور اگر تو مجھ سے اُن کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں اُن کی طرف مائل ہوجاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہوجاؤں گا تو پروردگار نے اُن کی دعا سن لی اور اُن سے عورتوں کا مکر دور کر دیا۔ بیشک وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ (یوسف کے پاکباز ہونے کی نشانیاں) دیکھ چکے تھے اُن کی یہ رائے ہوئی کہ اُن کو کچھ عرصے کے لئے قید ہی کر دیں۔[1]

۱۔ سورۂ یوسف: آیت ۳۳ تا ۳۵۔

ابلیس نے خدا سے کہا تھا کہ میں برے کاموں کو لوگوں کی نظروں میں اچھا بنا کر پیش کروں گا اور تمام لوگوں کو گمراہ کروں گا البتہ تیرے مخلص بندوں پر میرا زور نہیں چلے گا۔ خدا نے اُس کے جواب میں فرمایا: واقعی تجھے میرے مخلص بندوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ تیری پیروی وہی کریں گے جو گمراہی میں پڑے ہوں گے۔

خدا نے اپنے مخلص بندوں کی مثال کے عنوان سے حضرت یوسفؑ کے واقعہ کو پیش کیا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ زلیخا نے ارادہ کیا اور یوسفؑ نے بھی ارادہ کیا۔ اگر یوسفؑ اپنے رب کی برہان دیکھ نہ چکے ہوتے تو ارادہ پورا کر بیٹھتے۔ یہ انتظام ہم نے اس لئے کیا کہ اُن کو برائی (یعنی قتل) اور بے حیائی سے روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔ (سورۂ یوسف: آیت ۲۴)

ایک کمرے میں جہاں زلیخا اور حضرت یوسفؑ کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا زلیخا نے اُن کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تو حضرت یوسفؑ اگر ان حالات میں اپنے رب کی برہان دیکھ نہ چکے ہوتے تو زلیخا کو قتل کر دیتے یا اُس کی خواہش کی تکمیل کرتے کیونکہ زلیخا بھی حسن و رعنائی کا پیکر تھی اور حضرت یوسفؑ بھی حسن خداداد کے مالک تھے۔ نیز یہ کہ حضرت یوسفؑ جوان اور غیر شادی شدہ تھے اور بند کمرے کا ماحول بھی برائی کے لئے سازگار تھا مگر اس کے باوجود حضرت یوسفؑ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی کیونکہ وہ اپنے رب کی برہان دیکھ چکے تھے۔ وہ خدا کے چنیدہ بندے اور جماعت مخلصین کے فرد تھے اس لئے خدا نے انہیں برائی سے محفوظ رکھا۔ وہ ''برہان'' جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا یقین کی حالت میں ایک شخص کے اچھے عمل اور ایک شخص کے برے عمل کا ''نتیجہ'' تھا۔ (اسلامی عقائد — قرآن کی نظر میں از علامہ سید مرتضی عسکری، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان)۔ رضوانی

بھائیوں کے حسد نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا، زنانِ مصر کی ناقابل قبول خواہشوں نے آپ کو قید خانے بھجوادیا۔ برسوں آپ قید رہے۔ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ[1] قید خانے ہی میں نبوت ملی اور وہاں سے خالص تر، کامل تر اور پختہ تر ہو کر نکلے۔

پیغمبروں میں حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو اس جرم میں کہ وہ باپ کے لاڈلے تھے، کنوئیں میں ڈالے گئے اور حق شناسی، پاکیزگی اور تقویٰ کے جرم میں قید خانے بھیجے گئے۔ ائمہ اہلبیتؑ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس جرم میں کہ لوگوں کو اُن سے محبت اور عقیدت تھی اور وہ اُن کو ہارون رشید سے زیادہ لائق رہبر سمجھتے تھے، برسوں قید میں رہے۔ فرق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قید سے رہائی نصیب ہوئی لیکن ہارون رشید نے آخرکار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید خانے ہی میں زہر دے کر شہید کر دیا۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ.[2] خدا نے ان کو اپنے فضل سے جو مقام دے رکھا ہے یہ لوگ اُس کا حسد کرتے ہیں۔

جی ہاں! حاسد جب کسی گروہ کے شاملِ حال خدا کے فضل کو دیکھتے ہیں تو اُس سے حسد کرنے لگتے ہیں اور اُس کے درپے آزار ہو جاتے ہیں۔

عربی کے دو اشعار جو میں نے تقریر کے آغاز میں سنائے تھے اُن کا بھی یہی مطلب ہے کہ لوگ مجھ کو طعنے دیتے ہیں کہ تجھے قید کر دیا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو کوئی عیب کی بات نہیں۔ کون سی شمشیر خارا شگاف ہے جس کو میان میں نہیں رکھا جاتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شیر جب بڈھا ہو جاتا ہے تو اسے اپنے کچھار میں رہنے کی عادت ہو جاتی ہے جبکہ ادنیٰ درجے کے

۱۔ سورۂ یوسف: آیت ۴۲۔

۲۔ سورۂ نساء: آیت ۵۴۔

درندے ہر طرف دوڑتے پھرتے ہیں۔

ان دو اشعار کے بعد کا شعر یہ ہے:

وَالشَّمْسُ لَوْلَا اَنَّهَا مَحْجُوْبَةٌ

عَنْ نَاظِرِیْکَ لَمَا اَضَاءَ الْفَرْقَدُ

سورج جب تک آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے چھوٹے ستارے چمکتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

وَالنَّارُ فِیْ اَحْجَارِهَا مَخْبُوْءَةٌ

لَا تُصْطَلٰی اِنْ لَّمْ تُثِرْهَا الْاَزْنَدُ

جب تک آگ کو چمٹے سے کریدا نہ جائے آگ پتھروں میں چھپی رہتی ہے اور اس سے تاپا نہیں جا سکتا۔

وَالْحَبْسُ مَا لَمْ تَغْشَهُ لِدَنِیَّةٍ

شَنْعَاءَ نِعْمَ الْمَنْزِلُ الْمُسْتَوْرَدُ

اگر قید کسی اخلاقی جرم کی بنا پر نہیں ہوئی تو قید خانہ بری جگہ نہیں۔

اگر کسی نے چوری کی ہے، قتل کیا ہے، غبن کیا ہے، فساد پھیلایا ہے اور عدالت نے اسے سزا دے کر جیل بھیج دیا ہے تو واقعی یہ شرم کی بات ہے، ننگ و عار کا سبب ہے، ذلت کا مقام ہے بلکہ اگر ان کاموں کی وجہ سے جیل جانا نہ بھی پڑے تب بھی یہ کام شرمناک اور رسوائی کا سبب ہیں لیکن اگر کوئی حق گوئی اور حق خواہی کے جرم میں اور ظلم و استبداد کا مقابلہ کرنے کی بنا پر جیل جاتا ہے تو یہ فخر کی بات ہے۔

بَیْتٌ یُجَدِّدُ لِلْکَرِیْمِ کَرَامَةً

وَیُزَارُ فِیْهِ وَلَا یَزُوْرُ وَیُحْفَدُ

قیدخانہ وہ جگہ ہے جہاں جا کر شریف کی عزت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔
جہاں اس سے لوگ ملنے جاتے ہیں۔ اس سے ملاقات پر فخر کرتے ہیں۔
اُس کو اُن کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس کے بعد شاعر کہتا ہے:

فَقُلْتُ لَهَا وَالدَّمْعُ شَتّٰی طَرِيْقُهُ
وَنَارُ الْهَوٰی فِي الْقَلْبِ يَذْكُوْ وَقُوْدُهَا
فَلَا تَجْزَعِيْ اِمَّا رَأَيْتِ قُيُوْدَهُ
فَاِنَّ خَلَاخِيْلَ الرِّجَالِ قُيُوْدُهَا

جب آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور دل میں آتش شوق بھڑک رہی تھی، میں نے محبوبہ سے کہا کہ تو پاؤں میں زنجیریں دیکھ کر مت گھبرا۔ یہی زنجیریں مردوں کی زینت ہیں۔

حریت پسندی کے جرم میں قید کے اثرات

یہاں دو نکتے قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سختیاں، سزائیں اور مصلحتیں جو کسی شخص کو حق گوئی اور حق خواہی کے نتیجے میں اور اپنی انسانی اور ملکوتی شخصیت کی وجہ سے جھیلنی پڑتی ہیں باعث شرم نہیں بلکہ فخر کا موجب ہیں۔ اس نکتے کے متعلق اتنا کافی ہے کہ اگر ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے جن میں بڑے بڑوں نے عزت کے ساتھ جان دی، قید ہوئے، سختیاں جھیلیں اور تشدد برداشت کیا۔ اس راہ کے مصائب نہ صرف اُن بزرگوں کے لئے سامان عزت و افتخار ہیں بلکہ خود انسانیت کے لئے فخر و مباہات کا موجب ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس طرح کی سختی اور تشدد برداشت کرنا جوہر انسانیت کی تکمیل اور تہذیب نفس کا ذریعہ ہے۔ جس طرح نازونعم کی زندگی ہمت و حوصلہ کی پستی اور اخلاق کی خرابی کا سبب ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی سے بڑھ کر کوئی چیز حوصلے کو پست کرنے والی، اخلاقی خرابیاں پیدا کرنے والی اور زندگی تباہ کرنے والی نہیں۔

ناز پرورد تنعم نبرد راہ بہ دوست
عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

سختیوں، تکلیفوں اور مشکلوں سے روح کی ورزش ہوتی ہے۔ اس میں طاقت آتی ہے۔ وجود انسان کا سونا کھرا اور مضبوط ہوتا ہے۔ جب تک آدمی مصائب میں گرفتار نہ ہو اور مشکلات کا سامنا نہ کرے اُس کی ذات کی نشوونما اور تکمیل نہیں ہوتی۔ ذات کی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر ارتقا کا عمل مکمل نہیں ہوسکتا۔ بقول مولانا رومؒ گندم کا دانہ خاک کے نیچے جاکر مٹی کے قید خانے میں بند ہوجاتا ہے۔ وہیں وہ پھٹتا ہے جس سے اُس کی ذات فنا ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد وہ ایک بلندتر مرحلے کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ چند ہی دن میں گندم ایک پودے کی شکل میں ابھرتا ہے جس پر خوشے لگتے ہیں اور ان میں دانے پڑتے ہیں۔ گندم کا مٹی میں ملنا ہی اُس کے ارتقا کی تمہید ہے۔ پھر یہی دانہ گندم چکی میں پس کر آٹا بنتا ہے۔ آٹا روٹی بن جاتا ہے۔ پھر روٹی دانتوں کی چکی میں پس کر جسم میں تحلیل ہوتی ہے اور آخرکار گندم ترقی کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا عقل وفہم کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

تضاد اور تصادم کا قانون

قدرت کا ایک قانون ہے جس کا نام ہے قانون تضاد۔ فلاسفہ کہتے ہیں

لَوْلَا التَّضَادُ مَا صَحَّ دَوَامُ الْفَيْضِ عَنِ الْمَبْدَءِ الْجَوَادِ[۱] یعنی اگر تضاد اور اس کے نتیجے میں تصادم نہ ہوتا تو مبدائے فیاض سے فیض وجود کے تسلسل کا بھی امکان نہ ہوتا۔ یہ صحیح ہے کہ ہر موجود میں کسی نہ کسی طرح کے ارتقا کی صلاحیت ہے۔

دوسری طرف دیکھئے تو ہر موجود اپنے ارتقا کے ہر مرحلے پر کچھ ایسے سامان سے بھی لیس ہوتا ہے جو اُس کے لئے اس مرحلے میں ضروری اور مفید ہوتا ہے مثلاً اُس چھلکے کو لیجئے جو کسی میوے کی گری کو اپنے گھیرے میں لئے ہوتا ہے یا انڈے کے چھلکے کو دیکھئے جو انڈے کی سفیدی اور زردی کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ چھلکے ضروری اور مفید ہیں لیکن اس وقت تک جب تک گری گری رہے اور انڈا انڈا رہے لیکن اگر میوے کا دانہ یہ چاہے کہ ترقی کر کے درخت بن جائے یا انڈا یہ چاہے کہ پہلے چوزہ اور پھر مرغ بن جائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ چھلکے کا حصار توڑ کر آزاد ہو جائے۔

یہ حصار اور یہ دیواریں قدرتی تضاد اور تصادم کے نتیجے میں ڈھے جاتی ہیں اور اس طرح رکاوٹیں دور ہو کر فیض الٰہی جاری رہتا ہے۔

یہ تکالیف اور سختیاں ہی ہیں جن کے نتیجے میں بڑے بڑے سورما اور غیر معمولی ذہین اور عبقری پیدا ہوتے ہیں۔ طاقت اور قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ تکالیف برداشت کر کے ہی وہ عظیم رہنما وجود میں آئے جنہوں نے دنیا کو بڑی بڑی تحریکوں سے روشناس کیا۔

جناب زینب کبریٰ

ہماری مذہبی اور دینی تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ خواتین

۱۔ الحکمۃ المتعالیہ فی الاسفار العقلیۃ الاربعہ ج ۷، ص ۷۷۔

اسلام میں ایک قابل فخر خاتون زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ کربلا کے خونیں مصائب اور شدائد نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو فولاد بنادیا تھا۔ جو زینبؑ شام سے مدینے واپس آئیں وہ وہی زینبؑ نہیں تھیں جو مدینے سے روانہ ہوئی تھیں۔ جو زینبؑ شام سے واپس آئیں وہ زیادہ نکھری ہوئی تھیں۔ جو مدینے سے روانہ ہوئی تھیں حتیٰ کہ دوران اسیری میں جو کارنامے آپ سے ظہور پذیر ہوئے وہ ایام کربلا کے ان واقعات سے یکسر مختلف ہیں جب آپ کے عظیم بھائی ابھی زندہ تھے اور آپ پر ابھی ذمے داری کا بوجھ نہیں پڑا تھا۔

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی ہمارے زمانے کی ایک قابل مسلمان عرب خاتون ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے بَطَلَةُ کَرْبَلاء (کربلا کی عظیم خاتون)۔ یہ کتاب فارسی میں ترجمہ ہوکر کئی بار چھپ چکی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی عظمت کا سبب زیادہ تر حوادث و مصائب کربلا ہی ہیں۔ یہ واقعات کربلا ہی تھے جو اس کا موجب ہوئے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے دربار یزید میں وہ آتش بار خطبہ دیا جو آپ سب نے سنا ہے۔[1]

ایک عرب شاعر ابوتمام کہتا ہے:

لَوْلَا اشْتِعَالُ النَّارِ فِیْ مَا جَاوَرَتْ
مَا کَانَ یُعْرَفُ طِیْبُ عُرْفِ الْعُوْدِ

اگر عود کی لکڑی آگ میں نہ جلتی تو کوئی بھی اس کی خوشبو سے واقف نہ ہوسکتا۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱۳۳۔

سعدیؔ نے بھی اسی مضمون کو اس طرح پیش کیا ہے:

قول مطبوع از درون سوزناک آید کہ عود

چون ہمی سوزد جہان از وی معطر می شود

رودکیؔ کہتا ہے:

اندر بلای سخت پدید آید

فضل و بزرگواری وسالاری

حق گوئی اور حق طلبی

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام حق گوئی، ایمان وتقویٰ اور اپنی مقبولیت کے جرم میں قید ہوئے۔ آپ کا ایک ملفوظ ہے۔ آپ نے اپنے کسی شیعہ سے فرمایا: اَیْ فُلَانُ اِتَّقِ اللّٰهَ وَقُلِ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ فِیْهِ هَلَاكُكَ فَاِنَّ فِیْهِ نَجَاتُكَ وَدَعِ الْبَاطِلَ وَاِنْ كَانَ فِیْهِ نَجَاتُكَ فَاِنَّ فِیْهِ هَلَاكُكَ.[1] دیکھو اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو۔ ہمیشہ حق بات کہو، چاہے اس کا انجام بربادی ہی کیوں نہ نظر آئے کیونکہ دراصل اسی میں تمہاری نجات ہے اور یاد حق کبھی نابودی کا باعث نہیں بنتا بلکہ حق نجات دہندہ ہے۔ باطل سے ہمیشہ دور رہو اگرچہ بظاہر اس میں تمہیں نجات نظر آئے مگر یاد رکھو کہ باطل کبھی نجات نہیں دے سکتا۔

شیخ مفید لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عبادت گزار، سب سے بڑے فقیہ، سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ باوقار تھے۔[2] ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں تضرع اور اظہار

۱۔ بحار الانوار ج ۷۸، ص ۳۱۹۔

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۹۲۔

عاجزی کرتے رہتے تھے۔ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الرَّاحَۃَ عِنْدَ الْمَوْتِ وَالْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسَابِ یعنی اے اللہ! میں موت کے وقت راحت اور حساب کے وقت معافی کا خواستگار ہوں۔[1]

اکثر فقراء کی تلاش میں رہتے تھے۔ رات کے وقت نقدی، آٹا اور کھجوریں ایک ظرف میں ڈال کر مختلف طریقوں سے فقرائے مدینہ تک پہنچاتے تھے۔ ان غریبوں کو پتا بھی نہ چلتا کہ ان کا محسن کون ہے۔[2]

بے مثل حافظ قرآن تھے۔ ایسی خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے کہ دلوں پر چوٹ لگتی تھی۔ سامعین آپ کی تلاوت سن کر رونے لگتے تھے۔ اہل مدینہ نے آپ کو زین المتھجدین (تہجد گزاروں کی زینت) کا لقب دیا تھا۔[3]

زندان بصرہ

۱۷۹ھ میں ہارون حج کے لئے بغداد سے نکلا۔ پہلے مدینے گیا۔ وہاں جا کر حکم دیا کہ امام کو حاضر کیا جائے۔ یہ سن کر اہل مدینہ چونک پڑے۔ سارے مدینہ میں غل مچ گیا۔ ہارون نے حکم دیا کہ راتوں رات محمل پر پردے ڈال کر اس میں امام کو بصرے روانہ کر دیا جائے اور وہاں عیسیٰ بن جعفر عباسی کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ بصرہ کا حاکم اور ہارون کا چچازاد بھائی تھا۔ وہاں لے جا کر حضرت کو قید کر دیا گیا۔ ادھر ہارون نے حکم دیا کہ ایک اور محمل پر پردے ڈال کر کوفے کی طرف بھیجا جائے تا کہ لوگوں کو یہ خیال ہو کہ امام کو کوفے روانہ کیا گیا ہے اور وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائیں کہ چونکہ کوفہ

۱و۲۔ ارشاد مفید ۲۹۶۔

۳۔ ارشاد مفید ص ۲۹۸۔

حضرت کے دوستوں اور شیعوں کا مرکز ہے وہاں حضرت کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔ اگر کچھ لوگ حضرت کو راستے سے واپس لانے کی کوشش بھی کریں تو اُن کا خیال کوفے جانے والے راستے ہی کی طرف جائے۔[1]

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک سال تک بصرہ میں قید رہے۔ ہارون نے عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ قید خانے ہی میں امام کا کام تمام کردے لیکن وہ تیار نہیں ہوا۔ اُس نے جواب میں لکھا کہ میں نے اس ایک سال میں اس شخص کو ہمہ وقت عبادت میں مشغول پایا ہے۔ یہ عبادت سے کبھی نہیں اکتاتا۔ میں نے کچھ لوگوں کو اس بات پر مامور کیا کہ یہ دیکھیں کہ یہ اپنی دعاؤں میں آپ پر یا مجھ پر لعنت و نفرین تو نہیں کرتا۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت و بخشش کی طلب کے سوا اور کوئی بات زبان پر نہیں لاتا۔ میں ایسے شخص کے قتل میں شریک ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں ایسے شخص کو قید خانے میں بھی رکھنا نہیں چاہتا یا تو آپ اس کو واپس لے لیں ورنہ میں رہا کردوں گا۔[2]

زندان بغداد

ہارون نے حکم دیا کہ امام کو بصرے سے بغداد لاکر فضل بن ربیع کے قید خانے میں رکھا جائے۔ ہارون نے فضل بن ربیع سے بھی امام کو قتل کردینے کے لئے کہا مگر اُس نے بھی منظور نہ کیا۔ اس پر ہارون نے امام کو فضل بن یحییٰ برمکی کی سپردگی میں دیدیا تاکہ وہاں قید میں رکھا جائے۔[3]

۱۔ ارشاد مفید ص ۳۰۰۔ بحار الانوار ج ۴۸، ص ۲۰۷ تا ۲۲۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۳۳۷۔

۲۔ ارشاد مفید ص ۳۰۰۔ بحار الانوار ج ۴۸، ص ۲۳۳۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۳۳۸۔

۳۔ ارشاد مفید ص ۳۰۰۔

فضل بن یحییٰ نے خود اپنے مکان میں ایک کمرہ امام کے لے مخصوص کردیا۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ اُن پر نگاہ رکھی جائے کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ اُس کو بتایا گیا کہ آپ دن رات نماز، دعا اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے ہیں۔ دن کو اکثر روزہ رکھتے ہیں۔ عبادت کے سوا کسی بات سے آپ کو سروکار نہیں۔ فضل بن یحییٰ نے حکم دیا کہ آپ کا احترام کیا جائے اور آپ کے آرام و راحت کا ہر طرح خیال رکھا جائے۔

مخبروں نے اس قصے کی ہارون کو اطلاع دیدی۔ جس وقت یہ خبر ہارون کو ملی وہ بغداد میں نہیں تھا۔ ہارون نے فوراً فضل کو ایک عتاب آمیز خط لکھا اور یہ خواہش کی کہ امام کو قتل کردیا جائے لیکن فضل تیار نہ ہوا۔ ہارون بہت جز بز ہوا۔ اُس نے اپنے خادم خاص مسرور کے ہاتھ دو خط، ایک سندی بن شاہک کے نام اور ایک عباس بن محمد کے نام روانہ کئے۔ ساتھ ہی مسرور کو حکم دیا کہ خفیہ طریقے سے تحقیق کرے۔ اگر موسیٰ بن جعفر علیہ السلام فضل کے مکان پر آرام سے ہوں تو اس کا انتظام کرے کہ فضل بن یحییٰ کے کوڑے لگائے جائیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور فضل بن یحییٰ نے کوڑے کھائے۔ مسرور نے اس پوری کارروائی کی اطلاع خط میں لکھ کر ہارون کو دیدی۔[1]

ہارون نے حکم دیا کہ امام کو فضل بن یحییٰ کی تحویل سے لے کر سندی بن شاہک کے حوالے کردیا جائے۔

یہ ایک غیر مسلم تھا جو نہایت سنگدل اور جابر تھا۔ ضمناً یہ بھی سن لیجے کہ ایک دن ہارون نے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فضل بن یحییٰ نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں تم بھی اس پر

۱۔ ارشاد مفید ص ۳۰۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۳۴۱۔

لعنت بھیجو۔ چنانچہ بے ضمیر لوگوں نے محض ہارون کو خوش کرنے کے لئے فضل بن یحییٰ پر لعنت بھیجی[1] جب اس قصے کی اطلاع فضل بن یحییٰ برمکی کے باپ یحییٰ بن خالد برمکی کو ملی تو وہ سوار ہو کر رقہ پہنچا اور اپنے بیٹے کی طرف سے معذرت کی۔ ہارون نے بھی یہ معذرت قبول کر لی[2] قصہ مختصر بالآخر سندی ہی کے قید خانے میں حضرت کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔[3]

ایک عہدیدار کا امام کی مزاج پرسی کے لئے آنا

ایک دن سندی بن شاہک کے قید خانے میں ہارون نے اپنے ایک آدمی کو امام کی مزاج پرسی کے لئے بھیجا۔ سندی خود بھی اس عہدیدار کے ساتھ تھا۔ جب یہ فرستادہ امام کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے پوچھا: کیا کام ہے؟

وہ بولا: خلیفہ نے مجھے آپ کی مزاج پرسی کے لئے بھیجا ہے۔

آپ نے فرمایا: خلیفہ کو میری طرف سے کہہ دو کہ ہر روز جو ایک سختی کا دن مجھ پر گزرتا ہے تو تیری خوشی کا ایک دن کم ہو جاتا ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے جب میں اور تو ایک جگہ اکٹھے ہوں گے۔ وہاں اہل باطل کو اپنی غلط روی کا برا انجام معلوم ہو جائے گا۔[4]

۱و۲۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۳۳۱۔

۳۔ بحار الانوار ج ۴۸ ص ۲۴۷۔

۴۔ المنتظم ج ۹ ص ۸۸ پر مذکورہ ترجمہ سے متعلق عربی متن اس طرح ہے کہ اِنَّهُ لَنْ يَنْقَضِيَ عَنِّيْ يَوْمٌ مِنَ الْبَلَاءِ اِلَّا انْقَضٰى عَنْكَ مَعَهُ يَوْمٌ مِنَ الرَّخَاءِ حَتّٰى نَفْضِيَ جَمِيْعًا اِلٰى يَوْمٍ لَيْسَ فِيْهِ انْقِضَاءٌ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ.

امام موسیٰ کاظمؑ کا استغناء

اسی زمانے میں جب آپ ہارون کی قید میں تھے، ایک روز ہارون نے فضل بن ربیع کو ایک پیغام دے کر بھیجا۔ فضل کہتا ہے کہ جب میں آپ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ کی ہیبت ایسی تھی کہ مجھے بیٹھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اپنی تلوار پر ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ نماز ختم ہوئی تو آپ نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی اور دوسری نماز شروع کردی۔ آخر جب وہ نماز ختم ہوئی تو تیسری نماز شروع کرنے سے قبل میں نے اپنی بات شروع کردی۔ میں نے کہا:

خلیفہ نے مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے اور ہدایت کی ہے کہ اُس کے نام کے ساتھ امیرالمومنین کا لقب استعمال نہ کروں بلکہ یہ کہوں کہ آپ کے بھائی ہارون نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہمیں کچھ اطلاعات ملی تھیں جن سے غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ آپ کی کوئی غلطی نہیں تھی لیکن میری خواہش ہے کہ آپ ہمیشہ میرے پاس رہیں اور مدینے نہ جائیں۔ چونکہ اب یہ طے ہوگیا ہے کہ آپ ہمارے پاس ہی رہیں گے، میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ فرمادیں کہ آپ کو کس قسم کی غذا پسند ہے۔ فضل کو ہدایت کردی گئی ہے کہ وہ آپ کی راحت رسانی کا انتظام کرے۔

یہ سن کر آپ نے دو لفظوں میں فضل کی بات کا جواب دیدیا۔ آپ نے فرمایا: لَیْسَ لِیْ مَالٌ فَیَنْفَعُنِیْ وَمَا خُلِقْتُ سَؤُوْلًا. میرے پاس اپنا روپیہ موجود نہیں جس سے میں فائدہ اٹھاؤں اور مانگنے کی مجھے عادت نہیں کہ تم سے کوئی خواہش کروں۔[1]

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۳۳۹ لَا حَاضِرَ مَالِیْ فَیَنْفَعُنِیْ وَلَمْ اُخْلَقْ سَؤُوْلًا.

ان دولفظوں میں آپ نے اپنی بے نظیر خود داری اور طبیعت کے استغناء کو واضح کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ قید و بند آپ کے حوصلے پست نہیں کر سکی۔ یہ کہہ کر آپ فوراً اٹھے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز میں مشغول ہو گئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُوْسَی بْنِ جَعْفَرٍ وَصِیِّ الْاَبْرَارِ وَاِمَامِ الْاَخْیَارِ وَعَیْبَةِ الْاَنْوَارِ وَوَارِثِ السَّکِیْنَةِ وَالْوَقَارِ وَالْحِکَمِ وَالْاٰثَارِ الَّذِیْ یُحْیِ اللَّیْلَ بِالسَّہَرِ بِمُوَاصَلَةِ الْاِسْتِغْفَارِ۔[1]

۱۔ مفاتیح الجنان، زیارت امام موسیٰ بن جعفرؑ۔
(بار الہا! رحمت نازل فرما موسیٰ بن جعفرؑ پر جو نیکوکاروں کے جانشین، پارساؤں کے رہبر، انوار الٰہی کے رازداں، پُر وقار شخصیت اور پُر سکون دل کے مالک ہیں اور حکمتوں اور علوم و آثار کے نکتہ داں ہیں۔ سلام ہو اُن بزرگوار پر جو رات سے صبح تک جاگ کر عبادت کرتے اور مسلسل استغفار کرتے تھے)۔ رضوانی
بیست گفتار ص ۱۶۱ تا ۱۷۳۔

مجلس ۶۱

شہادت امام رضا علیہ السلام

آج امام علی رضاؑ کا یوم شہادت ہے لہٰذا میں اُن کے وجود مقدس کی برکتوں سے متوسل ہونے کے لئے اُس حدیث کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو حدیث توحید یا حدیث سلسلۃ الذہب کے نام سے مشہور ہے یعنی وہ حدیث جس کے راوی خالص اور کھرا سونا ہیں۔

حدیث سلسلۃ الذہب

احادیث نقل کرنے کے ضمن میں مثال کے طور پر جب راوی یہ کہتا ہے کہ میں یہ حدیث نقل کر رہا ہوں احمد سے اور احمد نے یہ حدیث نقل کی ہے محمود سے اور محمود نے یہ حدیث نقل کی ہے خالد سے اور خالد نے اسے نقل کیا ہے زرارہ سے اور اُس نے نقل کیا ہے محمد بن مسلم سے یہاں تک کہ سلسلہ کسی امام پر منتہی ہوتا ہے تو یہ جو درمیان میں راوی ہیں اُن کے لئے لفظ سلسلہ استعمال کیا جاتا ہے یعنی راویوں کا سلسلہ۔

یہ حدیث جسے میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں بعد کے علماء نے اس کا نام حدیث سلسلۃ الذہب رکھا ہے۔ وہ حدیث جس کا سلسلہ طلائی یا سنہری ہے۔ یہ وہ تعبیر ہے جو دوسروں نے پیش کی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ وہ حدیث تھی جسے بیان کرتے ہوئے امام رضاؑ نے فرمایا تھا:

اس حدیث کو میں روایت کر رہا ہوں اپنے پدر بزرگوار موسیٰ بن جعفرؑ سے اور اُن کے لئے اسے بیان کیا تھا اُن کے پدر بزرگوار جعفرؑ بن محمدؑ نے اور اُن کے لئے اُن کے پدر بزرگوار محمدؑ بن علیؑ نے اور اُن کے لئے ان کے پدر بزرگوار علیؑ بن حسینؑ نے اور اُن کے لئے اُن کے پدر بزرگوار حسینؑ بن علیؑ نے اور اُن کے لئے اُن کے پدر بزرگوار علیؑ بن ابی طالبؑ نے اور اُن سے اسے بیان کیا تھا جناب رسول عالی وقارؐ نے اور اُن سے یہ بیان کی تھی حضرت جبرائیلؑ نے اور انہوں نے یہ بیان کی تھی لوح وقلم سے اور لوح وقلم نے اسے بیان کیا تھا خدائے ذوالجلال سے۔[1] اب ظاہر ہے کہ راویوں کا اس سے زیادہ ''سنہری'' سلسلہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ ''سنہری'' کا لفظ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں اس سے زیادہ بہتر فرض ہی نہیں کیا جاسکتا۔

امام رضاؑ کو شیعہ آبادی سے نہ گزارا جائے

یہ واقعہ نیشاپور میں پیش آیا تھا جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ عوام کو خصوصاً ایران کے عوام کو ائمہ اطہارؑ سے کتنی گہری محبت اور عقیدت تھی۔ عباسی خلافت کے اہلکاروں کی تمام تر سرگرمیوں کے باوجود کتنی عجیب بات ہے کہ مامون نے اپنی سیاست چمکانے کے لئے جس کی تفصیل کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے[2] لوگوں کو دکھانے کے لئے امام رضاؑ کو نہایت احترام کے ساتھ مدینہ سے نکالا لیکن خفیہ طور پر اُس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ امام کو ایسے شہروں سے نہ گزارا جائے جہاں اُن کے شیعہ آباد ہیں لہٰذا آپ کو اُن راستوں سے گزارا گیا جہاں شیعہ آباد نہیں تھے اور جہاں کے لوگ آپ کو

۱۔ بحار الانوار ج ۴۹، ص ۱۲۶۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۲۵۳۔

۲۔ دلچسپی رکھنے والے استاد مطہری کی کتاب سیری در سیرت ائمہ اطہارؑ کا مطالعہ فرمائیں۔

پہچانتے نہیں تھے۔ ذرا امام رضاؑ کے لئے مامون کے ظاہری احترام کو بھی دیکھئے اور اُس کی سیاسی چال کو بھی جس پر پس پردہ کام ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امام رضاؑ کو خاص طور پر قم نہیں لایا گیا جو شیعوں کا مرکز تھا۔ علاوہ ازیں بغداد جو دارالخلافہ تھا کسی ایک گروہ کا نہیں بلکہ تمام گروہوں اور جماعتوں کا مرکز تھا اور وہاں امام رضاؑ کو لے کر آنا ناممکن بھی تھا لیکن محض اس وجہ سے کہ وہاں امام رضاؑ کی آمد سے مامون کے خلاف فضا بن سکتی تھی امام رضاؑ کو وہاں سے نہیں گزارا گیا۔ اسی طرح آپ کو کوفہ میں بھی نہیں لایا گیا بلکہ غیر معروف راستوں سے نیشاپور لایا گیا تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ خراسان کے اس دور افتادہ شہر میں اس طرح کے جذبات دیکھنے میں آئیں گے اور لوگ امام رضاؑ کا ایسا پرتپاک استقبال کرنے کے لئے گھروں سے نکل آئیں گے۔

امام رضاؑ نیشاپور میں

جب امام رضاؑ کی سواری نیشاپور پہنچی تو لوگوں کا ایک سیلاب آپ کے استقبال کے لئے اُمڈ آیا۔ مرد و زن اور چھوٹے بڑے سبھوں نے آپ کا نہایت ہی عظیم الشان استقبال کیا۔[1] شہر کے علماء بھی آپ کے والہانہ

۱۔ اُس زمانے میں نیشاپور خراسان کا مرکز تھا۔ اُسے مرکزی خراسان یا جنوبی خراسان کہا جاتا تھا۔ (اُس میں ماوراء النہر کے شہر جو شمالی خراسان میں تھے شامل نہیں تھے) بلخ، بخارا اور مرو بھی بڑے شہر تھے لیکن موجودہ خراسان کا مرکز نیشاپور تھا۔ طوس جو مشہد مقدس کے مغرب میں چار فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے اور جہاں فردوسی کا مزار ہے اُس زمانے میں ایک چھوٹا سا قصبہ یا دیہات ہوا کرتا تھا۔ آج جہاں مشہد مقدس واقع ہے اُس زمانے میں یہاں دو چھوٹے چھوٹے قصبے آباد تھے۔ ایک ''سناباد'' کہلاتا تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں امام رضاؑ مدفون ہیں جبکہ دوسرا قصبہ ''توغان'' تھا جو آج بھی محلّہ توغان کے نام

سے مشہور ہے اور شاہراہ مشہد کے آخری سرے پر واقع ہے۔ اس جگہ کی تاریخی اہمیت صرف یہ ہے کہ ہارون خراسان کے سفر کے دوران یہاں پہنچ کر بیمار ہوگیا تھا اور پھر اُس کی بیماری اتنی بڑھی کہ وہ یہیں مرگیا اور اُسے سناباد میں دفن کر دیا گیا۔

ہم جانتے ہیں کہ امام رضاؑ کے حرم مطہر میں آپ کے پاؤں کی طرف کے اُس حصے میں جو گنبد کے بالکل وسط میں ہے ہارون دفن ہے۔

امام رضاؑ کی قبر مطہر گنبد کے بالکل وسط میں نہیں ہے۔ نیز امام رضاؑ کے سرہانے کی جگہ بہت تنگ ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ اس گنبد کے عین وسط میں ہارون کی قبر تھی اور مامون چاہتا تھا کہ امام رضاؑ کو اُس کے باپ ہارون کے پاؤں کی طرف دفن کیا جائے لیکن جیسا کہ روایات میں ہے ایسے غیر معمولی واقعات رونما ہوئے کہ وہ لوگ مجبور ہوگئے کہ امام رضاؑ کو ہارون کے سرہانے کی طرف دفن کیا جائے۔ ورنہ ماضی میں اس گنبد کا نام بقعه هارونية تھا۔

دعبل خزاعی بھی ایک عجیب شاعر تھا۔ عصر حاضر کی اصطلاح میں اُسے شاعر انقلاب کہا جاسکتا ہے اور میرے خیال میں ہمارے زمانے میں دعبل جیسا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ وہ خود کہتا تھا کہ میں پچاس سال تک اپنی صلیب اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتا رہا۔ یعنی دعبل مسلسل پچاس سال تک ایسے شعر کہتا رہا جو کسی وقت بھی اُسے تختہ دار تک پہنچا سکتے تھے۔ دعبل ایسے اشعار کہتا تھا جنھیں سن کر بنو عباس بھڑک اٹھتے تھے مثلاً

قَبْرَانِ فِيْ طُوْسٍ خَيْرُ النَّاسِ كُلِّهِمْ
وَقَبْرُ شَرِّهِمْ هٰذَا مِنَ الْعِبَرِ

طوس میں دو قبریں ایک جگہ ہیں۔ ایک اُس کی جو بہترین خلائق ہیں اور دوسری اُس کی جو بدترین خلائق ہے اور یہ بات عبرت آموز ہے۔

مَا يَنْفَعُ الرِّجْسُ مِنْ قُرْبِ الزَّكِيِّ وَلَا
عَلَى الزَّكِيِّ بِقُرْبِ الرِّجْسِ مِنْ ضَرَرٍ

کیا وہ نجس اُس پاک سے کوئی فائدہ حاصل کرتا ہے۔ کیا اُس پاک کا دامن اُس نجس کی نجاست سے متاثر ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ظاہر ہے ان اشعار سے بنو عباس کے دلوں میں کیسی آگ لگتی ہوگی۔ (استاد شہید مطہری)

عالم تھا اُس نے درخواست کی کہ یہ اعزاز مجھے بخشا جائے کہ امام رضاؑ کے اونٹ کی لگام میرے ہاتھ میں ہو یعنی امام کی ساربانی کا اعزاز نیشاپور کے سب سے بڑے عالم نے حاصل کیا۔

ہارون کے اہلکاروں کی طرف سے امام کو کسی جگہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اتنی اجازت تھی کہ جتنی جلدی ہوسکے علاقے سے گزر جائیں جبکہ دوسری طرف عوام کی شدید خواہش تھی کہ امام رضاؑ کی سواری کچھ دیر کے لئے رکے لیکن خلیفہ کے مسلح اہلکاروں نے اجازت دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ انہیں بہت جلدی ہے کیونکہ مامون انتظار کر رہا ہے۔ اگر ہم نے تاخیر کی تو ہمارے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کیا جائے۔

حصار توحید

لوگوں نے آکر عرض کی کہ مولا! ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس آپ کی کوئی یادگار باقی رہ جائے۔ لہٰذا آپ ہمارے درمیان سے گزرتے گزرتے ہمیں کوئی تحفہ دیتے جائیں اور وہ یادگار یہی ہوسکتی ہے کہ آپ ہمارے لئے کوئی حدیث بیان فرمائیں جسے ہم لکھ کر اپنے پاس محفوظ کرلیں۔

یہ جو مشہور ہے کہ بارہ ہزار طلائی قلمدان باہر نکلے تھے اور اسی وجہ سے اس حدیث کو سلسلۃ الذہب کا نام دیا گیا یہ بات بے اساس ہے۔ اس حدیث کو سلسلۃ الذہب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے تمام راوی ائمہ طاہرینؑ ہیں۔ یہ احادیث کے قدر دانوں کا مرکز تھا اس لئے امام سے خواہش کی گئی کہ آپ کوئی حدیث بیان فرمائیں۔

لکھا ہے کہ امام رضاؑ نے جب محمل سے روئے انور باہر نکالا اور دیکھنے

والوں کی نظر آپ پر پڑی تو وہ بول اٹھے لَہٗ ذُؤَابَتَانِ کَذُؤَابَتَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ.[۱] ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے لوگ رسول خداؐ کو دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے درمیان جوش وخروش بڑھ گیا۔ اس کے بعد امام نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

میں نے اپنے پدر بزرگوار سے سنا اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے یہاں تک کہ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا سلسلہ رسول خداؐ سے ہو کر لوح وقلم اور خدائے متعال سے جا ملا کہ خدائے متعال نے فرمایا کَلِمَۃُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِیْ فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ اَمِنَ مِنْ عَذَابِیْ.[۲] ''کلمہ توحید میرا حصار ہے۔ جو اس حصار میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا۔'' جب انسان حصار توحید میں داخل ہوتا ہے تو سب کچھ توحید ہی کے ضمن میں آتا ہے بالکل اُسی طرح جیسے حرف ''الف'' ہے باقی سب اُسی کے ذیل میں آتے ہیں۔ دین کی اصل اساس اور بنیاد ''توحید'' ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّآخِرًا
وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ
وَاللَّعَنُ عَلٰی اَعْدَآئِہِمْ اَجْمَعِیْنَ مِنَ الْاٰنِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

۱۔ منتہی الآمال معرب ج ۲، ص ۳۵۱۔

۲۔ توحید صدوق ص ۲۵۔ بحار الانوار ج ۴۹، ص ۱۲۷۔

بازار کوفہ میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ

حمد و ثنا اللہ کے لئے ہے اور اللہ کی رحمتیں ہوں میرے نانا محمد رسول اللہؐ پر اور اُن کی پاک آلؑ پر جو مجسم خیر ہیں۔

اے اہل کوفہ !اے مکر و فریب کے پتلو ! اے غدارو ! رو رو کر ہلکان ہو رہے ہو ؟ تمہارے یہ آنسو کبھی نہ تھمیں۔ تم ہمیشہ روتے رہو۔ تم اُس عورت کی مانند ہو جس نے محنت سے اپنا سارا سوت کات لیا اور پھر خود ہی اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پکی قسمیں کھا کر پھر جانے والو ! یاد رکھو کہ تم نے جو جرم کیا ہے وہ بہت سنگین ہے۔ خدا کا غضب تم پر چھا چکا ہے اور تم ہمیشہ اُس کے عذاب میں گرفتار رہو گے۔

اب آنسوؤں سے منہ دھو رہے ہو۔ ہاں ! خوب روؤ ! تمہیں ہنسنے سے زیادہ رونا چاہیے۔ تمہیں کچھ اندازہ نہیں کہ تم نے کیا کیا ہے۔ تم نے خاتم الانبیاءؐ کے بیٹے کو قتل کر کے اُن کی حرمت کو پامال کیا ہے۔ تم نے جوانان جنت کے سردار کو ذبح کیا ہے۔ تم نے اُسے خاک و خون میں نہلا دیا ہے جو مشکلوں میں تمہارا مددگار، تمہارے حقوق کا ترجمان اور تمہارے لئے ہدایت کا چراغ تھا۔ سوچو کہ تم نے کتنا بڑا گناہ کیا ہے ؟ کس بری طرح تم رحمت الٰہی سے دور جا پڑے ہو۔ تمہاری کوششیں بے سود ہو گئیں اور تم نے گھاٹے کا سودا کیا۔ تم نے خدا کے غضب کو آواز دی ہے وہ ضرور تم پر ذلت کو مسلط کر دے گا۔

اے اہل کوفہ ! تم پر خدا کی پھٹکار ہو۔ کیا تم نے سوچا کہ تم نے رسول اللہؐ کے لاڈلے کا خون بہایا ہے اور اُن کے ناموس کی توہین کی ہے۔ تم نے کتنے

اچھے اور سچے لوگوں کو قتل کر دیا اور کتنی باعظمت نبی زادیوں کو بے پردہ کوچہ و بازار میں پھرایا ہے۔

تم نے وہ گناہ کیا ہے جس کے سبب کچھ عجب نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تمہاری برائیاں آفاق گیر ہیں اور تمہاری بداعمالیوں سے زمین و آسمان لرز اٹھے ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ آسمان سے خون برسے۔

یاد رکھو! دنیا کی رسوائی کے بعد آخرت کا عذاب تمہیں اس سے زیادہ رسوا کرے گا اور اُس وقت تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ تمہیں یہ جو مہلت ملی ہے اس پر مطمئن نہ ہونا کیونکہ خدا انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا۔ وقت خدا کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔ انتقام کی گھڑیوں کو بس قریب ہی جانو کیونکہ تمہارا پروردگار گنہگاروں کی گھات میں ہے۔ پھر آپ نے یہ اشعار کہے:

اے کوفیو! تم اُس وقت کیا جواب دو گے جب پیغمبرؐ تم سے کہیں گے کہ یہ تم نے کیا کیا؟ تم تو آخری امت تھے۔

تم نے میرے خاندان، میری اولاد اور میرے ناموس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ تم نے اُن میں سے بعض کو قید کر لیا اور بعض کو خاک و خون میں نہلا دیا۔

کیوں! کیا میری رسالت کا یہی اجر تھا کہ میرے بعد میرے قرابت داروں کے ساتھ یہ سلوک کرتے؟

مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اُسی عذاب کے مستحق نہ بن جاؤ اور تم پر بھی عذاب کا وہی کوڑا نہ برسے جو خدا نے قوم عاد پر برسایا تھا۔[1] (رضوانی)

۱۔ مقتل الحسینؑ از مقرّم ص ۳۸۷۔ نور الابصار شبلنجی ص ۱۶۷۔
بحوالہ حیاۃ الامام الحسینؑ بن علیؑ ج ۳، ص ۳۳۵ از باقر شریف قرشی۔

تحقیق کے ماخذ

۱) قرآن کریم

۲) ابصار العین فی انصار الحسین

محمد بن طاهر السماوی

منشورات مکتب بصیرتی،

۳) الارشاد

شیخ مفید

مؤسسة الاعلمی للمطبوعات ، بیروت.

۴) ارشاد القلوب

ابی محمد الحسن بن ابی الحسن محمد الدیلمی

مرکز نشر کتاب.

۵) اُسدُ الغابه فی معرفة الصحابة

ابی الحسن علی بن ابی الکرام المعروف به ابن اثیر

انتشارات اسماعیلیان.

۶) الاغانی

ابی الفرج اصفهانی

انتشارات دارالفکر ، بیروت.

۷) الامالی

شیخ صدوق

انتشارات اسلامیه.

۸) الامالی
شیخ مفید
مطبعة الحیدریه ، النجف الاشرف.

۹) الانوار النعمانیه
سید نعمة اللّٰه جزائری
شرکت چاپ.

۱۰) بحار الانوار
علامه محمد باقر مجلسی
انتشارات اسلامیه.

۱۱) بررسی تاریخ عاشورا
محمد ابراهیم آیتی
کتابخانۂ صدوق.

۱۲) البیان والتبیین
جاحظ
منشورات دار و مکتبة هلال.

۱۳) بیت الاحزان فی مصائب سیدة النسوان
شیخ عباس قمی
ناشر مؤسسة نبأ.

۱۴) تاریخ ابن عساکر
ابو القاسم علی بن الحسن بن هبة اللّٰه الشافعی
مؤسسة المحمودیؒ ، بیروت.

۱۵) تاریخ الخلفاء
جلال الدین السیوطی
منشوات دار القلم العربی ، حلب ، شام.

۱۶) تاریخ الطبری
ابی جعفر محمد بن جریر طبری
منشورات الاعلمی للمطبوعات ، بیروت ، لبنان.

۱۷) تاریخ پیامبر اسلام
محمد ابراهیم آیتی
انتشارات دانشگاه تهران.

۱۸) تتمة المنتهٰی در تاریخ خلفاء
الشیخ عباس قمی
انتشارات داوری ، قم.

۱۹) تُحَفُ العُقُول عن آل الرسول
ابن شعبة البحرانی
انتشارات جامعه مدرسین.

۲۰) تذکرة الشهداء
مُلّا حبیب اللّٰه شریف کاشانی
چاپ قدیم.

۲۱) التوحید
الشیخ الصدوق
مکتبة الصدوق.

۲۲) تنقیح المقال فی علم الرجال
علامه شیخ عبد اللّٰه مامقانی
طبعة المرتضویه ، النجف الاشرف.

۲۳) الحکمة المتعالیه فی الاسفار العقلیة الاربعة
حکیم الٰهی صدر الدین الشیرازی
دار احیاء التراث العربی ، بیروت.

۲۴) حیاة الحیون الکبریٰ
کمال الدین دمیری
انتشارات دار الفکر ، بیروت۔

۲۵) خصائص الحسینیه
الشیخ جعفر التستری
مؤسسة دار الکتاب للطباعة والنشر۔

۲۶) دمع السجوم
علامه میرزا ابو الحسن شعرانی
انتشارات علمیه اسلامیه۔

۲۷) دمعة الساکبة
محمد باقر بن عبد الکریم البهبهانی
مؤسسة الاعلمی للمبطوعات بیروت ، لبنان۔

۲۸) دیوان امام علیؑ
ترجمه: مصطفٰی زمانی
انتشارات پیام اسلام۔

۲۹) دیوان حافظ
بخط عباس منظوری
چاپخانۂ اقبال۔

۳۰) ریاحین الشریعة
شیخ ذبیح اللّٰہ محلاتی
انتشارات اسلامیه۔

۳۱) سفینة البحار
المحدث الحاج الشیخ عباس قمی
انتشارات فراهانی۔

۳۲) السیرة الحلبیه
علی بن برهان الدین حلبی شافعی
مکتبة الاسلامیة بیروت ، لبنان.

۳۳) شرح نهج البلاغه
ابن ابی الحدید
منشورات مکتبة آیة اللّٰه العظمی المرعشی النجفیؒ

۳۴) شفاء الصدور فی شرح زیارة العاشور
میرزا ابو الفضل طهرانی
ناشر سید علی موحد ابطحی.

۳۵) الصوارم المحرقة
القاضی نور اللّٰه التستری
چاپخانه موسوی ، طهران.

۳۶) العباسؑ
سید عبدالرزاق مقرّم
کتاب فروشی بصیرتی.

۳۷) العقد الفرید
ابی عمر ابن عبد ربّه الاندلسی
کتابخانهٔ اسماعیلیان.

۳۸) عیون اخبار الرضاؑ
شیخ صدوق
منشورات الاعلمی ، طهران.

۳۹) الغدیر
علامه امینی
دار الکتاب العربی ، بیروت.

۴۰) الفتوح
ابی محمد احمد بن اعثم الکوفی
دار الکتب العلمیه ، بیروت ، لبنان.

۴۱) فرهنگ عاشورا
جواد محدثی
نشر معروف.

۴۲) قصه کربلا
علی نظری منفرد
انتشارات سرور.

۴۳) کامل الزیارات
ابن قُولُوَیْه
مطبعة المرتضویه النجف الاشرف.

۴۴) الکامل فی التاریخ
ابن اثیر
دار صادر ، بیروت.

۴۵) الکافی
ابی جعفر محمد بن یعقوب الکلینی
کتاب فروشی اسلامیه.

۴۶) کحل البصر فی سیرة سید البشر
الشیخ عباس قمی
مؤسسة الوفاء ، بیروت ، لبنان.

۴۷) کشفُ الغُمه فی معرفة الائمّة
ابو الحسن علی بن عیسی الاربلی
دارالکتاب الاسلامی ، بیروت.

۴۸) اللهوف علی قتلی الطفوف
سید بن طاووس
انتشارات جهان.

۴۹) مثنوی معنوی
مولانا جلال الدین رومی بلخی
انتشارات مولی.

۵۰) مراة العقول فی شرح اخبار آل الرسول
علامه محمد باقر مجلسی
دار الکتب الاسلامیه.

۵۱) مروج الذهب
حسین بن علی المسعودی
مکتبة التجاریة الکبری ، مصر.

۵۲) مصائب المعصومین (ع)
واثق بن عبد الرحمن یزدی
چاپخانۂ کارخانه حاجی ملا عباس علی.

۵۳) معالم المدرستین
علامه سید مرتضی العسکری
مؤسسة البعثة.

۵۴) معانی الاخبار
شیخ صدوق
انتشارات جامعه مدرّسین.

۵۵) معجم رجال الحدیث
آیة اللّٰه العظمیٰ سید ابو القاسم خوئیؒ
منشورات مدینة العلم ، قم.

۵٦) مفاتیح الجنان
محدث قمی
سازمان چاپ و انتشارات محمد علی علمی.

۵۷) مقاتل الطالبین
ابی الفرج الاصفهانی
دار احیاء علوم الدین ، بیروت.

۵۸) مقتل الحسینؑ
ابو المؤید الموفق بن احمد المکی اخطب خوارزم
مکتبة المفید قم.

۵۹) مقتل الحسینؑ
عبد الرزاق مقرّم
مؤسسة البعثة.

٦۰) المنتظم فی تاریخ الامم والملوک
ابی فرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد ابن الجوزی
دارالکتب العلمیّة ، بیروت ، لبنان.

٦۱) منتهی الآمال فی تواریخ النبی والآل، (معرّب)
الشیخ عباس قمی
انتشارات جامعه مدرّسین.

٦۲) مناقب آل ابی طالبؑ
ابن شهر آشوب
انتشارات علّامة.

٦۳) مناقب مرتضویّه
محمد صالح الحسینی الترمذی المتخلّص بکشفی
چاپ بمبئی ، چاپخانه محمدی.

۶۴) منهاج البراعة فی شرح نهج البلاغه
میرزا حبیب اللّٰه الهاشمی الخوئیؒ
بنیاد فرهنگی امام المهدیعج.
۶۵) موسوعة کلمات الامام الحسینؑ
معهد تحقیقات باقر العلوم
دار المعروف للطباعة والنّشر.
۶۶) المیزان فی تفسیر القرآن
علامه سید محمد حسین طباطبائیؒ
منشورات مؤسسة الاعلمی للمطبوعات، بیروت.
۶۷) میزان الحکمه
محمدی ری شهری
مرکز نشر مکتب الاعلام الاسلامی.
۶۸) نزهة المجالس و منتخب النفائس
عبدالرحمٰن الصفوری الشّافعی
مطبعة العامرة الشرقیّه، مصر.
۶۹) نفثة المصدور فی تجدید یوم عاشور
الشیخ عباس قمی
انتشارات نوید اسلام.
۷۰) نفس المهموم
الشیخ عباس قمی
انتشارات اسلامیّه.
۷۱) نهج البلاغه
صبحی صالح
نشر مرکز البحوث الاسلامیّة.

۷۲) نهج البلاغه
فیض الاسلام
چاپ آفتاب تهران.

۷۳) وسائل الشیعة
الحر العاملی
مکتبة الاسلامیّة.

۷۴) ینابیع المودة
الحافظ سلیمان القندوزی الحنفی
منشورات رضی.

مکتب تشیع
پاسداران اسلام
مقالات مطہری